

سوال: میرے دانت پلنے لگے ہیں۔ ان کو اکھڑوا
مصنوعی دانت بنوانا اور اس
پر سونے کا خول چڑھانا

ہیں اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آدمی کے منہ میں بغیر کسی بندش اور کمائی کے
دانت جم جاتے ہیں اور آخر تک لگے رہتے ہیں۔ مثل اصلی دانتوں کے اور کسی
انگریزی دوا کے ذریعے لگائے جاتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا
ایسے دانتوں کا لگوانا جائز ہے اگر سونے کا خول چڑھانے میں شرعاً کچھ خرابی نہ ہو۔
تو میں ایسے دانت بنواؤں ورنہ نہیں۔ آپ کی اجازت کا انتظار ہے۔

الجواب

فی الشامیۃ عن التاتارخانیۃ و علی هذا الاختلاف اذا جدد
الفہ او اذ نہ او سقط سنہ فارا دأت يتخذ سنًا آخر فعند
الامام يتخذ ذلك من الفصنہ فقط وعند محمد من الذهب
ایضاً و امام ابو یوسف فقيل معه وقيل مع الامام (ج ۵/ ۳۵۶)
سونے کا خول چڑھانا مختلف فیہ ہے۔ امام صاحب نے اس کو منع کیا ہے
اور صاحبین سے گنجائش منقول ہے پس تقویٰ احتیاط میں ہے اور فتویٰ جواز پر ہے
اور بہتر یہ ہے کہ پتھر کے دانت بنوائے جائیں یا پلے ہوئے دانتوں کو سونے
کے تاروں سے مضبوط کر لیا جائے خول نہ چڑھایا جائے۔

تمہ اور اگر سونے کا خول چڑھانے کے بعد دانت سہولت سے الگ ہو سکیں
تو غسل کے وقت ان کو الگ کر کے کلی کرنا واجب ہوگا۔ واللہ اعلم
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲ شوال ۱۴۲۶ھ

سوال: عورتوں کے لئے ان اشیاء کا استعمال
جن میں سے بعض کے استعمال میں تشبیہ
قوم کا شبہ ہے اور بعض میں نئی روشنی
کے اتباع کا ایہام ہوتا ہے (۱) پمپی پہننا (۲) گرگابی پہننا (۳) اونچی مانگ

کرنا (۴) ٹیڑی مانگ کرنا (۵) کنگھا لگانا (۶) قمیص پہننا (۷) واسکٹ پہننا (۸) افشان
چننا (۹) دوپٹہ چننا (۱۰) سر پر رومال باندھنا (۱۱) سلو کہ پہننا (۱۲) شلو اور پہننا -
(۱۳) ڈھیلے پانجامہ پہننا (۱۴) گپتی بنانا (۱۵) بیوہ کے لئے رنگا ہوا کپڑا پہننا، ایام
عدت میں تیل استعمال کرنا (۱۶) سر پر جوڑا باندھنا (۱۷) چشمہ لگانا۔

الجواب

ایک سے پانچ تک جائز نہیں۔ للتشبه بالكفار فی البعض وبالرجال
فی البعض اور ۴، جائز ہے مع الکراهة التنزیہیۃ۔ یعنی اس کا
ترک اولیٰ ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ ان استعمال مردوں کے ساتھ یا غیر اقوام کے
ساتھ خاص نہیں نہ ان کا شعاع قوی ہے اور ۸ سے ۱۰ تک جائز ہے کہ محض زینت
ہے البتہ افشان چننے کی حالت میں نماز کا وقت آجائے تو اس کو اتار کر وضو کرنا
واجب ہے اور ۱۱، ۱۲، ۱۳ اس مقام پر جائز ہے، جہاں یہ لباس مردوں کے
ساتھ خاص نہ ہو جیسا کہ پنجاب میں اور جہاں مردوں کے ساتھ خاص ہو وہاں
تشبہ بالرجال کی وجہ سے ممنوع ہوگا اور ۱۴ سمجھ میں نہیں آیا۔ ۱۵ کے متعلق یہ ہے
کہ بیوہ کو عدت کے بعد لباس زینت حرام نہیں۔ ہاں عدت کے اندر ممنوع ہے
اسی طرح عدت کے اندر سر میں تیل ڈالنا حرام ہے اگر دوسر کی وجہ سے ڈالا جائے
تو جو تیل خوشبودار نہ ہو جائز ہے۔ ۱۶ جائز ہے اور بلا ضرورت سے جائز ہے۔
بلا ضرورت کے ممنوع ہے کہ تشبہ بالرجال ہے چشمہ لگانا اس وقت تک مردوں
کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸، شوال ۱۴۲۶ھ

بواسیر کے علاج کے لئے چاندی کے پھلے یا انگشتری پہننا سوال: مرض بواسیر و دیگر امراض کا علاج
جو چاندی وغیرہ کے پھلتوں یا انگوٹھیوں سے کیا اور کرایا جاتا ہے درست ہے یا نہیں؟ مخفی مباد کہ چاندی ۶ ماہ ہوتی ہے بلکہ
اس سے زائد بھی پھلے پاؤں کے دونوں انگوٹھوں میں پہنے جاتے ہیں۔ انگوٹھی
چاندی کی بھی ہوتی ہے اور دیگر دھاتوں کی بھی میرے ایک رشتہ دار کے پیر

کے دونوں انگوٹھوں میں چھلے ہیں ان کا بیان ہے چھلے پہننے سے قبل ادویہ کا علاج کرایا گیا جس سے مرض میں کمی ہو جاتی۔ پھر چند دن بعد عود کرتا اور جب سے یہ چھلے پہن گئے ہیں مرض نہیں رہا اور نہ عود کیا۔

الجواب

بواسیر کا علاج انگوٹھی اور چھلوں سے اس شرط سے جائز ہے کہ انگوٹھی اور چھلے اس قدر سخت نہ ہوں کہ وضو اور غسل کے وقت پانی نہ پہنچ سکے بلکہ قدرے ڈھیلے ہوں کہ ہلانے سے ہل سکیں اور پانی کو اندر پہنچنے سے مانع نہ ہوں اگر پانی کو اندر پہنچنے سے مانع ہوں تو جائز نہیں اسی طرح اگر چھلوں کے سوا کوئی دوسرا علاج اس کے مثل نافع ہو تب بھی یہ علاج جائز نہیں کیونکہ اس میں تشبہ بالنساء ہے جو بدون سخت حاجت کے جائز نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

سوال: عورتوں کو سونے کی گھڑی خواہ جیبی ہو یا دستی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟
نیز یہ کہ سونے چاندی کے تعویذات پہننا جائز

عورتوں کے لئے سونے یا چاندی کی گھڑی کا استعمال

الجواب

ہے کہ نہیں؟

جائز نہیں۔ اصلہ ما ذکرہ الفقہاء فی حاتم الذهب اذا كانت فیہ المرأة لایجوز للمرأة ان تری وجہہا فیہ لکون الذهب حل لهن للزینة لا لغرہا من الاستعمالات فکذا الساعة من الذهب یجوز لبسہا للنساء علی الید للزینة و لکن لایجوز او یتھا لمعرفة الوقت و اما فی الجیب فلا یجوز اصلاً لعدم الزینة فیہ۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ

جس عبا پر زری کا کام کیا گیا ہو | مولانا مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیمات دیوبند اس کے پہننے کا حکم نے اپنا ایک عباد کھلایا جس کی گردن اور پشت پر چار انگل سے بہت زیادہ زری کا سچا کام تھا مولانا نے اس کے اوپر سوت کے

دھاگے سے پھول بوٹے نکلوا کر زری کا کام مستور کر دیا تھا مگر اطمینان نہ ہوا اور
تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت کو دکھلایا کہ اس ترکیب کے بعد اس کا لبس
جائز ہو گیا یا نہیں؟ اس کا جو جواب دیا گیا وہ حسب ذیل ہے۔

الجواب

آپ کے عبا کی بابت میں نے بہت غور کیا جو اس قدر سمجھا ہے اس کا حاصل
یہ ہے کہ جواز کی گنجائش تو اس صورت میں بھی ہے کہ زری کے کام پر کوئی سوتی
کپڑا سی دیا جائے یا سوت کے دھاگے سے پھول بوٹے اس قدر نکالے جائیں کہ زری
کا کام مستور ہو جائے اور کسی جگہ چار انگشت سے زیادہ مکشوف نہ رہے اس صورت
میں زری کا کام بمنزلہ حشو کے ہو جائے گا مقصود نہ رہے گا کیونکہ مقصود ظہارۃ و بطانۃ
ہے اور جو شئی ظہارۃ و بطانۃ کے درمیان ہے وہ مقصود نہیں ہے محض تابع و حشو ہے۔
هذا هو ما ذكره الشا حى ثم أمر بالتأمل فيه مكر احوط وهى ہے جو
زبانى عرض كى گئى تھى كى زرى كى كام كو كاٹ كر درمیان میں سوتى كپڑے سے فصل
كر دیا جائے۔

قال فى الهندية: عن فتاوى آهو سئل قاضى برهان الدين
اگر عنق را چكن كردند با كشيده از ابريشم فلبسه قال ينبغى ان
لا يكره لانه صار مستهلكا فيكون تبعا و اشار شمس الائم السرخسى
انه يكون تبعا و هذا هو مؤيد للجواز المذكور او لا وفيه
ايضا عن شرح القدورى عن ابى يوسف قال اكره ثوب الفز يكون
بين الفز و بين الظهارة كذا فى المحيط (ج ۶/ ۲۲۷) والله تعالى اعلم -
وهذا مؤيد لما جعلته احوط فقط - حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه
از تھانہ بھون ۲۷ رجب ۱۲۸۵ھ

ع: الظاهر الخزف ضحفة الكاتب بالفز فان الخز الذى كان فى الزمن
القديم من وابة البحر كان جائزا فان الحاصل انه كره جعل
الخز اى الحرير بين الخز و الظهارة وهذا هو ما اجازه
الشا حى - والله تعالى اعلم - ۱۲ منه -

سوال: اخبار مدینہ میں کسی کا فتویٰ شائع ہوا ہے عورتوں کے لئے بال کٹوانے کا حکم جس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی اپنے سر کے بال کانوں تک کٹواتی تھیں ایک روایت ہے کہ وقرہ کرتی تھیں جس میں کانوں تک معلوم ہوتا ہے کیا یہ روایت موضوع ہے یا اس کے معنی مطلب کچھ اور ہیں۔ امید ہے کہ اس کی تشریح سے بھی مطلع فرمائیں گے۔

الجواب

اس میں کسی کو کلام نہیں کہ عورتیں بوقت ضرورت اپنے بالوں کو کتر کر کس قدر کم کر سکتی ہیں چنانچہ حج میں عورتوں کے لئے قصر بقدر ائملہ جائز بلکہ تحلل کے لئے ضروری ہے۔ اور حضرات ازواج مطہرات کا فعل ضرورت ہی پر محمول ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زینت ترک کر دی تھی (کیونکہ وہ عمر بھر کے لئے عدت ہی میں تھیں۔ ان کو حضورؐ کے بعد عمر بھر کسی سے بھی نکاح جائز نہ تھا تو وہ معتدہ کی طرح عمر بھر زینت ترک کئے رہتی تھیں ۱۲) اور ترک زینت کے ساتھ بالوں کی خدمت دشوار ہوتی ہے جیسا کہ مشاہد ہے اس لئے وہ اپنے بالوں کو کچھ کم کر دیتی تھیں مگر پھر بھی ان کے بال مردوں کے برابر نہ ہوتے تھے بلکہ مردوں کے بالوں سے بڑے ہوتے تھے جس کی دلیل خود حدیث کا لفظ ہے کہ ان کے بال مثل و فرہ کے تھے۔ اور و فرہ وہ بال ہیں جو مونڈوں سے نیچے ہوں تو جو بال کم کرنے کے بعد مثل و فرہ کے ہوں وہ اس سے بھی زائد ہوں گے۔ پس ازواج مطہرات کے بال کمی کے بعد بھی مردوں کے بالوں سے ممتاز اور زیادہ تھے اور ان کے کم کرنے کا منشا بھی ضرورت اور ترک زینت تھی۔ پس اس سے اس فعل کے جواز پر استدلال کرنا جو بلا ضرورت ہے (کیونکہ ازواج مطہرات کے سوا کسی عورت کی عدت چار ماہ دس دن سے زیادہ نہیں) اور جس کا منشا تشبہ بنساء الکفار ہے اور جس میں تشبہ بالرجال بھی ہے اور ان دونوں پر سخت وعید وارد ہے کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۸ شوال ۱۴۲۸ھ

الدلیل علی الجواب

قال سفیان بن عیینہ کان لواء رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فی معنی المعتدات وللمعتدہ اسکنی فجعل لهنّ البيوت
 ما عش ولا يمكن رقابها اه ذكر السيوطي في الخصائص له في تفسير
 قوله تعالى وقرن في بيوتكن وقوله صلى الله عليه وسلم في
 حجة الوداع لنسائه هذه الحجة ثم ظهور الحصر (ج ۲/ ۲۵۱)
 وقال النووي الوفره الشيع واكثر من اللّمة واللّمة ما يلم
 بالمنكبين من الشعر قاله الا صمعي وقال العياض رحمه الله ولعل
 ازواج النبي صلى الله عليه وسلم فعلن هذا بعد وفاته
 صلى الله عليه وسلم لتركهنّ التزيين واستغنائهنّ من
 تطويل الشعر وتخفيفاً لمؤنة رؤسهنّ إلى ان قال وهو
 متعين ولا يظنّ بهنّ فعله في حياته صلى الله عليه وسلم (ج ۲/ ۱۴۸)
 في شرح حديث أبي سلمة بن عبد الرحمن قال دخلت على
 عائشة انا و اخوها من الرضا عة فسألته عن غسل النبي صلى الله
 عليه وسلم الى قوله وقال ازواج النبي صلى الله عليه وسلم
 يأخذ من شعورهنّ حتى تكون كالوفره ۱۰ هـ -

پس اس حدیث سے اگر استدلال ہو سکتا ہے تو صرف اس پر استدلال
 ہو سکتا ہے کہ بیوہ عورت کو جائز ہے کہ اپنے سر کے بال زیادہ لمبے نہ کرے
 بلکہ وفرہ کے قریب کر دے اور وفرہ کے جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں نووی نے
 اسی کو ترجیح دی ہے اور گو اس کے معنی میں اور بھی اقوال ہیں مگر جب احتمال
 پیدا ہو گیا تو اس کے خلاف پر استدلال نہیں ہو سکتا، اذا جاء الاحتمال
 بطل الاستدلال، اور نووی کے قول، ولا يظنّ بهنّ فعله
 فی حياته صلى الله عليه وسلم سے معلوم ہوا کہ شوہر کی زندگی میں عورت
 کو اپنے سر کے بال کم کرنا جائز نہیں ورنہ اس ظن کی نفی متعین نہ ہوگی۔ رہا یہ کہ
 ازواج مطہرات نے عدت کی وجہ سے ایسا کیا اور ان پر ترک زینت عمر بھر واجب
 تھی یا نہ تھی دونوں احتمال ہیں مگر یہ متعین ہے کہ ان کا یہ فعل تو بوجہ ترک زینت
 عہ قلت یرجح عدم وجوب ترك الزينة عليهنّ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہی کے تھا اور ابن عیینہ کا ازواج کو بمنزلۃ المعتدۃ فرمانا احتمال اول کو مرجع ہے اور ترک زینت اسی عورت کو جائز ہے جس کے شوہر نہ ہو۔ شوہر والی کو جائز نہیں۔ پس اس سے مطلقاً قصر شعور کے جواز پر استدلال بہر حال باطل ہے۔ غایت ما فی الباب بیوگان کے لئے قصر شعور کی اجازت پر استدلال ہو سکتا ہے مگر یہ استدلال بھی مجتہد ہی کر سکتا ہے۔ غیر مجتہد نہیں کر سکتا کیونکہ غیر مجتہد کو قرآن و حدیث سے استنباط کا حق نہیں۔ وہوظاہر۔ اور مجتہدین سے کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے شوہر والی عورت یا بیوہ کے لئے بلا ضرورت مرض و وجع و وجع قصر شعر کی اجازت دی ہو بلکہ فقہاء نے عورتوں کو حلق و قصر رأس سے مطلقاً منع فرمایا ہے ملاحظہ ہوا شبہ احکام الانثیٰ) اور نوویؒ کا اس حدیث کے تحت میں وہ فیہ جواز تخفیف اشعر للنساء فرمانا حجت نہیں کیونکہ وہ خود مقلد ہیں اور کسی مجتہد کی طرف اس قول کو منسوب نہیں کیا دوسرے ازواج مطہرات کے اوپر دوسری بیوہ عورتوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ ازواج مطہرات کو دوسرے شخص سے نکاح حرام تھا اور دوسری بیوہ عورتوں کو حرام نہیں۔ تیسرے تخفیف کے مراتب مختلف ہیں۔ مطلق تخفیف کے جواز سے تخفیف متکلم فیہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ما فی الصحیحین عن زینب بنت ام سلمہ دخلت علی ام حبیبہ حین توفی ابوہا ابوسفیان فدعت بطیب فیہ اصغرة خلوق او غیرہ فدهت منه جاریة ثم مست بعارضیہا ثم قالت واللہ مالی بالطیب من حاجة الحدیث (نیل ص ۲۴۵ ج ۶) قلت لیس فیہ الا مس الطیب فی الجملة لا استعمالها ومثل هذا القدر الیسیر لا تمنع المعتقد عنه التطیب واستعمال الطیب و لیس ذالک منه فی شیء ولئن سلمہا فانما فعلت ذالک لضرورة شرعیة و هو أنها الاحداد علی الأب شیء یدل علی ترک الاحداد و قولہا وقولہا واللہ مالی بالطیب من حاجة یحتمل أن یكون اشارة إلى کونها معتدہ بعد وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وای جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ فقط : ظفر۔

یہ جواب تو اس صورت میں ہے جبکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرات ازواج مطہرات اپنے بال کتر کر کم کرتی تھیں مگر ہم کو اس حدیث سے اس مفہوم کو ثابت ہونا ہی مسلم نہیں کیونکہ اس کے راوی ابو سلمہ بن عبد الرحمن تمام ازواج مطہرات کے محترم نہیں تو انہوں نے تمام ازواج مطہرات کا یہ فعل خود تو دیکھا نہیں۔ کسی سے سنا ہوگا اور وہ واسطہ مجہول ہے۔ لہذا حدیث حجت نہیں۔ رہا یہ کہ حضرت عائشہ کا فعل تو وہ دیکھ سکتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اس کی بھی تصریح نہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ کا قصر شعر خود دیکھا اور چونکہ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر کے بال بیماری کے سبب کم ہو گئے تھے اس لئے یہ احتمال غالب ہے کہ ابو سلمہ نے ان کے بال عام عورتوں سے کم دیکھ کر اپنے گمان سے یہ سمجھ لیا ہو کہ حضرت عائشہ بال کترتی ہیں اور بیماری سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بال کم ہو جانا شیخین کی روایت میں مصرح ہے۔ قالت۔

(کذا فی جمع الفوائد ص ۳۱۲ ج ۱)

اور ظاہر یہ ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد سب نہیں بلکہ حضرت عائشہ ہی مراد ہیں۔ تعظیماً واحد کو صیغہ جمع سے تعبیر کر دیا۔ واللہ اعلم
حررہ الاحقر طفر احمد عفا عنہ

۱۱ سوال نمبر ۱۱

سوال: دو مسئلے دریافت طلب ہیں۔
۱۔ عورتوں کو موبان یعنی تندر کا سرخ پارچہ جس میں سر کے بال چوٹی کے نیچے پیٹ کر دوہرا بل کر کے نیچے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ نیز چوٹی جو سوتی تین دھاگوں سبز، سرخ سیاہ رنگین بنی ہوئی بازاروں میں بکتی ہیں اور نیچے چوٹی میں شامل کر کے چوٹی کی طرح تہرے بل سے ٹب کر نیچے چھوڑ دی جاتی ہے جائز الاستعمال ہے یا ناجائز کہ مستوصلات میں داخل ہے۔ یہ بال نہیں ہوتے اور نہ سر پر بندش نیچے کے بالوں میں جوڑ لگایا جاتا ہے۔ مگر بال اور دھاگا جدا جدا نظر آتا رہتا ہے۔

۲۔ انگشتری پیتل یا دھاگہ جدید جو میل قبول نہیں کرتا۔ پہننا مستورات کو جائز ہے یا

ناجائز۔ ولو حاتمًا من الحديد كما كيا مطلب جبکہ مرد کو سوائے نغزو کے اور عورت کو سوائے ذہب و فضہ اور شے کی انگوٹھی حرام ہے نیز حرمت ہے یا کراہت۔

الجواب

(۱) قال في العالمگیرية ووصل الشعر بشعرا الأدهی حرام سوائے کانت شعرها أو شعر غيرها ولا بأس امرأة أن تجعل في قرونها وذا وأبها شيئاً من الوبر كذا في قاضیخان (ج ۴/۲۳۸) قلت فيجوز أن تجعل في القرون حيوطاً أولى - ۱۰

(۲) في العالمگیرية التختم بالحديد والصفروالنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء وجميعاً وأما الشب ونحوه فلا بأس بالتختم به كالعقيق كذا في العینی هو الصحيح كذا في جواهر الاخلاطی التختم بالعظم جائز كذا في الفرائب ولا بأس بان يتخذ خاتم حديد قد لوى عليه فضة (او ذہب) حتی لا یرى كذا في المحيط (ج ۴/۲۲۲)

قلت: والكراهة اذا اطلقت يراد بها كراهة التحريم وبالجمله فلا يجوز التختم بشئ من المعادن للرجال الا بالفضة والنساء بها وبالذهب وأما غير المعادن من الحجريات والعظم فيجوز التختم بها للنساء والمعدن الحديد ما لظاهر من الاطلاق كراهة التختم به وأما بالنظر الى العلة وهو قوله صلى الله عليه وسلم لمن لبس خاتم من شبه راي صفرو هو ضرب من الفخاس يشبه الذهب) مالی أجد عليك ریح الأصنام ولمن لبس خاتم من حديد مالی أرى عليك حلية اهل النار۔ رواه البوداود وسكت عنه (ج ۲/۲۲۹)

ولا بأس بالتختم بما ليس من هذين النوعين والنحاس والصفرونوع واحد وكذا الحديد والرصاص

وَأَمَّا الْمَعْدَنُ الْحَدِيدُ فَلَعَلَّهِ غَيْرُ هَذِهِ الْأَنْوَاعِ . وَاللَّهُ
تَعَالَى أَعْلَمُ . وَالْأَحْوَطُ التَّوَكُّلُ وَأَمَّا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْتِمَسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَلَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ اللَّبَسِ وَإِنَّمَا
يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ اعْطَائِهِ لِلْمَرْأَةِ فِي مَهْرِهَا لِتَنْفَعُ بِهِ بَيْعًا وَنَحْوَهُ
وَقَدْ حَمَلَهُ عَلَمَانَا الْحَنْفِيَّةُ عَلَى الْمَبَالِغَةِ فِي الْإِثْمَاسِ فَإِنْ
الْمَهْرُ عِنْدَهُمْ لَا يَكُونُ أَقَلُّ مِنْ دِينَارٍ فَمَعْنَاهُ التَّمَسُّ وَلَوْ
شَيْئًا قَلِيلًا حَتَّى تَعَجَّلَهُ فِي مَهْرِهَا . وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

حزرة الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

از تھانہ بھون ۶ ذیقعد ۱۲۸۵ھ

سوال: ترکی ٹوپی کے استعمال کا کیا حکم ہے اور
ترکی ٹوپی کا استعمال کیسا ہے؟ اس کے پہننے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ترکی ٹوپی کا استعمال عام مسلمانوں کو جائز ہے مگر خواص علماء و صلحا کو
نہ پہننا چاہئے کیونکہ ہنوز اس کا رواج صلحاء و علماء میں نہیں ہوا البتہ جس جگہ
خواص میں بھی اس کا رواج ہو گیا ہو وہاں سب کو جائز ہے اور پہننا اگر ریشم
کا ہو تو حرام ہے اگر ریشم کا نہ ہو تو جائز ہے . واللہ اعلم .

ظفر احمد عفی عنہ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۵ھ

مردوں کو کون کون سے رنگ
سوال: کون کون سے سرخ و زرد رنگ کے کپڑے
کے کپڑے پہننا منع ہے۔
مردوں کو پہننا منع ہے، میں ایک تو وہ رنگ ہیں جو
ولایت سے سفوف کی شکل میں آتے ہیں۔ دوسرے خود ولایت ہی سے رنگین
کپڑے کچے یا پکے رنگ کے آتے ہیں، پھر ممانعت کس قسم کی ہے یعنی تنزیہی
ہے کہ تحریمی حدیث سے سرخ و زرد کپڑے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

الجواب

سرخ رنگ صرف بعض مردوں کو حرام ہے یعنی کسم کا رنگ ہو، اور

زرد صرف مزعفر حرام ہے جو زعفران سے رنگا گیا ہو۔ اس کے سوا زرد سب بلا کراہت جائز ہے اور سرخ خالص بکراہت تنزیہی اور سرخ مختلط بلا کراہت جائز ہے۔ راولا پتی اور دسی رنگوں کا فرق سو وہ صرف اسپرٹ کے شبہ کی وجہ سے ہے ورنہ دونوں مساوی ہیں۔ واللہ اعلم
ظفر احمد عفا عنہ ۶ رمضان ۱۴۲۸ھ

تتمہ

اس کے بعد سائل کا دوسرا خط آیا جو مع سوال و جواب مذکور ہے۔
سوال: آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر مزعفر کی نہی کے علاوہ یعنی لفظ اصغر سے کوئی روایت نظر سے گزری ہو تو مطلع کرو لہذا درج ذیل کرتا ہوں۔

عن انس بن مالک عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان عند رجل به اثر صفرة قال وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يكاد يواجه احدا بشئ يكرهه فلما قال للقوم لو قلتم له يدع هذه الصفرة اشمائل ترمذي باب ما جاء في خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم.

الجواب

میرا مقصود یہ تھا کہ صفرة مطلقہ سے نہی ہو اور اس حدیث میں تو يدع هذه الصفرة ہے جس سے صفرة معینہ مفہوم ہوتا ہے جس کو احتمالاً بھی صفرة خلوق یا زعفران کے ساتھ مقید کیا جاسکتا ہے اور حدیث انسؓ کے طریق جمع کرنے سے تو یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ مراد صفرة زعفران و خلوق ہے۔ قالہ الشاح الشمائل العلامة الخفی ج ۲/۱۰۰

اور البوداؤد میں بھی ایک طریق حضرت انسؓ سے بلفظ تزعفر وارد ہوا ہے اور جس رجل مجہول کا واقعہ حضرت انسؓ نے بیان فرمایا ہے غالباً وہ حضرت عمار بن یاسر ہیں اور ان کا واقعہ البوداؤد میں بلفظ خلوق و زعفران وارد ہے اور حمزہ سے بعض احادیث میں مطلقاً کراہت وارد ہے۔ حتیٰ کہ حمزہ سے بھی ملاحظہ ہو۔
البوداؤد جلد دوم کتاب اللباس والترجل واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ رمضان ۱۴۲۸ھ

بہشتی زیور کے اس مسئلہ کی دلیل کہ سوال: عرض ہے کہ بہشتی زیور صفحہ چوتھ تیسرا حصہ
آرسی کا زینت کے لئے پہننا درست ہے، مضمون سونے چاندی کے برتنوں کے بیان میں جو
لیکن آرسی میں منہ دیکھنا حرام ہے آپ نے تحریر کیا ہے کہ آرسی کا زینت کے لئے پہننا
درست ہے لیکن آرسی میں منہ دیکھنا حرام ہے اس کے واسطے کوئی استدلال عطا
فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب

فی الدر المختار۔ وحلیۃ مرآة وقال الشامی الذی فی المنح والهدایۃ
وغيرهما۔ حلقہ بالثقاف قال فی الکفایۃ المراد بها التي تكون
حوالی المرأة لانا نأخذہ المرأة بیدها فانه مکروه اتفاقاً (۳۳)
ای استعمالها دون لبسها يدل عليه کلامه السابق فإت
الکلام فی الاستعمال والمراد بالکراهۃ کراهۃ التحريم للاطلاق۔

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفی عنہ ۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

مردوں کے لئے ریشمی اور سرخ رنگ کا سوال: یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ
کپڑا پہننا اور اس میں نماز ادا کرنا زرد کپڑا یا سرخ کپڑا یا ریشم کا کپڑا پہن کر
آیا نماز ہو جاتی ہے یا نہیں اور اگر نیچے کپڑا سرخ ہو یعنی سوت کا اور اوپر ریشم
ہو آیا یہ جائز ہے یا نہیں ایسا ہی سرخ کپڑے کے بابت عرض ہے مثلاً جیسے زرائی یا
روئی کا کوٹ یا واسکٹ، روئی کی ہونماز جائز ہو سکتی ہے یا کہ نہیں۔

الجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ریشم کا کپڑا مرد کو پہننا حرام ہے خواہ کسی کپڑے کے
اوپر پہننا جاوے خواہ کسی کپڑے کے نیچے اور نماز پڑھنے کی حالت میں بھی حرام ہے اور
پہن کر نماز پڑھیں تو نماز مکروہ ہو گئی۔ اور سرخ رنگ مردوں کے لئے بلا کراہت
جائز نہیں ہے اگر کسم سے رنگا ہوا ہے تو حرام ہے اور اگر علاوہ کسم کے کسی اور چیز

سے سرخ رنگا ہے تو مکروہ تنزیہی ہے۔ کماحقہ فی تنتح الفتاویٰ المحامدۃ (ج ۲/۳۲۳) اور اس میں بھی ریشمی کپڑے کی طرح بہر حال بدرجہ مذکورہ ممانعت ہے خواہ نماز پڑھنے میں پہنا جائے خواہ نماز سے خارج میں پہنا جائے البتہ اگر کسی کپڑے میں سرخ دھاری ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں اور زرد رنگ بھی مکروہ ہے جبکہ زعفران یا اس سے رنگا ہو اور اگر ان دو کے سوا کسی چیز سے رنگا ہو تو وہ جائز معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق جزئیہ نہیں ملا۔ ۱۲ منہ۔ واللہ اعلم

احقر عبد اکرم عفی عنہ از خالقہ

۱۴ جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ھ

سوال: میں نے سامنے کے اوپر کے چار دانت مصنوعی دانت بنوانا اور ان پر سونے کا خول چڑھانے کا حکم

ہیں ان دانتوں کی پشت پر سونے کی پیٹی لگائی گئی ہے اور ان کے بازوؤں کے دو دانتوں پر (یعنی کو چلیوں پر) سونے کا خول چڑھا گیا ہے جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ سامنے کے چاروں دانتوں کی گرفت رہے ایک دست سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے مصنوعی دانتوں کا استعمال ناجائز ہے اور چونکہ دو دانتوں پر خول چڑھا ہوا ہے اس لئے وضو اور غسل بھی نہیں ہو سکتا۔ براہ کرم اطلاع بخشی جائے کہ کیا یہ صحیح ہے۔ اگرچہ دانتوں کی تیاری میں میرے ایک سو بیس روپے صرف ہوئے ہیں اور ضرورتاً دواؤں دانتوں کو نکلوا کر مصنوعی دانت تیار کئے گئے ہیں مگر ناجائز ہونے کی صورت میں ان کو نکلوا دوں گا۔ بحالت موجودہ مصنوعی دانت بعینہ دانتوں کے ساتھ پختہ طور سے باندھ دیئے گئے ہیں اور وہ معمولی دانتوں کی طرح نہ تو نکل سکتے ہیں اور نہ ان کو نکالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے ناجائز ہونے کی صورت میں ان کو دندان ساز سے نکلوا کر معمولی چوکرٹار بر کے پشتہ کا تیار کرا لوں گا مگر ایسا چوکرٹا نہ تو کسی کام کا ہوتا ہے اور نہ اس سے راحت ملتی ہے۔ پہلے میں نے ایسا ہی چوکرٹا تیار کرایا تھا جو ہر وقت آسانی کے ساتھ علیحدہ ہو سکتا تھا مگر اس سے مطلقاً راحت نہیں ملتی تھی اور لگانے کے بعد سخت بے چینی رہتی تھی اور اس سے چوسنے تک کا

کام بھی نہیں لیا جاسکتا تھا اور بات کرتے وقت ان میں حرکت ہوتی تھی اس لئے حسب تفصیل صدر سونے کے پشتہ کا دوسرا چوکڑا تیار کرایا گیا۔

الجواب

دانتوں پر سونے کا خول چڑھا جائز ہے۔

قال في الهدية عن الجامع الصغير ولا يشد الاسنان بالذهب ويشدها بالفضة وهذا قول ابي حنيفة وقال محمد يشدها بالذهب ايضا وذكر الحاكم في المنتقى لو خاف سقوط السن فشدّها بالذهب او بالفضة لم يكن بأساً عند أبي حنيفة وأبي يوسف وفيه أيضاً قطعت انملة يجوز أن يتخذها من ذهب أو فضة بخلاف ما لو قطعت يده أو أصبعه كذا في التمرشاشي اهـ (ج ۶ / ۲۲۵)

وفيه دلالة على اتخاذ العضو الصغير من الذهب أو الفضة دون العضو الكبير لا سيما إذا كان غير الذهب ينتن في الفم ولا ينتن الذهب فلا بأس باتخاذ السن منه. والله اعلم۔

وفي رد المحتار عن التاترخانية. وعلى هذا الاختلاف إذا جددت الفضة أو أذنته أو سقط سنه فأراد أن يتخذ سنًا آخر فعند الامام يتخذ ذلك من الفضة وعند محمد من الذهب ايضا وذكر فيه مساعدا لا تقافي لمحمد واستدل بثبوت جواز الأنف من الذهب بحديث عرفة لعله انتان غيره. قال ولا نسلم انها ترتفع في السن بالفضة لأنها تنتن ايضا (ج ۵ / ۳۵۶) ربا وضوا وغسل کا حکم تو اگر ان دانتوں کے نکالنے میں رقت ہوتی ہو تو غسل وضو کے وقت ان کے نکالنا ضروری نہیں۔

قال في الدر: ويجب أي بفرض غسل ما يمكن من البدن بلا حرج لا غسل ما فيه حرج كعين وثقب انضمام ولا داخل قلفه

بل بئدب وهو الأصح وفي المسعودی ان أمکن فتح القلفة
بلا مشقة يجب والألا (ج ۱/۱۵۸)

ہاں دقت نہ ہوتی ہو تو ان کا نکالنا ضروری ہوگا اور دقت ہونے نہ ہونے
کو مبتلی بہ خود سمجھ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

از تھانہ بھون، ۲۰ محرم ۱۴۲۹ھ

دانتوں پر سونے کا خول | سوال: دانتوں پر سونے کا خول چڑھا کیسا ہے اور خول
چڑھانا کیسا ہے؟ | پائیدار اور مستحکم اس قدر ہو کہ بغیر خاص اہتمام کے علیحدہ
نہ کیا جاسکے تو کیا حکم ہے۔

الجواب

امام محمد کے قول پر گنجائش ہے۔ امام صاحب کے قول میں گنجائش نہیں۔
اور اگر خول سہولت سے اتر سکے تو غسل جنابت کے وقت اس کو اتار کر کلی کرنا ضروری
ہے وقت ہو تو اتارنے کی ضرورت نہیں۔

فی الہندیۃ فی السن المجوف الذی تبقی فیہ طعام ثم
عسلہ علی الأصح ولدن الباس فی الانف یمنع تمام الغسل
إلی أن قال: وقیل کل ذالک یجزیہم للخرج والضرورة
ومواضع الضرورة مستثناة من قواعد الشرع کذا فی الظہریۃ
ج ۱/۹۰. وفيه أيضاً اذا تحركت الاسنان وخيف سقوطها.
فأراد صاحبها ان يشدها. شدّها بالفضّة لا بالذهب
وهذا قول أبي حنيفة وقال محمد يشدها بالذهب
ایضاً (ج ۶/۲۲۴) واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ شعبان ۱۴۲۹ھ

باب اللعب والغناء والتصاوير

غیر ذی روح کی تصویر کا حکم | سوال: مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی رسالہ القاسم میں تحریر فرماتے ہیں کہ جن اشیاء غیر ذی روح کی پرستش ہوتی ہے جیسے چاند وغیرہ ان کی تصاویر کھینچنی ناجائز ہے اگر کوئی جزئیہ حضور والا کی نظر سے گزرا ہو تو مع حوالہ کتاب ارقام فرمائیں۔

الجواب

غیر ذی روح کی تصویر کھینچنی مطلقاً ناجائز ہے خواہ اس کی عبادت کفار کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔

قال فی الدر: أولغیر ذی روح لا یکرہ لأنہا لا تعبد ای
هذه المذکورات فخیئذ فلا یحصل التشبه فان قبل
عبد الشمس والقمر والنکواب والشجرة الخضراء قلنا
عبد عینہ لا تمثاله (ج ۱/ ۶۷۸)

لیکن اس دلیل سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چاند وغیرہ کی تصویر اس لئے جائز ہے کہ ان کی ذات کی عبادت کی جاتی ہے۔ تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ اگر کسی غیر ذی روح کی عبادت کی جاتی ہو تو اس کا بنانا جائز نہیں نہ گھر میں رکھنا۔ چنانچہ صلیب کے بارہ میں یہ حکم مصرح ہے۔

قال فی الدر: ولبس ثوب فی تمثال ذی روح اھ
قال الشامی اقول والظاهر أنه یلحق به الصلیب وان لم
یکن تمثال ذی روح لان فیہ تشبہا بالنصاری الخ ص ۶۷ ج ۱۔
واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۶ محرم ۱۴۲۸ھ

اے جواب تشنہ معلوم ہوتا ہے۔ اصل قدیم رجسٹر میں اتنا ہی جواب منقول ہے۔ واللہ اعلم۔ مرتب

سوال: زید کہتا ہے کہ کبڈی، گلی ڈنڈا یا گیند بلا وغیرہ
گیند بلا اور کبڈی کھیلنے کا حکم | سراسر حرام ہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ محض لہو و
لعب ہیں اور خالد کہتا ہے کہ ان کے کھیلنے میں کوئی حرج نہیں تو کیا یہ سب لہو و لعب
ہیں داخل ہیں یا نہیں۔ ان کا کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

کبڈی اور گیند بلا وغیرہ سے کھیلنا اگر محض کھیل اور لہو و لعب کی نیت سے
ہو تو ناجائز ہے اور اگر قوت و شجاعت بڑھانے کی نیت سے ہو تو جائز ہے۔
قال فی الدر: والمصارعة ليست ببدعة الا للتلهی فتكره
برجندی واما السباق بلا جعل فيحل في كل شيء كما يأتي۔

(ج ۵/۳۹۸) (۱)

وفی رد المحتار: اقول قد مناعن القهستانی جواز اللعب
بالصولجان وهو الكرة للفروسية وفي جواز المسابقة بالطير
عندنا نظروا في جواز معرفة ما في اليد واللعب
بالخاتم فانه لهُم محبرد واما المسابقة بالبقر والسفن
والسباحة فظاهر كلامهم الجواز وری البندق والحجر
كالرمي بالسهم واما مثالة الحجر باليد وما بعده فالظاهر
أنه إن قصد به التمرن والتقوى على الشجاعة
لا بأس به۔ والله اعلم:

ظفر احمد عفا الله عنه،، سوال شکھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ
ورزش کی نیت سے فٹبال کھیلنے کا حکم | میں کہ نصاریٰ لوگ جو چنڈول اور فٹ بال
کھیلتے ہیں اسی طرح ہندو مسلمانوں کا مل کر یہ کھیل کھیلنا جائز ہے یا نہیں اور اس
میں نماز کا اور اس کے وقت کا خیال تک نہیں کرتے بلکہ نماز فوت بھی ہو جاتی ہے

(۱) شامیہ مع الدرر ج ۶/۴۰۴) ایچ ایم سعید۔ مرتب۔

الجواب

یہ کام نصاریٰ کے قومی شعار یا مذہبی رسوم نہیں ہیں اس لئے اگر ورزش کی مصلحت سے کھیلا جائے تو مضائقہ نہیں اگر نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کی نیت ہو تو مکروہ ہوگا اور نماز کے قوت کرنے کا گناہ تو ہر ورزش میں ہے خواہ یہ ہو یا کوئی اور لہذا ایسا مشغول ہو کر کھیلنا کہ نماز کا بھی خیال نہ رہے ہر حال میں ناجائز ہے واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۵ شعبان ۱۴۲۸ھ

سفر کے واسطے ضرورت شدیدہ نصف سوال: گورنمنٹ برطانیہ کا قانون ہے کہ بدن کی تصویر کھینچوانی جائز ہے۔ ہر وہ شخص جو افریقہ جانا چاہے اپنی پوری تصویر کھینچ کر پاسپورٹ یعنی پروانہ راہداری حاصل کرے بغیر اپنا فوٹو دیئے ہوئے جانے کی اجازت نہیں مل سکتی حضور والا ارشاد شریعت تحریر فرمائیں کہ فوٹو دینا کیسا ہے اور اگر آدھی تصویر کھینچوائی جائے تو کیا حکم ہے۔

الجواب

قال ابن حجر في الصورة فاما لو كانت ممتهنة او غير ممتهنة لكنها غيرت عن هيئتها اما بقطعها من نصفها او بقطع رأسها فلا امتناع (۳۲۹)

وفي الشاميه: والتمثال خاص بمثال ذي روح ويأتى ان غير ذي الروح لا يكره قال القهستاني وفيه اشعار بان لا تكره صورة الرأس وفيه خلاف كما في اتخاذها كذا في المحيط۔ (ج ۱/ ۶۷۷)

وفي الدرر: او كانت صغيرة لا تتبين او مقطوعة الرأس او الوجه او ممحوة عضو لا تعيش بدونه اهـ (ج ۱/ ۶۷۸)
قال الشامي قوله: او ممحوة عضو الخ تعميم بعد تخصيص۔
وهل مثل ذلك مالو كانت مثقوبة البطن مثلاً والظاهر أنه لو كان الثقب كبيراً يظهر به نقصها فنعم اهـ (ج ۱/ ۶۷۸)

عبارت اولی و ثانیہ و ثالثہ سے صورت مقطوعۃ النصف کا اقتناء یعنی گھر میں رکھنا جائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ بدون بطن کے تعیش نہیں ہو سکتا اور مقطوعۃ النصف میں بطن کی تصویر نہیں ہوتی اور جزئیہ ثانیہ سے صورتہ رأس مجرد کے اتحاد یعنی صفت کا مختلف فیہ ہونا مستفاد ہوتا ہے اور گو ہمارے نزدیک صورتہ رأس بنانے میں راجح یہ ہے کہ جائز نہیں کیونکہ تصویر میں اصل رأس ہی ہے لیکن ضرورت شدیدہ میں ضعیف قول پر بھی فتویٰ دینے کی گنجائش ہے پس جو تاجسہ افریقہ جانے میں مضطر ہو نہ جانے میں اس قدر ضرر عظیم ہو جس کا تحمل طاقت سے باہر ہو اس کو اپنی نصف تصویر اتر داکر دے دینا جائز ہے مگر بار بار اتر دانا جائز نہیں بلکہ جب سخت ضرورت سفر کی ہو۔ بدون جانے کے چارہ نہ ہو اس وقت گنجائش ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰ صفر ۱۴۲۵ھ

سوال: گھوڑوں کو ضد سے دوڑنا اور جیت جانے پر انعام کا روپیہ لینا شرعاً جائز ہے یا کہ نہیں۔ یہ انعام کا روپیہ ان لوگوں سے بطور ٹکٹ داخلہ وصول کیا جاتا ہے جو گھوڑ دوڑ کو دیکھنے آتے ہیں اور کچھ روپیہ گورنمنٹ خود اچھے گھوڑوں کی نسل بڑھانے اور پالنے کے لئے اور رعایا کو ترغیب دلانے کے لئے دیتی ہے۔

الجواب

انعام کی جو صورت سوال میں درج ہے جائز ہے۔ گھوڑ دوڑ کا انعام وہ ناجائز ہے جس میں دونوں طرف سے شرط ہو کہ ایک جیتے تو دوسرا اس کو اتنا دے اور دوسرا جیتے تو یہ اس کو اتنا دے اور اگر انعام دینے والا تیسرا ہو تو یہ صورت جائز ہے بلکہ یہ کہ انعام کا روپیہ تماشے بینوں سے بطور ٹکٹ داخلہ لیتے ہیں تو اگر یہ ٹکٹ داخلہ کی رقم گورنمنٹ لیتی ہے اور وہ زمین جس میں گھوڑ دوڑ ہوتی ہے گورنمنٹ کی ملک ہے یا اس نے کرائے پر لے رکھی ہے تو اس رقم سے انعام لینا حلال ہے اور اگر ٹکٹ داخلہ کی رقم کوئی دوسرا لیتا ہے تو سوال

دوبارہ کیا جائے اور یہ بتلایا جائے کہ یہ رقم لینے والا کافر ہے یا مسلم اور زمین اس کی ملک ہے یا اجارہ میں اس نے لے رکھی ہے یا نہیں اور جو رستم گورنمنٹ بطور خود انعام میں دے ٹکٹ داخلہ کی رقم سے علاوہ اس کا لینا مباح ہے۔
واللہ اعلم۔
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ اکثر طلباء بنیت ورزش کی نیت سے فٹ بال کھیلنے کا حکم | صحت ابدان فٹ بال کھیلنے ہیں بعض مدرسین بھی اس نیت سے کھیلنے کو جائز بتلاتے ہیں۔ کیا فقہاء کرام نے جو کل لہو حرام کو عام بتلایا ہے اس سے عموم کا ابطال لازم آتا ہے۔

الجواب

کل لہو حرام کے معنی یہ ہیں کہ جو لہو کے لئے موضوع ہو اور اس میں کوئی نفع بجز لہو کے نہ ہو اور اگر علاوہ لہو کے اس میں کوئی نفع شرعی بھی ہو تو قصد لہو سے حرام ہے اور قصد نفع سے حرام نہیں۔ کما دل علیہ کلام الہندیۃ قال فی العالمگیریۃ: المصارعة ہی بدعة و هل یترخص للشبان قال لیست بدعة وقد جاء الاثر فیہا الا ان ینظر ان اراد بہ التلہی، یکرہ لہ ذالک ویمنع عنہ وان اراد تحصیل القوۃ لیقدار علی مقاتلة الکفرة فانه یجوز و یشاب علیہ کذا فی جواہر الفتاویٰ قال القاضی الامام ملک الملوک اللعاب الذی یلعب الشبان ایام الصیف بالبیطیح بات یضرب بعضهم بعضاً مباح غیر مستنکر کذا فی جواہر الفتاویٰ الباب السادس (۱) (ج ۴/۲۳۲)

قوت اور حفظ صحت کے لئے جو کھیل کھیلا جائے وہ مباح ہے ہاں لہو

(۱) ہندیۃ: (ج ۵/۳۵۲) مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ مرتب

لعب کی نیت سے کھیلا جائے تو مکروہ ہے۔ پس فٹ بال بھی حفظ صحت کے لئے مباح ہوتا مگر اس میں تشبہ بلعب الکفار کا شائبہ ہے۔ گو عادات کفار میں قصد تشبہ سے کراہت ہوتی ہے مگر بلا قصد بھی کراہت تنزیہیہ سے خالی نہیں۔ جبکہ اس سے اعتزاز متعذر نہیں۔ پس طلباء کو جو علم دین کے حامل ہیں ایسا کھیل مناسب نہیں حفظ صحت کے لئے دسی کھیل بھی بہت ہیں۔ ان میں سے کسی کو اختیار کر لیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۱ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ

یہ حکم تو اس عمل کا فی نفسہ ہے مگر اہل علم کا اس میں مشغول ہونا جن مفاد کو مشتمل ہے۔ ان پر نظر کر کے اہل علم کے لئے اس فعل میں شدید ممانعت ہو گی۔ کیا اور طریق و رزقش کے نہیں رہے جو اس کی طرف اضطراب ہو۔

اشرف علی

جاندار کی تصویر بطور مارکہ سوال: اب سے تقریباً ساٹھ ستر سال پہلے براہ راست استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟
 دسی تاجروں کا تعلق ولایت یعنی یورپ سے بالکل نہ تھا بلکہ جو اہل یورپ کی کمپنیاں ہندوستان میں تھیں دسی تاجر انہی سے مال خرید کر تجارت کیا کرتے تھے جس میں دسیوں کو بہت کم برائے نام نفع حاصل ہوتا تھا کیونکہ وہ کمپنیاں اپنی حسب منشا ڈیوڑھی دوئی قیمتیں وصول کیا کرتی تھیں یورپین کمپنیاں جو مال ولایت سے منگاتی تھیں اس مال پر خاص اپنا مارکہ لگایا کرتی تھیں جیسے کپڑے کے تھانوں میں تصویریں یا پھول وغیرہ خاص علامت کے طور پر ہوا کرتے ہیں۔ اسی مارکہ کی بناء پر اکثر اقسام مال کی شہرت ہو جاتی ہے جیسے کپڑے کے تھانوں میں نٹ مارکہ یا قینچی مارکہ وغیرہ اس کے بعد بڑے بڑے دسی تاجروں نے بھی براہ راست ولایت کی ملکوں اور کارخانوں سے مال منگوانا شروع کر دیا اور اپنے اپنے مارکے ڈالنا شروع کر دیئے۔ بغیر اس کے دشواری تھی جاندار یا بے جان کسی کی خصوصیت کا خیال نہ تھا۔ جس کو جس مارکے میں عوام کے متوجہ ہونے کا غالب گمان ہوا وہی مارکہ اس نے اختیار کر لیا اور وہ رجسٹرڈ ہو گیا۔ پس ارشاد فرمائیں کہ ایسی حالت میں جاندار مارکوں

کو رہنے دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

جاندار مارکوں کے بنوانے میں کوئی گنجائش نہیں اگر اس کے ترک سے نقصان عظیم ہوتا ہو جس کے تحمل کی ہمت نہ ہوتی ہو تو استغفار اور توبہ کرتے رہیں اور اپنے کو گنہگار سمجھتے رہیں۔

قال فی الشامیۃ: وظاہر کلام النووی فی شرح مسلم الإجماع علی تحریم تصویر الحيوان وقال وسواء صنعہ لما یمتہن أو لغير فصنعتہ حرام بکل حال لان فیہ مضاہاة لخلق اللہ وسواء کان فی ثوب أو بساط أو درہم وائناء وغیرہا (ج ۱/ ۶۷۷) وفيہ ایضاً۔

تنبیہ: هذا كله في اقتناء الصورة وإما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقاً لانه مضاهاة لخلق الله تعالى كما مر۔ قال فی النهرجوز فی الخلاصة لمن رأى صورة في بيت غيره ان يزيلها وينبغي ان يجب عليه ولو استأجر مصوراً فلا أجر له لان عمله معصية كذا عن محمد بن (ج ۱/ ۶۷۹)

وفي حاشية الاشباه للحموي تحت مسألة اجير القصار أن عمل الاجير منقول اليه لأنه عمل باذنه كذا في الولوالجية اه (۲۷۹) ومقتضاه أن عمل المصور هناك منقول إلى مستأجره لكونه يعمل باذنه فلا وسعة فيه اللهم الا ان يكون كالمضطر إلى اكل الحرام وهو محل النظر في صورة السؤال قافهم۔ والله اعلم۔ حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

۱۵ محرم ۱۴۲۵ھ

ذی روح کی تصویر کا حکم اور اس سوال: ذی روح کی تصویر بنانے کا خواہ دستی ہو سے متعلق چند سوالات خواہ عکسی خواہ مجسم مورت ہو خواہ کاغذ اور کپڑے وغیرہ پر ہو اور اسے رکھنے کا شرعاً کیا حکم ہے (۲) اور جس جگہ میں ذی روح کی

تصویر ہو وہاں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ (۳) اور جس گھر میں تصویر یا کتا ہو وہاں فرشتے آتے ہیں یا نہیں (۴) تصویر کے محل اور مجوز پر شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے۔ اور تصویر کی تحریم میں سلف سے لے کر خلف تک تمام فقہاء اور محدثین اور مفسرین کی تغلیط و تضلیل کرنے والے کا کیا حکم ہے۔ بینہ التوجروا۔

الجواب

تصویر بنانا حرام خواہ وہ تصویر کپڑے پر بنائی جائے یا برتن پر یا دیوار پر کسی چیز پر بنانا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ تصویر چھوٹی ہو یا بڑی کما فی الشامی (ص ۶۷۱) فی البحر فی الخلاصة و تکرہ التصاویر علی الثوب صلی فیہ اولا انتہی و هذه الکراهة تحریمية. و ظاهر کلام النووی فی شرح المسلم الاجماع علی تحریم تصویر حیوان وقال و سواء صنعہ لما یمتہن او لغيرہ فصنعتہ حرام لکل حال لات فیہ مضاهاة لخلق اللہ تعالیٰ و سواء کان فی ثوب او لبساط او درہم و اناء و حائط و غیرہا ہ فینبغی ان یکون حراماً لا مکروہاً ان ثبت الاجماع او قطیعة الدلیل متواترة کلام البحر ملخصاً (وقال الشامی بحثاً) ان التصویر یحرم لو کانت الصورة صغيرة کالتی علی الدرہم او کانت فی الید او مستترة او مهانة وقال ایضاً ص ۶۷۹. هذا کله فی اقتناء التصویر فهو غیر جائز مطلقاً لانه مضاهاة لخلق اللہ تعالیٰ کما مر۔

پس تصویر بنانا ہرگز جائز نہیں۔ نہ تعظیم کے لئے نہ غیر تعظیم نہ چھوٹی نہ بڑی اور کسی بھی چیز پر بنائی جائے ہر طرح ناجائز ہے (اور عکسی و دستی میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ تصویر کا مقصد دونوں طرح حاصل ہے) اور یہ جو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بت یعنی مجسمہ ناجائز ہے اور کاغذ وغیرہ پر تصویر جائز ہے یہ غلط ہے۔

قال النووی فی شرح المسلم ولا فرق فی هذا کله بین مالہ ظل و ما ظل لہ هذا تلخیص مذہبنا فی المسئلة و بمعناء قال جماہیر العلماء من الصحابة و التابعین و من بعدهم

وهو مذهب الثوري. ومالك وأبي حنيفة وغيرهم وقال بعض
السلف انما ينهى عما كان له ظل ولا بأس بالصورتين
ليس لها ظل وهذا مذهب باطل فان استر الذی انکر
النبي صلى الله عليه وسلم الصورة فيه لا يشك احد انه
مذموم وليس له ظل مع باقي الاحاديث المطلقة في كل صورة
(مسلم ج ۲/ ۱۹۹)

(۲) اگر تصویر ایسی جگہ لٹکی ہے کہ نمازی کے سر پہ ہوتی ہے یعنی چھت میں ہے
یا نمازی کے آگے ہے یا اس کے دائیں بائیں یا سجدہ کی جگہ ہو تو نماز مکروہ ہے اور
اگر نمازی کی پشت کی جانب ہے کراہت نہیں البتہ اگر پاؤں کے نیچے ہو تو نماز مکروہ نہ ہو
گی (گو ہنا اس کا جائز نہیں) اسی طرح اگر تصویر بہت چھوٹی ہو کہ کھڑے ہوئے آدمی
کو اس کے اعضاء معلوم نہ ہوں جبکہ وہ زمین پر رکھی ہو یا اس کا سر کٹا ہوا ہو یا کوئی
ایسا عضو کٹا ہوا ہو کہ جس کے بدون زندہ نہیں رہ سکتا تو نماز مکروہ نہ ہوگی (وہذا
کله من الدر المختار ج ۱/ ۶۷۷)

(۳) جس گھر میں تصویر یا کتا ہو اس میں فرشتے نہیں آتے جیسا کہ مسلم و نووی کی روایت
سے ثابت ہے۔ (وہو قول جبریل للنبی انا لا تدخل بیتا
فيه كلب و صورة رواہ مسلم)

(۴) وہ شخص قاسق ہے کیونکہ کافر جب ہوتا جب حرام قطعی کو حلال جانے کافی عالمگیریت
(ج ۳/ ۱۶۲) انما یکفر اذا كانت الحرمة ثابتة بدلیل مقطوع
بہ اما اذا كانت باخبار الاحاد لا یکفر کذا فی الخلاصة و فی
ثبوت تواترہ او الاجماع علی حرمتہ تامل وان ثبت الاجماع
علی حرمتہ ماله ظل ولكن لا یکفر من کل اجماع والتفصیل
فی حاشیة فیکفر جاحده (ص ۲۲۱، ۲۲۲) فبحث الاجماع لورا لا نوار۔
(۵) اس کا وہی جواب ہے جو علماء میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

المجواب صحیح
احقر عبد اکرم عفی عنہ

۴ اشوال ۳۳

ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۵ اشوال ۳۳

ظروف پر تصویریں بنانا جائز ہے یا نہیں؟ سوال: میں سیاہ قلم کے ظروف کی تجارت کرتا ہوں۔ سیاہ قلم کے سانپ بننے ہیں جس پر موم بتی بنائی جاتی ہے اندرونی حصہ یعنی اس کا پیٹ خالی ہوتا ہے۔ ہر ایک آرڈر میں اس کی فرمائش اکثر ہوتی ہے اور فرمائش کی تعمیل نہ کرنے سے خسریدار ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا بنانا اور فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ کسی برتن پر موم کی یا بطخ کی تصویر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

چھوٹی بڑی ہر قسم کی تصویر بنانا منع ہے۔ البتہ چھوٹی تصویر کسی برتن پر ہو کہ بدن غور کے معلوم نہ ہوتی ہو تو ایسے برتن کا بیچنا جائز ہے اور جس برتن پر بڑی تصویر ہو اس کی تجارت کرنا ممنوع ہے (گو بیع کے بعد جو قیمت وصول ہو وہ حلال ہے مگر ایسے برتن کا رکھنا اور اس کی تجارت ممنوع ہے) ۱۲

کما فی الدر المختار: واختلف المحدثون فی امتناع ملائكة الرحمة بما علی الفقہاء فنفاہ عیاض واثبة النوى و فی الشامی (قوله فنفاہ عیاض) ای وقال ان الاحادیث فخصصة بحرو هو ظاهراً علمائنا فان ظاهراً ان ما لا یؤثر کراهة فی الصلوة لایکوه ایضاً وقد صرح فی الفتح و غیره بات الصورة الصغیرة لا تکوه فی البیت الخ وقال تنبیه هذا کله فی اقتناء الصورة واما فعل التصوير فهو غیر جائز مطلقاً۔ (۶۷۹/ج ۱) الجواب صحیح

ظفر احمد عفی عنہ

کتبہ الاحقر

عبد الکریم عفی عنہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ پر کہ چند لوگ باہم متفق ہو کر ماہ رمضان المبارک میں مع ساز و باجے کے گانا گاتے ہوئے گشت لگاتے ہیں۔ وقت افطاری جس مکان کا مکین مسجد میں افطاری

افطار و سحری کے وقت ساز و باجے کے ساتھ گانے بجانے کا حکم

روزہ داران کے لئے بھیجتا ہے تو اس کے مکان پر سب گویے مع ساز دہاجے کے موجود ہوتے ہیں اور گانے بجاتے ہوئے مسجد تک آتے ہیں یہی شغل وقت سحری کا بھی ہے۔ گھر گھر جگاتے پھرتے ہیں کبھی اس محلہ اور کبھی اُس محلہ اور یہی شغل عبد الفطر کے بعد نماز پڑھ لینے کے بعد ہوتا ہے۔ کیا یہ امر جائز ہے؟ میں نے اس فعل کو بالکل بدعت سمجھ کر ممانعت کی۔

الجواب

گانا بجانا ساز وغیرہ سے شرعاً بالکل حرام ہے اور افطار کے وقت افطاری کے ساتھ لوگوں کا آنا محض اظہارِ تفاخر و ریاء ہے کہ ہمارے گھر سے افطاری جاری ہے جس کو مخلص کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ رات کو سحری میں جگانا جائز ہے مگر ساز و سامان سے گانا جائز نہیں۔ صرف آواز دے کر جگا دیں بشرطیکہ اہل محلہ کو ناگوار نہ ہو اور وہ اس کے طالب ہوں کہ ان کو جگایا جائے اور آواز کافی نہ ہو تو تقارہ بجا دینا جائز ہے۔ عبد الفطر کے دن کسی قدر لہو و لعب کی اجازت ہے غریب و دُف سے گانا بھی جائز ہے بشرطیکہ گانے والا مرد یا عورت نہ ہو۔ اور گانا قاعدہ موسیقی پر نہ ہو اور دُف یا غریب بھی قاعدہ موسیقی پر نہ بجایا جائے بلکہ ویسے ہی بلا قاعدہ بجایا جائے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۲ شعبان ۱۴۲۵ھ

شادی بیاہ وغیرہ میں عورتوں کے گانے کی حرمت کا بیان سوال: در ملک مار و ارج است کہ در مواقع شادی ولیمہ و ختنہ و ولادت اولاد وغیرہ اہل شادی نسار بلکہ رادعوت دادہ مجمع غودہ زنان تغنی می کنند وہ آواز بلند قوامی کنند بطوریکہ آواز اوشان بدور می وایں قوالی را در عرف ماسحر ہا می مانند وایں مجلس سحر ہا چند شب پیش از موقع شادی می کنند و مضمون سحر ہا ہم غالباً مالا یعنی می باشد و اگر کدائی مردے اہل خانہ خود را باین دعوت سحر ہا اجازت نہ دہد بہ سبب احتیاط آنرا شخص قاطع فی پندارند و باین مصیبت اشراف و ذی مروت ہم مبتلا اند الحاح سوال است کہ دریں چنین مواقع ایں چنین تغنی کردن زنان و سحر ہا موصوفہ علی الاجتماع سرانندن بطوریکہ آواز بگوشتش اجنبیاں

رسد شرعاً درست یا حرام۔ وعلی الشق الثاني جواب از احادیث کہ مشعر از حث علی التفتی
استند مثلاً قوله صلى الله عليه وسلم فلو بعثتم معها من يقول أتيناكم اتيناكم فحياناكم
فتحياكم يا عائشة الا تغنين: کہ در مشکوٰۃ شریف در باب اعلان نکاح
مذکورند چیست بینوا تو جروا۔

الجواب

جس غنا کی حالت سوال میں مذکور ہے یہ حرام ہے اس کے جواز کی گنجائش
نہیں اور احادیث میں جس غنا کا ذکر ہے وہ غنا نسواں باواند بلند نہ تھا بلکہ کلمات
چند بطور مسرت استعمال کرنا مراد ہے جیسا کہ خود حضورؐ نے کلمات بیان فرمائے اتیناکم
اتیناکم (۱) الخ تو اس طرح دو چار باتیں کہنا غناء محرم میں داخل نہیں اور عورتوں
کا جو طریقہ سائل نے بیان کیا ہے اس کو حدیث سے کچھ مست نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

انہ تھانہ خالقہ امدادیہ، ۸ شعبان ۱۴۴۷ھ

سب ٹیموں سے چند جمع کر کے کپ لاکر جیتنے سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل صورتوں
والی ٹیم کو دینا قرار ہے؟ میں کہ (۱) آج کل لوگ انگریزی فیشن کی پیروی میں
ورزش اور کسرت جسمانی بھی انگریزی کھیلوں کے ذریعے کرتے ہیں اور معامالی فائدے
بھی حاصل کرتے ہیں۔ لہذا ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی قیمتی دھات کا برتنے
نہایت خوبصورت بناتا ہے جس کو انگریزی میں کپ کہتے ہیں اور بائیس تنفعہ جات بھی ساتھ
ہی تیار کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ یہ کپ اور گیارہ تنفعہ فٹ بال یا کرکٹ یا ہاکی (انگریزی
کھیلوں کے نام ہیں۔ جیت جانے والی ٹیم کو دیا جائے گا) ٹیم اس گروہ کو کہتے ہیں جس
میں گیارہ کھلاڑی ہوتے ہیں اور ایک رقم مقرر کرتا ہے مثلاً دس یا پندرہ روپیہ
جس کو فیس داخلہ کہتے ہیں۔ چنانچہ جو ٹیمیں رقم مقررہ ادا کرتی ہیں آپس میں مقابلہ
کھیلتی ہیں۔ مثلاً دس ٹیمیں داخل ہوئیں۔ اس صورت میں کپ تیار کرنے والے کو
سور روپے پہنچے اگر اس نے فیس داخلہ دس روپے مقرر کیا ہے۔ اب وہ ان دسوں

(۱) رقم الحدیث ۳۱۵۵

در مشکوٰۃ شریف باب اعلان النکاح الفصل الثاني (مرتب)

ٹیموں کے پانچ کھیل مقابلہ کرتا ہے یقیناً پانچ مار جاتی ہیں اور پانچ جیت جاتی اب ان پانچ جیت جانے والیوں کا کھیل کرتا ہے غرضیکہ آخر میں دو ٹیمیں رہ جاتی ہیں پھر وہ کھیلتی ہیں۔ ان دونوں میں جو جیت جاتی ہے اس کو کپ اور گیارہ تمغے ملتے ہیں اور آخر باری بعد ٹیم کو صرف باقی ماندہ گیارہ تمغے ملتے ہیں اور باقی آٹھ ٹیمیں بالکل محروم رہتی ہیں گو یادہ مار گئیں۔

مذکورہ بالا کھیلوں میں سے دو کھیل (فٹ بال اور ہکی) جانگیا پہن کر کھیلے جاتے ہیں جس سے زانوجن کا کھولنا شرعاً حرام ہے کھلے رہتے ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان متقی ہو تو وہ پاجامہ پہن کر کھیلنے کا مختار ہے ورنہ غیر مسلم جانگیا پہن کر کھیلتے ہیں ایسے ہی عام مسلمان بھی دریافت طلب یہ امور ہیں کہ آیا یہ صورت جو ایسا شرط دو طرفہ ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ان کھیلوں میں پاجامہ پہن کر کھیلنا جبکہ ساتھی زانو کھلے کھیل رہے ہوں مسلمان کے لئے کیسا ہے؟ اور دنگل وغیرہ کا بھی حکم بیان فرمائیے اس میں بھی پہلوان تقریباً ننگے ہی ہوتے ہیں مفصل بیان فرمائیں چونکہ دہلی میں بہت سے مسلمان نوجوان جو متبع شریعت مشہور ہی نہیں بلکہ حقیقتاً شریعت کے پابند ہیں ان امور میں شامل ہوتے ہیں۔

الجواب

جب کھیلنے والی ٹیموں سے بھی فیس داخلہ کے نام سے رقم لی جاتی ہے اور انعام صرف جیتنے والوں کو دیا جاتا ہے تو یہ صورت قمار میں ہی داخل ہے اس لئے اس سے احتراز واجب ہے۔ مسلمانوں کو قمار ہرگز جائز نہیں۔

اور اگر قمار کی صورت نہ ہو تو فی نفسہ ورزش جس سے صحت جسمانی مقصود ہو جائز ہے۔ بشرطیکہ ستر نہ کھلے اور ستر کی حفاظت کی جائے اور اگر بطور قمار کے یہ کھیل کھیلتے ہوں تو ان کے کھیل کو دیکھنا بھی جائز نہیں کیونکہ دیکھنے والوں کی وجہ ہی سے ان کے حوصلے بڑھتے ہیں لہذا یہ بھی اس فعل میں ان کے معین ہیں اور کشف عورت کا گناہ اور بلا ضرورت نظر الی کشف العورت کا گناہ جدا ہے۔

قلت وانت كان في كشف الركبة مندوحة عند غير الاحناف
وفي كشف الفخذ لعمل الارض ونحوه سعة عند مالك

ولكن لا يفتى بغير مذهبنا الا عند الحاجة . ولا حاجة في ذلك اصلاً . اس سے ڈنگل کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اس کا دیکھنا بھی بصورت کشف عورت جائز نہیں . علاوہ ازیں انگریزی کھیلوں میں فی الجملہ تشبہ بالکفار بھی ہے جس سے مسلمان کو احتراز چاہیئے . کیونکہ تشبہ بالکفار امور مذہبی میں حرام اور شعار کفار میں مکروہ تحریمی اور عادات کفار میں مکروہ تنزیہی ہے .

قال في الدر : دعي الى وليمة وثمة لعب او غناء قعدوا كل لوفى اعتدل دون المائدة وانت علم او لا باللعب لا يخضر اصلاً وفي السراج دلت المسئلة على ان الملاهي كلها حرام الى ان قال ومن ذلك ضرب النوبة تفاخروا فلو للتنبيه فلا الشامي فاللعب وهو اللهو حرام بالنص قال عليه السلام لهو المؤمن باطل الا في ثلث بفرسه ورميه واهله الخ (ص ۳۴۱ ج ۵) قلت دل جزئية النوبة على ان اللهو لا يبقى لهو اذا كان فيه نية صالحة وانما اللهو ما كان على قصد الله والله اعلم قال الشيخ معني قولهم ان الماز لا هي كلها حرام، مثل تلك الملاهي وهي ما كان بالمعازف والآلات المطربة والافقد رخص النبي صلى الله عليه وسلم بشئ من اللهو ولعب في الاعياد والاعراس وقد ورد في النسائي ان جارية كانت ترقص عند المسجد يوم العيد فزجرها عمر فنهاه النبي صلى الله عليه وسلم وقال دعهم فاتهم . والله اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

اربع الثانی حکم از تھانہ بھون

ورزش کی مختلف قسمیں اور ان کا حکم | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو نئے نئے اقسام کی ورزشیں اس ملک میں رائج ہو گئیں ان کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے۔ آیا یہ کہ چونکہ یہ ورزشیں صحت و قوت بدنی حاصل کرنے کا ایک بہتر ذریعہ ہے جن کا مرغوب فیہ

و محبوب ہونا آیت کریمہ بسطۃ فی العلم والجسم۔ نیز حدیث شریف المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف وفی کل خیو سے معلوم ہوتا ہے تو بقاعدہ شرعیہ مقدمات الشیء فی حکم ملحق تھا۔ کیا یہ ورزشیں بھی جائز بلکہ محبوب و مرغوب فیہ ہو جائیں گی یا نہیں۔ ذیل میں ان ورزشوں کے مختلف اقسام نکھی جاتی ہیں۔

(الف) فٹ بال، کرکٹ، ہاکی، پولو، ٹینس وغیرہ آج کل اس قسم کے کھیلوں میں دنیا بھر میں عموماً شرط بازی اور انگریزوں کا لباس جیسے چڈی وغیرہ جس میں زنانہ کے اوپر کا حصہ بھی دکھائی دیتا ہے۔

(ب) فائٹوں ہاتھوں سے فٹ بال کھیلنا جن میں نہ تو عموماً شرط بازی چلتی ہے ہے نہ تو لباس بدلا جاتا ہے۔ ان کا حکم بھی بتلا دیں۔

(ج) ایک ورزش ڈول (قواعد) جس میں بدن مختلف طرف سے ہلایا جاتا ہے یہ عموماً ہر سرکاری سکول میں ہر لڑکے سے جبراً کرایا جاتا ہے۔

(د) بعض ورزشیں سائنس و طب کے اصولوں کے موافق بنا کر بعض انگریزوں نے (مثلاً مسٹر سٹنڈون ٹکفٹن وغیرہ) نے ان ورزشوں کے نمونے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں اور فوٹو بھی دیئے ہیں اور یہ سمجھایا کہ اس قسم کی ورزش اس خاص مرض کا علاج ہے وغیرہ تو اگر کوئی شخص مسلمان ان صورتوں کو دیکھ کر یہ ورزشیں کرے تو اس کا کیا حکم ہے اور اگر فوٹو نہ دیکھے بلکہ کسی دوسرے آدمی سے سیکھ کر یہ ورزشیں کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔

(س) انہی ورزشوں میں بعض خاص خاص اوزاروں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ جیسے ڈمبل، پیتل اور لوہے کی رسیاں وغیرہ جو کہ بعض طرق کے کرنے سے قوت بدنہ میں خاص اور جلد اثر پیدا کرتی ہیں۔ بخلاف دوڑنے تیرنے وغیرہ کے تو ان کا بھی شریعت میں کیا حکم ہوگا۔

الجواب

ہر ورزش جس سے بدن کی قوت و صحت مطلوب ہو فی نفسہ جائز اور مباح ہے اگر اس میں حرمت بعد کراہت آئے گی تو کسی عارض کی وجہ سے آئے گی مثلاً

کسی کی نیت کفار کے ساتھ تشبہ کی ہو یا ورزش کے وقت لباس کفار کا پہنا جائے یا اس کا وقت ایسا مقرر کیا جائے جس سے نماز ضائع ہو یا اس میں غلطی پڑے یا ورزش میں قمار کی صورت ہو کہ جا نہیں سے مال کی شرط ہو یا کسی ورزش میں کفار یا فساق کا اختلاط ناگزیر ہو یا کسی ورزش کا اثر طبائع پر یہ پیدا ہوتا ہو کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی نظر میں کفار کے ساتھ تشبہ کرنا میسب نہ رہے بلکہ تشبہ کی رغبت پیدا ہو یا اس کے مثل اور کوئی عارض شرعی ہو۔ اس تفصیل سے تقریباً تمام سوالات کا جواب ہو گیا۔ اب خلاصہ کے طور پر بطور فیصلہ کے ہم کہتے ہیں کہ انگریزی ورزشوں میں جو ورزش دوسروں کے ساتھ مل کر کی جاتی ہے جیسے فٹ بال، ہاکی وغیرہ ان سے تو ہم منع کرتے ہیں اور مدارس دینیہ عربیہ کے طلبہ کو سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں کیونکہ یہ عوارض مذکورہ بالا سے خالی نہیں۔ کم از کم ان کا یہ اثر تو ضرور ہوتا ہے کہ عربی طلبہ کے دلوں میں تشبہ بالکفار کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد انگریزی طلبہ کے ساتھ اختلاط بھی کرنے لگے ہیں نہ بقصد اصلاح و امر بالمعروف بلکہ بقصد موالات و لہو و لعب ولا یخفی مافیہ من المفسدہ، اور جو انگریزی ورزشیں تنہا کی جاسکتی ہیں ان میں کچھ حرج نہیں جیسے بدن کو خاص طور سے حرکت دینا یا ڈمبل وغیرہ ہلانا بشرطیکہ ان ورزشوں کو تنہائی میں کیا جائے اور جس کتاب میں ورزشوں کے اصول سکھے ہیں۔ ان کو دیکھنا پاس رکھنا بھی جائز ہے مگر تصویروں کا چہرہ پھاڑ دینا یا سیاہی وغیرہ سے چھپا دینا لازم ہے۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲ رمضان ۱۴۱۸ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ گراموفون سے کون کون سی آوازیں سننی جائز ہیں

بعض لوگ مجذب الصوت بھی کہتے ہیں جس کے اندر ہر قسم کی آواز بھردی جاتی ہے اور جب چاہو اس مشین کے ذریعے اس صوت کو سن لو۔ یہ مشین کی آواز سننا کیسا ہے اس میں راگ کلام مجید کی آوازیں غرض ہر آواز بھری اور سنی جاسکتی ہے۔ اس میں کون سی آواز سننا جائز ہے اور کون سی

نا جائز ہے چونکہ اس نواح میں شہرت ہے کہ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے لہذا ضرورت ہوئی کہ حضرت کی منشاء خصوصیت سے معلوم ہو۔

الجواب

گراموفون میں تقریریں اور جانوروں کی آوازیں سننا جائز ہیں اور قرآن مجید سننا جائز نہیں کیونکہ یہ تلہی بالقرآن ہے جو جائز نہیں اور اسی طرح راگ عورتوں کا سننا بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے اجنبیہ کے ساتھ التذاذ ہے اور التذاذ بالاجنبیہ ممنوع ہے اور مرد کی لاگ سننا جائز ہے بشرطیکہ رگ کے ساتھ ڈھول باج کی آواز بند نہ کی گئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم هذا كله من القواعد

ظفر احمد عطار اللہ عنہ

از تھانہ بھون خالقہ اندادیہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

تتمہ: اس کے بعد حضرت اقدس حکیم الامتہ دام مجدہم کا جواب جو مولوی محمد شعیب صاحب دیوبندی کے سوال پر مفصل لکھا گیا ہے دیکھا اس سے معلوم ہوا کہ جن آوازوں کا سننا گراموفون میں جائز بھی ہے اس میں بھی جواز کی دو شرطیں ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ کسی حرام کی طرف مفضی نہ ہو۔ مثلاً نماز وغیرہ سے غفلت نہ ہو اور اس کے فعل سے عوام مطلقاً گراموفون کی ہر آواز سننے کے جواز پر استدلال نہ کریں جبکہ یہ شخص عوام میں دیندار یا دینداروں کا خاص متعلق شمار ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اصوات مباحہ کے سننے میں نیت محض تلہی کی نہ ہو بلکہ کوئی غرض صحیح ہو ورنہ مکروہ و خلاف اولیٰ ہوگا۔ (۱) حیرت ہے کہ اس قدر تفصیل کے بعد کس نے حضرت والا کی طرف گراموفون سننے کا جواز اطلاق کے ساتھ منسوب کر دیا۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفی عنہ

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

تصویر اور فوٹو میں فرق اور کھینچنے اور سوال: بعض لوگ فوٹو اور تصویر میں فرق کھینچنے والے کی اقتدار کا حکم کرتے ہیں کہ فوٹو مثل آئینہ کے عکس کے

(۱) دیکھئے امداد الفتاویٰ (ج ۲/۲۵ تا ۲۵۱) مرتب

ہے۔ اس لئے جائز ہے اس کے متعلق شرعی حکم بتلایا جائے اور یہ کہ فوراً کھینچنے والے اور کھینچوانے والے کی اقتدار کا کیا حکم ہے۔

الجواب

اشد الناس عذاباً المصورون اخرجہ الشیخان عن ابن مسعود مرفوعاً وفي الباب عن عمرو عن عائشة وابن عباس وابی ہویرة وعلی وابی طلحة وابن عمرو ومیونہ وغیرہم من الصحابة. ولأجل ذلك قال صاحب الحجة القاهرة ان حرمة التصاوير متواتره ولكن الأحادیث التي تثبت بها الحرمة كلها أحاد فرداً إلا ان من مجموعها تكون الحرمة متواتره وفي التوضیح قال اصحابنا وغیرہم تصویر صورة الحيوان حرام اشد التحريم وهو من الكبائر سواء صنعها لایمتن اولفیرہ (وان اختلف حکم الاستعمال فیها) فحرام بكل حال وأما ما ليس فيه صورة حیوان كالبحر ونحوه فليس بحرام بشرط ان لا يكون مما یعد فی حرم وبمعناه قال جماعة العلماء مالک والشافعی وسفیان وابو حنیفة وغیرہم وذكر الحافظ نحوه عن النووی قال. وقال بمعناه جماہیر العلماء من الصحابة والتابعین ومن بعدهم وهو مذهب الثوری ومالک وابی حنیفة وغیرہم. (ص ۱۹۹ نووی مع مسلم) وعمدة القاری (ج ۴/۳۰۵) وبالجملہ فالحرمة مجمع علیها.

تصویر کی حرمت احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے۔ اس کے بعد چند مقدمات ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ ایک یہ کہ جرائم کے مقدمات و مبادی بھی ہر قانون میں جرم سمجھے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں اور فساق و فجار کے ساتھ صورت و وضع میں بھی

مشابہت پیدا کرنا ممنوع ہے۔ یہ دونوں مقدمے عقل و نقل سے ثابت اور اسلام کے اہم مسائل میں سے ہیں۔

تیسرے یہ کہ حرام چیز کا نام بدل دینے سے وہ حلال نہیں ہو جاتی۔ حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کے لوگ شراب کا نام بدل کر اس کو پیئیں گے اور ہر سرے مجلس راگ باجے اور گانے بجانے کا مشغلہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دیں گے اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیں گے پس جس طرح سود کا نام منافع اور رشوت کا نام حق الخدمت اور شراب کا نام برانڈی یا اسپرٹ اور قمار کا نام بیمہ لائٹری اور گانے کا نام گراموفون رکھ دینے سے وہ حلال نہیں ہو جاتے اسی طرح تصویر کشی کا نام فوٹو گرافی یا عکاسی کہہ دینے سے وہ حلال نہ ہو جائے گی۔

چوتھے یہ کہ اگر کسی فعل حرام کا طریقہ ذریعہ ارتکاب بدل جائے تو اس سے بھی وہ حلال نہ ہوگا جبکہ حقیقت اور وجہ حرمت باقی ہے مثلاً قتل کا کوئی نیا طریقہ ایجاد ہو جائے کہ بجلی کی رو سے جان نکال دی جائے یا شراب کی کشید کا نیا طریقہ ایجاد ہو جائے جس طرح آج کل مشینوں سے مقطر شراب حاصل کی جاتی ہے اور پہلے یہ طریقہ نہ تھا یا قمار کا نیا طریقہ ایجاد ہو جائے جیسا آج کل بیمہ اور لائٹری کی قسم سے بہت صورتیں ایجاد ہوئی ہیں جو پہلے نہ تھیں یا زنا کا کوئی نیا طریقہ رائج ہو جائے جیسا آج کل یورپ میں بہت سی صورتیں رائج ہیں تو اس سے یہ فعل محرم حلال نہ ہوگا۔ پس اسی طرح جب تصویر کشی حرام ہے تو اس کی جو صورت بھی ایجاد ہوگی حرام ہوگی۔ نام بدلنے یا طریقہ بدلنے سے حرمت زائل نہ ہوگی کیونکہ حرمت تصویر کا جو سبب ہے وہ مبادی شرک ہے وہ یہاں بھی موجود ہے۔ نیز مشابہت کفار بھی اس میں موجود ہے کہ یہ کام مسلمانوں کا نہیں رہا یہ کہنا کہ فوٹو کی پرستش نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض جگہ ہوتی ہے اور نہ بھی ہو تو جب تصویر کا عام طریقہ آج کل یہی رہ گیا ہے تو اگر آج پرستش نہ ہوئی تو آئندہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ کیا لاکھ کی تصویریں اور بت ایجاد کے دن ہی پوجے جانے لگے تھے۔ نہیں بلکہ کچھ مدت کے بعد ان کی پرستش ہوئی

اس لئے شریعت نے اس کو حرام کیا وہی سبب فوٹو میں موجود ہے۔ رہا یہ کہ فوٹو گرافی درحقیقت عکاسی ہے جیسے آئینہ اور پانی میں عکس اتر آتا ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے بڑا فرق تو دونوں میں یہی ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائیدار نہیں ہوتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کر لیا جاتا ہے پس وہ اسی وقت تک عکس ہے جب تک مسالہ سے اسے قائم نہ کیا جائے اور جب اس کو کسی طریقہ سے قائم اور پائیدار کر لیا جائے وہی تصویر بن جاتا ہے۔ رہا یہ کہ فوٹو گرافر مسالہ لگاتے ہوئے اعصار کی تخلیق نہیں کرتا اس کا جواب یہ ہے کہ سانچہ میں مورتیں اور مجسمے ڈھالنے والا بھی اعصار کو نہیں بناتا تو کیا ڈھلی ہوئی مورتیں اور مجسمے بھی جائز کر دیئے جائیں گے اس کا تو حاصل وہی ہوا کہ آج کل تصویر کشی کا طریقہ وہ نہیں جو پہلے تھا۔ سو اوپر بتلادیا گیا کہ ارتکاب محرم کا طریقہ نیا ایجاد کرنے سے وہ حلال نہیں ہو جاتا۔ پھر کون نہیں جانتا کہ فوٹو کھینچنے اور کھینچوانے سے وہی مقصود ہے جو پہلے تصویر کشی سے مقصود تھا اور اس میں بھی مصوّر اور مصوّر کے فعل اختیار کو اسی طرح دخل ہے جس طرح تصویر کشی میں داخل تھا۔ پس دونوں حرمت میں برابر ہیں اور ان میں فرق کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہاتھ سے پھوٹی ہوئی شراب اور شیشین سے مقطر شراب میں فرق کرنا۔ پس فوٹو کھینچنے والے اور کھینچوانے والے دونوں مرتکب حرام مرتکب گناہ کبیرہ اور بعض حدیثوں کی رو سے ملعون و فاسق ہیں۔ ایسے لوگوں کے نماز میں اقتدار مکروہ تحریمی ہے اور اس قسم کی تصویریں گھر میں یا اپنے پاس رکھنا سراسر گناہ اور حرام ہے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ رسالہ احکام تصویر مصنفہ مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی مفتی دارالعلوم دیوبند مرقومہ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ والہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

هذا هو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال۔

کتبہ اشرف علی ۲۳ رجب ۱۳۵۴ھ۔



معاملات المسلمین باہل الکتاب والمشرکین

ہندوؤں کے جلسہ میں شرکت کا حکم | سوال: جس جلسے و مجمع میں لیکچرار ہندو اور عورتیں یا صرف ہندو مرد اور کچھ مولوی مدعو کئے جائیں اور سامعین ہندو مسلمان دونوں بلائے جائیں تو ایسے جلسے میں شرکت کرنی چاہیئے کہ نہیں۔

الجواب

ایسے جلسہ میں شرکت جائز نہیں۔

سوال: ہندوؤں کے میلہ میں جانا اور کوئی چیز خریدنا بیچنا اور اس کا کھانا یا استعمال میں لانا کیسا ہے۔ اگر کوئی مولوی میلہ کے اندر وعظ کہے تو

اس کو میلہ کے اندر وعظ کہنا اور لوگوں کا وعظ کی نیت سے میلہ میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ہندوؤں کا میلہ اگر مذہبی ہو تو اس میں شرکت جائز نہیں اور نہ مسلمانوں کو ان کے ایسے میلے میں اپنی دوکان لے جانی چاہیئے۔ باقی سودا خریدنے میں دونوں قول ہیں۔ بعض فقہاء نے اس کو بھی منع کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اگر معمول کے مطابق ضروریات خریدی جائیں اور اس میلہ کی وجہ سے خاص کوئی چیز نہ خریدی جائے تو جائز ہے مگر احتیاط اسی میں ہے کہ ان کے مذہبی میلہ میں سے کچھ بھی نہ خریدے کیونکہ خریداروں سے بھی میلہ کی رونق بڑھتی ہے اور کفار کے مذہبی میلہ کی رونق کو بڑھانا مناسب نہیں۔ ہاں اگر تجارتی میلہ ہو جیسے بعض جگہ جانوروں کی تجارت کے لئے میلہ لگتا ہے۔ اس میں جانے اور خرید و فروخت کرنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ ناچ رنگ وغیرہ سے دور رہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقرہ ظفر احمد
۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

کفار جو مال حرام طریقے سے حاصل کریں اس کا حکم

سوال: عرض ہے کہ میں اموال کفار کے متعلق بہت دریافت کیا، کتابوں کا مطالعہ

بھی کیا لیکن مجھ کو تشفی حاصل نہیں ہوئی۔ اتنا حضرت اقدس کے ارشاد سے کچھ خلیجان دور ہو گیا کہ ملازمین کو جو روپیہ دیا جاتا ہے اجرت وغیرہ میں یہ حلال ہے کسی اور شخص نے جو دلیل بیان کی ہے۔ نہایت شبہات پیدا ہو گئے۔ وہ دلیل یہ تھی کہ اموال ان کے اس واسطے حلال ہیں کہ کفار مکلف بالفروع نہیں چونکہ نور الانوار میں مجھ کو اس کے متعلق معلوم تھا مگر مطالعہ کر کے کچھ تشفی حاصل نہیں ہوئی کیونکہ کفار مخاطب بالعقوبات و بالمعاملات و بالاعتقادات تو ہیں۔ الغرض شبہات بہت ہیں پس سوال یہ ہے کہ کفار سے عام مراد ہیں خواہ ذمی ہو یا حر بی پھر انہوں نے جس طریقہ سے مال کو کمایا ہو یعنی بیوع باطلہ فاسدہ سے غضب، چوری یا سود سے اور معاملات میں مخاطب فقط آپس میں جو معاملات کرتے ہیں یا عام ہے خواہ آپس میں ہو یا ذمی کے ساتھ یا خواہ مسلم کے ساتھ چونکہ مجھ کو حضرت کی تصنیفات میں سے کوئی تصنیف معلوم نہ تھی۔ لہذا عرض کرنے پر آمادہ ہوا۔

جواب اول از حضرت مولانا مدظلہ

اس کا پورا جواب تو مراجعت کتب کے بعد ہو سکتا ہے مجھ کو فرصت نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ سوال مولوی ظفر احمد کو دے دیا جائے وہ تحقیق کر کے جواب لکھ دیں گے۔ باقی جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ کفار سے مراد عام ہیں اور حلت اموال بھی تمام عقود باطلہ و استیلا کو عام ہے۔ سرقہ و خداع اس میں داخل نہیں اور غضب میں شبہ ہے ملحق باستیلا ہے یا ملحق بسرقة اگر آپ کو کہیں سے تفصیل مسئلہ کی تحقیق ہو جائے تو مجھ کو بھی اطلاع کیجئے۔ اور اگر خالقہا ہی میں تحقیق ہو جائے تو مجیب سے کہہ دیجئے کہ مجھ کو بھی مطلع کر دیں۔

جواب دوم از مولوی ظفر احمد صاحب

قال فی الہدایۃ: واذا تزوج النصارانیۃ علی میتۃ أو علی غیر مہر و ذالک فی دینہم جائز فدخل بها و طلقہما قبل الدخول بها و مات عنها فلیس لہا مہر و كذلك الحریان فی دار الحرب

وهذا عند أبي حنيفة وهو قولهما في الحربيين وأما في الذممة فلها مهر مثلها إن مات عنها أو دخل بها والمتعة إن طلقها قبل الدخول بها وقال زفر لها مهر المثل في المحربيين أيضاً لأنه إن الشروع ما شرع ابتغاء النكاح إلا بالمال وهذا الشرع وقع عاماً فتشيت الحكم على العموم ولها أن أهل الحرب غير ملتزمين أحكام الإسلام وولاية الزام فقطعة لتباين الدار بخلاف أهل الذمّة لأنهم الثرموا أحكاماً فيما يرجع إلى المعاملات كالرباء والزنا وولاية الزام محقة لاتحاد الدار ولأبي حنيفة أن أهل الذمّة لا يلتزمون أحكاماً في الديانات وفيما يعتقدون خلافه في المعاملات وولاية الزام بالسيف وبالمحاجة كل ذلك منقطع عنهم باعتبار عقد الزمّة. فانا أمرنا بأن نتركهم وما يدينون فصاروا كأهل الحرب بخلاف الزنا لأنه حرام في الأديان كلها والربا مستثنى عن عقودهم لقوله عليه الصلوة والسلام الامن اربى فليس بيننا وبينه عهداه.

وقال في فتح القدير. الهما أن أهل الحرب غير ملتزمين الأحكام وليس لنا عليهم ولاية إلزام بخلاف أهل الذمّة فانهم التزموها في المعاملات وولاية الزام ثابتة فنعزرها إذا زنى وننهاه عن الربا ونحكم بفساده والنكاح منها ولذا تجرى عليهم أحكامه من لزوم النفقة والعدة وثبوت النسب والتوارث به وثبوت خيار البلوغ وحرمة المطلقة مثلثا ونكاح المحارم الخ وفيه أيضاً قوله ولأبي حنيفة) حاصله منع المقدمة القائلة أنهم (أي أهل الذمّة) التزموا أحكاماً في المعاملات بل ليسوا ملتزمين بعقد الزمّة ما يعتقدون خلافه منها إلا ما شرط عليهم ولذا لا نمنعهم من بيع الخمر والخنزير

ونكاح المحارم الخ (ج ٣/ ٢٤٠) وفي الهداية ايضاً واذا تزوج
الكافر بلا شهود وفي عدة كافر وذلك في دينهم
جائز ثم اسلما أتراً عليه وهذا عند أبي حنيفة وقال
زفر النكاح فاسد في الوجهين الا انه لا يتعرض لهم
قبل الاسلام والمرافعة إلى الحاكم - قال ابو يوسف ومحمد
في الوجه الاول كما قال ابو حنيفة وفي الوجه الثاني كما قال زفر
(اي لزفر ١٢) ان الخطابات عامة على ما مر من قبل فتلزمهم
وانما لا يتعرض لهم لذمتهم اعراضاً لا تقريراً فاذا اترافعوا
او اسلموا والحرمة قائمة وجب التفريق ولهما ان حرمة
النكاح ولهما ان حرمة نكاح المعتدة تجمع عليها فكانوا ملتزمين
لها وحرمة النكاح بغير شهود مختلف فيها ولم يلتزموا
احكامنا بجميع الاختلافات ولأبي حنيفة أن الحرمة لا يمكن
اثباتها حقاً للشرع لأنهم لا يخاطبون بحقوقه ولا وجه
الى ايجاب العدة حقاً للزوج لأنه يعتقد الخ وفي الفتاوى
السعديات ولو اذات التاجر حربية او استدان من حربي او
غصب احدهما الآخر ثم خرجا إلى دار الاسلام وترافعا ما
القاضي لا يحكم بشيء لاحدهما على الآخر لعدم الولاية
والقضاء يعتمدان في وقت الولاية (الادانة والاستدانة
معدومة وفي وقت القضاء الولاية معدومة على المستأمن
فيما مضى من فعله والتزامه فيما يستقبل في حق احكام
ببشرها في دار الاسلام فلا طريق إلى المحكم ولكن بامر
المسلم ويفتي بالرد يعدا عن العذر والحريان اذا فعلا
هذا فكذلك لو اسلما وخرجا إلى دار الاسلام وترافعا
عند القاضي قضى بينهما بالدين لصحة المدانة بتراضيهما
ولتبوت الولاية حال القضاء لانهما التزما احكام الشرع بالاسلام

ولا يقضى بالغصب لتملك الغاصب لو ردد اليه على المباح حتى
لا يفتى بالرد (ج ۱/ ۲۵۳)

وفي الهداية ايضاً اذا تزوج المجوسي أمه او بنته ثم
اسلما فرق بينهما. وفي الكفاية وقال ابو يوسف ومحمد
هذا النكاح باطل في حقهم ولا يتعرض لهم بعقد الزمة
لان الخطاب بحرمة هذه الانكحة شائع في ديارنا
وهم من اهل ديارنا فثبت الخطاب في حقهم لانه ليس
في وسع المبلغ التبليغ الى الكل وانما في وسعه جعل الخطاب
مشائعاً فيجعل شيوع الخطاب كالوصول اليهم ولا في حنيفة
ان الخطاب في حقهم كانه غير نازل لانهم يكذبون المبلغ
ويزعمون أنه ليس برسول الله وولاية الالزام بالسيف
او الحاجة وقد انقطعت بعقد الزمة فقصر حكم الخطاب
عنهم وشيوع الخطاب انما يعتبر في حق من يعتقد رسالة
المبلغ فاذا اعتقدوا ذلك بان اسلموا ثبت حكم الخطاب.
عبارت مذکورہ سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) امام زفرؒ کے نزدیک تمام خطابات عامہ واردہ فی اشرع دربارہ معاملات
کفار کو بھی شامل ہیں خواہ وہ حربی ہوں یا ذمی اور عموم خطاب کی وجہ سے حکم بھی عموماً
ثابت ہوگا لہذا جو معاملات کفار اہل حرب و اہل ذمہ خلاف شرع کریں گے۔ ان
پر حکم فساد لگایا جائے گا۔ گو اہل حرب سے بوجہ عدم ولایت و اہل ذمہ سے بوجہ
معاہدہ کے تعرض نہ کیا جائے گا۔

(۲) صاحبینؒ کے نزدیک اہل حرب کے معاملات خلاف شرع ہیں ہر ایک پر حکم فساد
لگایا جائے گا کیونکہ انہوں نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا گویا ثبوت حکم
کے لئے ان کے نزدیک عموم خطاب کافی نہیں بلکہ التزام بھی شرط ہے اور وہ اہل حرب
میں مفقود ہے لیکن اہل ذمہ کے جو معاملات اسلام کے مسائل متفق علیہا کے خلاف
ہوں گے ان پر حکم فساد لگایا جائے گا کیونکہ وہ معاملات میں احکام اسلام کا التزام

کر چکے ہیں۔

(۳) امام اعظمؒ کے نزدیک اہل ذمہ کے بھی معاملات خلاف شرع پر حکم فساد نہ لگایا جائے گا بشرطیکہ وہ معاملات خود ان کے دین کے موافق ہوں کیونکہ اہل ذمہ نے معاملات میں احکام اسلام کا التزام اپنے معتقدات کے خلاف میں نہیں کیا۔ ہاں اگر کسی معاملہ کی بابت معاہدہ ہی میں ان سے شرط کر لی جائے اس کا التزام ان کی طرف سے ہوگا۔ باقی معاملات شرعیہ جو ان کے معتقدات کے موافق نہیں اور نہ ان سے ان کے بارے میں کوئی شرط کی گئی ہے۔ ان میں اہل ذمہ کی طرف سے التزام نہیں پایا گیا لہذا ایسے معاملات جب وہ اپنے مذہب کے موافق کر سگے تو ان کو صحیح مانا جائے گا اور حکم فساد نہ دیا جائے گا۔ اس تفصیل سے شبہات مذکورہ سوال کا جواب ظاہر ہو گیا۔ اشکال کا منشا یہ تھا کہ جب کفار مخاطب بالعقوبات و معاملات ہیں تو اگر وہ کوئی معاملہ خلاف شرع کر کے روپیہ حاصل کریں اس کو حلال نہ کہنا چاہیے بلکہ حرام کہنا چاہیے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفروع فی للعقوبات و المعاملات اگرچہ ہیں لیکن حکم بالحرمة و الفساد کے لئے خطاب عام کافی نہیں بلکہ التزام بھی شرط ہے۔ اہل حرب نے تو احکام اسلام کا التزام بالکل نہیں کیا۔ نہ اپنے معتقدات کے موافق میں اور نہ مخالف میں لہذا وہ تو جس طرح بھی روپیہ کمائیں خواہ ربا سے خواہ غصب سے خواہ بیوع باطلہ و فاسدہ سے خواہ اپنے مذہب کے موافق خواہ مخالف طریق سے بہر صورت وہ روپیہ وغیرہ ان کی ملک میں داخل ہو جائے گا اور مسلمان کو تنخواہ میں لینا اس کا جائز ہے اور اہل ذمہ نے احکام اسلام کا التزام اپنے معتقدات کے موافقات میں کیا ہے۔ مخالفت میں نہیں کیا۔ سوا ان امور کے جن کی شرط ان سے کر لی جائے۔ پس جو عقد اہل ذمہ اپنے دین کے موافق کریں و شرائط معاہدہ کے بھی خلاف نہ ہو اس میں حکم صحت دیا جائے گا گو وہ شریعت کے خلاف ہو البتہ جو عقد ان کے دین کے بھی خلاف ہو یا شرائط معاہدہ کے خلاف ہو اس میں حکم فساد دیا جائے گا۔ ولعل الحق لا یتجاوز عن ذالک ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔ واللہ اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ، ۹ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

ہندو اگر اسلام کی مخالفت میں سنکھ بجانا شروع کر دیں تو اس کو روکنے کا حکم سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں کہ شوالہ اہل ہندو کے متصل مسجد اور مکانات اہل اسلام واقع ہیں

کبھی سنکھ وغیرہ نہیں بجایا گیا مگر اب اہل ہندو نے اس امر کی تجدید کی ہے اور اہل اسلام کے مانع ہونے کے باعث اہل ہندو کی جانب سے بغرض دل آزاری سنکھ بجانے کا عزم بالجزم کر لیا گیا۔

- (۱) آیا اس جدید فعل کو محض دل آزاری کی غرض سے کرنے پر ہتک اسلام ہوگی یا نہیں۔
- (۲) اگر ہتک اسلام ہو تو مسلمانوں کا ایسے موقع پر کیا فرض ہے۔
- (۳) اگر ہمت اسلام برقرار رکھنے کے لئے مسلمان جدوجہد کریں اور نقصان جان ہو تو ان کو درجہ شہادت ملے گا یا نہیں۔ بنیاد تو جبروا۔

الجواب

قال فی رد المحتار: علی انہ لو ارادوا ان یتخذ بیثاً لہم معدالکئی کذیۃ یجتمون فیہ یمغون منہ لان فیہ معارضۃ للمسلمین و ارداء بالذین اہاے لانه زیادۃ معبد لہم عارضوۃ بہ فعاید المسلمین۔

- (۱) جب سنکھ بجانا ایک عرصہ سے ہندو نے بند کر رکھا ہے تو ان کا اس جدید امر کو ظاہر کرنا مسلمانوں کی اہانت و تحقیر ہے اور مسلمانوں کی اہانت سے مذہب اسلام کی اہانت بھی لازم آتی ہے۔

- (۲) مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ اس موقع پر حکومت کی طرف صدائے احتجاج بلند کریں اور گورنمنٹ کو توجہ دلائیں۔ اگر حکومت نے مسلمانوں کے حق میں موافق فیصلہ کیا تو شکریہ کریں اور اگر خلاف فیصلہ کیا (العیاذ باللہ منہ) تو صبر کریں کشت و خون وغیرہ نہ کریں کیونکہ اس میں حکومت سے مقابلہ لازم آئے گا جس کی مسلمانوں میں قدرت نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر تظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ صفر ۱۴۱۰ھ

ہندوؤں کے طعام اور روغن کا حکم | سوال: ہندو (ہنہ) لوگ جو اکثر ہمارے ملک سندھ میں دوکاندار اور تو نگر و باج خور لوگ ہیں ان کی روٹی اور شوربا گوشت اور مینجی اور برنج وغیرہ کھانا درست ہے یا نہیں۔ نیز ان کا گھی (روغن زرد) اور مٹھائی جلیبی حلوا تیار کیا ہوا کھانا درست ہے یا نہ۔

الجواب

ہندو کی روٹی کھانا درست ہے لیکن گوشت کھانا درست نہیں اور چاول وغیرہ کھانا درست، گھی، مٹھائی وغیرہ کھانا درست ہے۔ واللہ اعلم۔
حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

سوال: غیر مسلم سلام علیک کرتے ہیں ان کا کافر کو سلام کرنے کا طریقہ | جواب: وعلیکم دینا چاہیے یا نہیں۔ اب تک خاکسار سلام علیک کا جواب وعلیکم السلام دیتا رہا۔

الجواب

غیر مسلم اگر سلام کرے تو اس کے جواب میں صرف وعلیک کہہ دیا جائے زیادہ نہیں۔ فی البخاری: اذا سلمت الیہود علیکم فقولوا وعلیکم اھ او کما قال۔ واللہ اعلم۔

حررہ ظفر احمد

از مکانہ بھون، ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

سوال: کسی مرد غیر مذہب کفار سے دوستی اور میل جول رکھنے کا حکم | (انگریز جو اہل کتاب ہیں) کے ساتھ دوستی یعنی محبت پیارا چھا سلوک ہمدردی رکھنا کیسا ہے؟

الجواب

کفار سے معاملات بیع و شراء اجارہ وغیرہ جائزہ اور ظاہری میل جول میں بھی مصائقہ نہیں اگر میل جول کے بغیر چارہ نہ ہو باقی بلا ضرورت

میل جول کرنا جائز نہیں اور رابطہ محبت و دوستی بھی جائز نہیں۔ باقی معاملات ہر حال میں جائز ہیں۔ واللہ اعلم۔
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

سوال: مرتد سے معاملات تجارت و قائم
مرتد سے معاملات تجارت رکھنے کا حکم | رکھنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

دار الحرب کے مرتدین کا حکم حربی مسالم کا حکم ہے فقہانے جو مرتد کی ملکیت کے زوال کا حکم کیا ہے وہ دارالاسلام کے ساتھ خاص ہے کیونکہ علت زوال ملک کی اس کا حکم میت ہوتا ہے۔ للأمر بقتلہ اور دار الحرب میں مرتد قتل نہیں ہوتا۔ لعدم الولاية الامام عليه فکات المرأة إذا ارتدت قال في البحر وقيد في المرتد لانت المرتدة لا يزول ملكها عن مالها بلا خلاف فيجوز تصرفاتها بالاجماع لانها لا تقتل فلم تكن ردتها سبباً لزوال ملكها كذا في البدائع۔ وينبغي ان يلحق بها المرتد اذا لم يقتل من كان في السلامه شبهة كما قدمناه بجامع عدم القتل ولم أره صريحاً (ص ۱۳۵) وفيه ايضاً لانه بالحق (بدار الحرب) صادر من اهل الحرب۔

ان تمام جزئیات کا مقتضائیں ہیں کہ مرتدین دار الحرب کا وہی حکم ہے جو دوسرے حربیہ کا حکم ہے البتہ ان سے نفرت رکراہت زیادہ ظاہر کرنا چاہئے لکون کفر ہم اشد باقی شرائع و بیع ان کے ساتھ جائز ہے البتہ ان کی دعوت و ضیافت نہ قبول کی جائے نہ ان کے ساتھ مدارات و ملاطفت کی جائے مگر یہ کہ تالیف قلب سے یہ امید ہو کہ اسلام کی طرف عود کر آئے گا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۳ سوال ۱۴۲۸ھ

نمائشی میلوں میں جانے اور | سوال: بلند شہر اور علی گڑھ کی نمائش میں چیزیں خرید و فروخت کرنے کا حکم | فروخت ہونے کے لئے آتی ہیں اور گھوڑے بھی

فروخت ہونے کے لئے آتے ہیں اور بعض چیزیں سستی بھی ملتی ہیں اور بعض چیزیں قصبہ اور دیہاتوں میں نہیں ملتی اور یہاں مل جاتی ہیں مگر جو چیزیں نمائش میں ملتی ہیں وہ بڑے شہروں میں بھی مل جاتی ہیں اگر کوئی شخص نمائش نہ دیکھے صرف چیزیں خریدے یا مال فروخت کرنے یا گھوڑ دوڑ دیکھنے کو یا تفریح کو جائے تو درست ہے یا نہیں۔

الجواب

نمائش میں جو گورنمنٹ کے انتظام سے جا بجا ہوتے ہیں محض تجارتی میلے ہیں۔ کفار کے مذہبی میلے نہیں ہیں اس لئے ان نمائشوں میں تجارتی مال لے جانا یا وہاں سے مال خریدنا دونوں جائز ہے اور تفریحاً جانا بھی جائز ہے بشرطیکہ کان اور نگاہ کی حفاظت دشوار نہ ہو۔ اگر دشوار ہو تو اسی جگہ بلا ضرورت جانا جائز نہیں اور اہل علم اور مقتدا کو ایسے مقامات پر جانا مطلقاً ممنوع ہے کہ ان کے فعل سے عوام اس کی اباحت مطلقہ پر استدلال کرے گی اور حفاظت سمع اور بصر کو بھی ضروری نہ سمجھیں گے۔ ہذا ما عندی ولعل عند غیری احسن منه۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عثمانی

یہ سوال شکہ

سوال: گزارش ہے کہ یہاں کفار کی مذہبی دعوتوں میں شرکت جائز نہیں ہے | پر ایک ہندو اور اس کے لڑکے نے اپنی مذہبی رسم (یعنی ایصالِ ثواب) میں اہل شہر مسلم اور ہندو سب کو دعوت دی مسلمانوں کو اس دعوت میں شرکت کرنا اور دعوت قبول کرنا یا بغیر شرکت کے اگر وہ کھانا خود بخود بھیج دے تو شرعاً وہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسلمانوں کو اس دعوت میں شریک ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ دعوت ہندوؤں کی مذہبی دعوت ہے اور کفار کی مذہبی دعوتوں میں شرکت جائز نہیں۔

ودلیلہ ما ذکر ابن تیمیۃ فی الاقتضاء ولقد سأل سعید المغافری مالکاً عن الطعام الذی تصنعه النصارى لموتاهم یتصدقون برعنہم أباکاعنہ المسلم فقال لا یتبغی أن یاخذ

منہم لآئہ انما یعمل تقطیعاً للشرک فہو کالذیح للاعباد
والکنائس اھ ص ۱۱۰۔ اگر یہ دعوت مذہبی نہیں بلکہ ویسے ہی خوشی کی دعوت
ہے تو اس میں شرکت جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ، ۱۵ اشوال ۱۴۲۸ھ

دفن کی (چونکہ سوال میں اس کو مذہبی رسم لکھا ہے اس بناء پر جواب دیا
گیا۔ واللہ اعلم۔

مسائل متفرقہ

ردی کاغذ کے استعمال کا حکم | سوال: پراگندہ اوراق یا بوسیدہ قرآن مجید
کو دفن یا دریا برد کیا جائے یا کس طرح نیز دیگر اوراق، انگریزی اخبارات وغیرہ
کی (جن میں بعض مواقع پر آیات اور انگریزی کتب یا اخبارات وغیرہ میں تصاویر
بھی ہوتی ہیں) کس طرح تلف کیا جائے۔ الجواب

قال فی العالمگیرۃ، المصحف اذا صار خلقاً لا یقرأ منه ویخاف
ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاهرۃ ویدفن ودفنہ اولی من وضعہ
موضعا یمخاف ان یقع علیہ النجاسة اھ ص ۲۱۶ ج ۶) وفیہ (۲۱۷)
المصحف اذا صار خلقاً وتعدہ القراءة سند لا یحرق بالنار
اشار الشیبانی الی ہذا وہ فآخذ اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو تو دفن کر دینا چاہیے جلانا نہ چاہیے باقی اوراق
جن میں قرآن کی آیت یا خدا اور رسول کا نام ہو اس میں سے آیت اور خدا اور
رسول کا نام نکال لینا چاہیے۔ ان کو دفن کر دیا جائے اور باقی کو جلادینا جائز ہے مگر
قرآن اور خدا کے نام کو اس طرح دفن کیا جائے جس طرح بغلی قبر میں مردہ کو رکھا جاتا
ہے تاکہ اس پر مٹی نہ پڑے۔ ویلحد لہ لآئہ لو شق ودفن یحتاج الی
اھالۃ التراب علیہ وفی ذالک نوع تحقیق الا اذا جعل فوقہ
سقف بحیث لا یصل التراب علیہ فہو حسن ایضاً کذا فی الغرائب

عالمگیر یہ . واللہ اعلم .

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

اپنا نام چندہ دینے والوں کی فہرست | سوال : زید نے ایک مدرسہ کی مسجد کی تعمیر میں
میں لکھوادینا ایک قسم کا وعدہ ہے | کچھ چندہ دینے کے لئے اپنا نام لکھوادیا جس کو
غالباً سات برس کا زمانہ گزر گیا . ایک بوجہ ناداری اور دوسرے کم تو جہی اور
تیسرے مدرسہ کے مدرسین نیچری معلوم ہوتے ہیں اس خیال سے زید نے اب تک
چندہ کاروپہ مسجد میں نہ دیا . گو مدرسہ کی جانب سے تقاضہ بھی نہیں تو آیا یہ چندہ
لکھوا کر کے وسعت ہوتے ہوئے بھی یا کسی اور عارض کی وجہ سے نہ دے تو عند اللہ
زید ماخوذ ہو گا کہ نہیں .

الجواب

اگر کسی مدرسہ یا مسجد میں چندہ لکھوادیا جائے تو اس کا حکم وعدہ کا ہے وعدہ
کا ایفا کرنا بشرط قدرت واجب ہے اور بقول بعض سنت ہے اور اگر کوئی وعدہ
ایفاء وعدہ سے مانع ہو جائے تو وعدہ خلافی کا گناہ نہ ہو گا اب وہ عذر خواہ چندہ
لکھوانے والے کی جانب میں ہو کہ نادار ہو گیا یا چندہ لینے والوں کی جانب میں ہو کہ
پہلے ان پر اعتماد تھا اب اعتماد نہ رہا . واللہ اعلم .

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

، سوال شکہ

بکری کی رسی پر چلنا | سوال : بکری کی رسی پر قدم رکھنا اور اس کے اوپر سے
چلنا جائز ہے کہ نہیں ؟

الجواب

بکری کی رسی پر قدم رکھنا اور اس پر چلنا اس میں شبہ کی کیا بات ہے .
سمجھ میں نہیں آیا . واللہ اعلم .

سوال : حضرت گنگوہیؒ یہ فرماتے ہیں کہ

کثرت و قلت کا اعتبار وہاں ہے کہ
جہاں خاص کھانے کی نسبت پر تحقیق نہ ہو

اس شخص کے مال کا حکم جس کی غالب
آمدنی حرام یا غالب آمدنی حلال ہے .

کہ یہ حلال ہے یا حرام اور جب اس بات کی تحقیق ہو کہ اس کھانے میں دودھ مثلاً حرام کا ہے یا گھی حرام کا ہے یا مٹھائی حرام کی ہے تو کھانا کسی طرح درست نہیں اس میں حرام گوشتا ہی کھوڑا ہو۔ فقط از (فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم ص ۱۲۶)

اور الاشباہ والنظائر میں "اذا اجمع الحلال والحرام غلب الحرام" مستقل قاعدہ بیان کیا ہے اور اسی بیان میں ص ۹ میں ہے۔
اذا كان غالب مال المهدى حلالاً فلا بأس بقبول هديته
واكل ماله مالم يتبين أنه من حرام۔

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کے فتاویٰ جلد سوم ص ۱۱۰ میں ہے۔ اگر غالب مال حلال باشد قبول کردن دعوت جائز است مگر اینکه متقین شود کہ این دعوت از حرام است ان زمان جائز نیست اور۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دار و مدار اشتباہ اور تقین پر ہے اور مولانا سہارنپوری مدظلہ نے فرمایا ہے کہ مخلوط بالیقین میں اگر غالب حرام ہے تو حرام اور اگر غالب حلال ہے تو مکروہ تحریمی ہے۔

الجواب

قلت و ذکر فی الاشباہ بعد قوله المذکور قال فی القنیة من الکراہة غلب علی ظنہ ان اکثر بیاعات اهل السوق لا تخلو عن الفساد فان كان الغالب هو الحرام تنزه عن شرائه ولكن مع هذا لو اشتراه یطیب له قال الشارح و وجهه ان کون الغالب فی السوق الحرام لا یستلزم کون المشتري حراماً فجواز کونه من الحلال المفلوب والاصل الحل اه و فیہ ایضاً و اما مسئلة ما اذا اختلط الحلال بالحرام فی البلد فانه یجوز الشراء والأخذ الا ان تقوم دلالة علی

عہ : قلت و هذا یفید جواز شراء البیج فی دیارنا وان كان غالب بیاعاتہ حرماً فافهم ۱۲ منه۔

انه من الحرام كذا في الأصل اه قال الشارح في التمراتشي في باب
المسائل المتفرقة من كتاب الكراهية مانصه لرجل مال حلال
اختلطه مال من الربوا والرشاد او الغلول او السحت او من
المال الغصب او السرقة او المجفاية او من مال اليتيم فصار
ماله كله شبهة ليس لأحد ان يشاركه او يبايعه او يستقرض
منه او يقبل هدية او يأكل في بيته وكذا اذا منع صدقاته
وزكاته وعشره صار ماله شبهة لما فيه أخذه من مال
الفقير وينبغي ان ترى الاشياء حلالا في أيدي الناس في
ظاهرها محكم ما لم يتبين لك شيء مما وصفنا اه ص ٩٢ .

وفي العالم كيرية من كتاب الكراهية مانصه رهدى الى
رجل شيئا واصنافه ان كان غالب ماله من الحلال فلا
بأس الا ان يعلم بانه حرام فان كان الغالب هو الحرام
ينبغي ان لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام الا ان يخبره
بانه حلال ورثة او استقرضه كذا في الينابيع ولا يجوز
قبول هدية امراء الجور لان الغالب في مالهم الحرمة الا
اذا علم ان اكثر ماله حلال بان كان صاحب تجارة وزرع
لان اموال الناس لا يخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب
وكذا أكل طعامهم قال الفقيه ابو الليث اختلف الناس
في اخذ المجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز ما لم انه
يعطيه من حرام قال محمد وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا
حراما بعينه وهو قول أبي حنيفة واصحابه كذا في الظهيرية
اه (٢٢٨/٤ج) وفيه ايضا اكل الربوا او كاسب حرام يهدى اليه
او اصنافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل ما لم يخبره
ان ذلك المال اصله حلال ورثة او استقرضه وان كان

عنه قلت لعله جنى على الورع كما يظهر من قوله الأخير ط

غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والأكل منه كذا
في الملتقط .

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی آمدنی حلال اور حرام سے مخلوط ہو
اس میں غالب کا اعتبار ہے۔ غالب حلال ہے تو اس کا ہدیہ وصیافت قبول کرنا
جائز ہے لیکن اگر خاص ہدیہ یا طعام کی بابت یقیناً معلوم ہو جائے کہ اس میں کچھ
حرام ملا ہوا ہے تو اس کا قبول کرنا حرام ہے اور کھانا بھی مگر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک
غلط استہلاک ہے اس لئے ان کے قول پر گنجائش ہے جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر
ہوگا اور اگر غالب آمدنی حرام ہے تو ہدیہ وصیافت قبول کرنا حرام ہے ہاں اگر اس طعام
و ہدیہ کی بابت اطلاع کر دے کہ یہ حلال ہے تو جائز ہے اس کی تکذیب یا تفتیش کی
ضرورت نہیں اور جائزہ سلطان کے مسئلہ میں محمدؐ کے قول سے ظاہر یہ مفہوم ہوتا
ہے کہ جس شخص کی غالب آمدنی حرام ہو تو ہدیہ قبول کرنا جائز ہے جب تک خاص اس
شیء کی بابت حرام ہونے کا علم نہ ہو مگر یہ صحیح نہیں ہے بلکہ محمدؐ کا مطلب یہ ہے کہ
جس شخص کی غالب آمدنی حلال ہو اور اس میں حرام مخلوط ہو اس وقت اس کا ہدیہ
قبول کرنا جائز ہے۔ مالم یعرف شیئاً حراماً بعینہ کیونکہ امام محمدؐ کے زمانہ میں سلطان
کی غالب آمدنی حلال تھی۔ يدل عليه ما ذكره في العالمگیریة بعد ما نصّه
وفي فتاوى اهل سمرقند رجل دخل على السلطان فقدم
عليه بشئ ما كول فان اشتراه بالثمن او لم يشتره ذلك
ولكن هذا الرجل لا يفهم أنه مقصوب بعينه حل له
أكله هكذا ذكره الصحيح انه ينظر إلى مال السلطان وينتظر
الحكم عليه بكذا في الذخيرة (ج ۴/۲۲۹) والله اعلم .

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۱۸۸ھ

وفي الفتاوى السلطان اذا قدم شيئاً من المأكولات أن
اشتراه يحل وان لم يشتره ولكن الرجل لا يعلم ان في الطعام
شيئاً مقصوباً بعينه يباح أكله (ج ۴/۳۵۸) قلت وقيود والفقہ
احتراز به فلو علمات فيه شيئاً مقصوباً بعينه لا يحل

سواء كان غالباً اور معلوماً يدل على ذلك قوله شيئاً بالتنكير. وقال العلامة عبدالحی فی حکم المال المشكوك ما نصّه واگر بدين وجه مشکوک گرویده که مال حلال و مال حرام جمع کرده شد و امتیازے باقی نمائندہ پس اور اتصدق باید کرد. طحاوی و حاشیہ در مختار می آور و الذی فی البرازیه انه ان علم مال الحرام بعینه لا یحل له اخذہ وان لم یعلم بعینه اخذ حکماً و اما فی الدیانة فانه یتصدق اقاده الحموی (ج ۲/۳۲۶) مع خلاصه و قال فی موضع آخر و در رساله حفظ الا صغیرین نوشته فان قلت کیف ساغ للفقیر تناول ما فیہ خبث قلت محله عدم علمه بحقیقة الحال وان علم به فهو لغيره لا یحل له (ج ۲/۳۵۶) قلت وقد علم من البرازیه ان المخلوط من الحلال والحرام اذ لم یتمیز یجب التصديق به دبانة و علم بهذات الفقیر لو علم بذلك اى بان فیہ خبثاً لا یحل التناول ایضاً و هذا یعم القلیل و اکثر، و اعتبار الغلبة انما هو حیث یعلم من حال الرجل انه کاسب للحرام و الحلال جمیعاً و لا یعلم ان ما اهداه الی بعینه مخلوط من الحلال و الحرام جمیعاً فلو علم یحرم علیه التناول . والله اعلم. هذا کله منبى على قول أبی یوسف و محمد و اما على قول أبی حنیفة فالْمخلوط من الحلال و الحرام حلال قلیلاً کان الحرام او کثیراً لأن الخلط سبب الملک عنده قال فی فتاوی قاضیخان و اذامات عامل من عمال السلطان و اوصی ان یعطى الحنطة للفقراء. (۱)

قدم چو منے کا حکم سوال: تقبیل القدم ماں اور باپ اور پیر اور استاد اور خسر اور ساس کے، اس کی کوئی اصل ہے؟ ہمارے اطراف میں بعض بہتیت رکوع اور بعض بیٹھ کر قدم مس کر کے

(۱) مکمل عبارت ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان علی ہاشم الہندیہ (ج ۳/۴۰۰) افتخار

پیشانی پر لگاتے ہیں۔ آیا یہ طریقہ حسن ہے یا بدعت؟

الجواب

قال الطحاوی فی حاشیة علی مرقی الفلاح وورد فی
احادیث ذکرها العینی ما یفید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کان یقبل یدہ ورجلہ إلی قولہ ثم قال العینی فعلم
عن مجموع ما ذکرنا اباحۃ تقبیل الیہ والرجل والکشح
والرأس والحبہة والشففتین و بین العینین ولكن کل ذالک
اذا کان علی وجہ المبرۃ والا کرام واما اذا کان علی
وجہ الشہوة فلا یجوز الا فی حق الزوجین اھ والسید
وامتہ الخ (ص ۱۸۶)

ان نصوص سے معلوم ہوا اپنے مربیوں یا علماء و اساتذہ کے پیروں کو
بوسہ دینا جبکہ بطریق مہرست و اکرام ہو جائز ہے۔ واللہ اعلم۔
مگر تقبیل رجل میں صورت رکوع و سجود سے احتراز ضروری ہے۔ بہتر
یہ ہے کہ بیٹھ کر مربی کے پیروں سے اپنے ہاتھ مس کر دے۔ فقط۔

حررہ الاحقر ظفر احمد بامر سیدی حکیم الامت دام مجدہم

۱۰ رجب ۱۲۸۷ھ

دولہا کا پاکی پر سوار ہونا اور سوال: ہمارے اس ضلع نواکھالی میں مسئلہ
عمدہ کپڑے پہننا جائز ہے

واقع ہوا۔ اس واسطے حضور والا کو تکلیف دی جاتی ہے کہ فیصلہ کن تجویز سے
سرفراز فرمائیں مسئلہ معروضہ یہ ہے کہ نکاح کے دن نوشہ (دولہا) کا باپ
بھائی وغیرہ مربیان صاحبان اس کو پاکی یا گاڑی پر سوار کر کے بغیر کسی ممنوع
شرعی مثل ریاء و رسمہ اور تفاخر اور بدون طواف اور گشت نمودانہ کے
سنت نبوی نکاح کے ارادہ سے لے جا کر بعد عقد شرعی کے اسی طرح اپنے
مکان میں لاتے ہیں اور چونکہ ہمارے اس ضلع میں خصوصاً پیر و مرشد

جناب مولانا کرامت علی صاحب مرحوم کی ہدایت سے بفضلہ تعالیٰ ممنوعات مرقومہ سے (جس سبب سے بھی ہو) مسلمان سب مامون ہیں اور وہ سواری مجسرد زینت و تجل مثل لباس احسن اور ماکولات و مشروبات تکلفانہ شادی کے دن کی نیت سے ہیں سو یہ سواری اس کے لئے درست ہے یا نہ۔ اور حال یہ کہ مولانا ممدوح کی حسین حیات میں اس کے متعلق کچھ بھی تنازع نہ تھا۔ اور اب بھی ہمارے اطراف کے کسی حصے میں نہیں۔ الا اس گاؤں کے چند علماء کہ ان کے درمیان اختلاف ہو رہا ہے بعض اس کو ریا اور بے ادبی مر بیان کے سبب حرام کہتے ہیں اور اکثر علماء ہند و بنگلہ خصوصاً مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مدرسین و محصلین اس کو بدعت مباحہ کہتے ہیں اور ایسا ہی مولانا عبدالحی مرحوم کے مجموعہ فتاویٰ میں اس کو از قبیل بدعات مباحہ فرمایا۔ اور مبارک میں آیت ”من حرم زینۃ اللہ“ الخ کی تفسیر میں رکوب اور ماکولات اور مشروبات اور لباس احسن کو زینت و تجل میں داخل کر کے اور فتاویٰ عالمگیریہ میں لا باس للانسان ان یدھب راکباً حیث شاء وایضاً فیہ کتاب الکواہمۃ میں چند روایات اظہار النعم اللہ یہ بنا کر کے جاتے کہتے ہیں لیکن بہشتی زیور کے رسومات کے بیان میں اس کا کچھ پتہ نہ ملا۔ اس لئے حضور کی خدمت میں معروض ہے کہ حضور رائے عالی سے شرف صدور فرماتیں طرفین رائے عالی کے منتظر ہیں۔

الجواب

فی الحدیث الصحیح عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان نساء الانصار کن یتعرن منها قمیصاً یجلون بہ العروس رواہ البخاری۔ وقال فی العالمگیریۃ وروی عن ابی یوسف انه قال کما یعجبنی ان تنزین لی یعجبہا ان اتزین لہا۔ قلت فیجوز للرجل ایضاً ان یلبس احسن ثیابہ وقت البناء باہلہ۔ و فیہا ایضاً وعن ہذا قلنا لا باس للانسان ان یدھب راکباً حیث شاء و غلامہ یدھب معہ (صحیح ۲۳۸)

وفيها أيضاً لبس الثياب الجميلة مباح إذا لم يتكبر وتفسيره أن يكون معها كما كان قبلها الخ (ج ٢٢٢/٤) وفي الحديث أنه صلى الله عليه وسلم كان يتجمل للوفود ترجم به البخاري. وفي شرح الجامع الصغير للعزيزي كان صلى الله عليه وسلم إذا قدم عليه الوفد لبس أحسن ثيابه وأمر عليه أصحابه بذلك البغوي عن جندب الخ. قال السارح وفيه طلب التجمل في بعض الأحيان فلا ينافي خبر البذاذه من الأيمان (ص ١٣٣: ج ٣) قلت ويلحق به التجمل للنكاح أيضاً أظهار البشاشة والسرور وتوقيا عن امتهانه في عيون أصحابه وقد ورد في الحديث عن عبد الرحمن بن عوف قال رأى على رسول الله صلى الله عليه وسلم اثر الصفرة فقال مهميم هل تزوجت متفق عليه قال الحافظ في الفتح ان هذه الصفرة لعلها من كونه تطيب لطيب اهلهم. وقد ورد في الحديث الصحيح انه

صلى الله عليه وسلم ودع معاذاً حين ارسله إلى اليمن وأوصاه ومعاذ راكب ورسول الله صلى الله عليه وسلم يمشي معه تحت راحلة فلما فرغ قال يا معاذ انك عسى أن لا تلاقاني بعد عامي هذا قبلي معاذ جشعا الحديث رواه احمد في مسنده (ج ٥/٢٣٥) وفي الحديث انه صلى الله عليه وسلم كان يقدم أصحابه ويمشي وراءهم ويقول اتركوا ظهوري للملائكة.

قال الطحطاوي في حاشية على مراقى الفلاح بعد ما ذكر قصة الامام أنه صلى خلف أبي يوسف وذكر قوائدها مانصة منها أن تعظيم الاستاذ في طاعة لافها يطنه لأنه تقدم بأمر الامام كما هو القاعدة المشهورة ان الامثال خير من الآداب. (ص ٣١٢)

صورت مسئلہ میں دولہا کا پاکی یا گھوڑے پر سوار ہونا اور عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ سنت سے اس کی اصل موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفود کے لئے تجلّ فرمایا کرتے تھے۔ اور نکاح کے وقت بھی واقعہ کا ہجوم ہوتا ہے۔ دوسرے عورت خود ایک اجنبی ہے جس کے پاس دولہا جاتا ہے۔ اس کے لئے تہین کرنا خود مشروع ہے۔ جیسا کہ عورت کو مرد کے لئے تہین کرنا مشروع ہے۔ رہا یہ کہ دولہا اس حالت میں سوار ہوتا ہے کہ اس کے اکابر پیادہ ہوتے ہیں سو اس کا مضائقہ نہیں جبکہ یہ امر اکابر اور مربیوں کی خوشی اور مسرت اور اذن سے ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت کرتے ہوئے نصیحت فرمائی۔ در انخالیکہ حضرت معاذ سوار تھے اور حضور پیادہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اسی میں تھی اس لئے اس کو بے ادبی میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ پس نفس تجلّ و تہین رکوب فی المجلّ وقت نکاح کے بالکل جائز ہے۔ سنت سے ان امور کی اصل نکلتی ہے۔ باقی اس کے علاوہ اگر کوئی رسم رسوم منکرہ سے ہوتی ہو تو اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ اعلم حمزہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامت دام مجدہم۔ ۱۱ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

سوال: میاں بیوی ایک پلنگ پر سوتے ہوں اور اس پر نابالغ بچہ سمجھدار خواہ شیرخوار بھی سویا ہو تو بیوی سے صحبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

زوجہ سے مجامعت کا حکم جبکہ بچہ برابر میں سو رہا ہو۔

الجواب

اگر بچہ ایسا بے خبر سوتا ہو کہ اسے سونے کے بعد کچھ خبر نہ ہوتی ہو تو ایسے پلنگ پر مجامعت جائز ہے اور اگر اس کی نیند ہو شیار ہو کہ حرکت سے بیدار ہو جاتا ہو تو اس پلنگ پر مجامعت ناجائز ہے۔ بشرطیکہ بچہ سمجھدار ہو جو اس فعل کو سمجھتا ہو۔ قال فی الخلاصة وفی کراہة فضل بن غانم یجامع الرجل امرأته ومعہ ناس نيام إذا علم انہم لا یعلمون (ج ۴/ ۳۶۷) واذابلع الصبی او الصبۃ عشر سنین یجب التفریق بینہما و بین اخیه و اختہ۔ وامہ و ابیہ فی المصنوع لقولہ

عليه السلام وفرّقوا بينهم في المضاجع وهم أبناء عشرو
في النصف اذا بلغوا ستا قال الشامي خصوصاً في انباء هذا الزمان
فانهم يعرفون الفسق اكثر من الكبار وما قوله وامه
وابيه بان لا يتركاة بينام معهما في فراشهما لانه ربما
يطلع على ما يقع بينهما بخلاف ما اذا كانت قائما وحده
او مع ابيه وحده او البنت مع امها وحدها اه (ج ۵/ ۳۷۷)
والله اعلم حرره الاحقر

ظفر احمد عفی عنہ ۳۱ رجب ۱۳۸۱ھ

سوال: زید کے روبرو نامحرم عورت کے آنے سے
نامحرم عورت کو پڑھانا | دل میں بد خیالات پیدا نہ ہوتے ہوں اور فتنہ فساد
کا کچھ اندیشہ نہ ہو تو زید کو اپنی رشتہ دار نامحرم عورتوں کو کتاب تعلیم الدین
بہشتی زیور و اصلاح الرسوم پڑھانا یا سنانا جائز ہے یا کہ بدعت ہے۔

الجواب

نامحرم عورت کو کتاب پڑھانے کے لئے عورت ہی بہتر ہے مرد کو نہ
پڑھانی چاہیے اور اگر مجبوری ہو تو خلوت میں ہرگز نہ پڑھائے بلکہ عورت کے
عزیزوں کے سامنے پڑھائے اور پڑھنے والی پردہ میں ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم
۲۶ رجب ۱۳۸۱ھ

عورت کا نامحرم مرد کے ساتھ سفر کرنا | سوال: زید اگر شریعت کا پابند ہو اور
فتنہ فساد کا کچھ اندیشہ نہ ہو تو نامحرم عورت کو زید کے ساتھ دس میل سفر کرنا یا
ہزار میل ریل کا سفر کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب

نامحرم کے ساتھ مسافت سفر سے کم سفر جائز ہے مگر فساد نہ مان کی وجہ سے
فقہاء نے اس کو بھی منع کیا ہے پس اگر زید نہایت متقی اور دیندار ہو تو اجازت
دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

۲۶ رجب ۱۳۸۱ھ

سوال: ۱۳ صفر ۱۳۸۷ھ کو ایک سوال
قطب ستارہ کی طرف پاؤں پھیلانا جائز ہے کیا تھا کہ سوتے میں قطب ستارہ
کی طرف پاؤں کرنا جائز ہے یا نہیں تو آنجناب نے جواب دیا تھا کہ جائز ہے۔
حوالہ لکھنے کی فرصت نہیں مگر یہاں کے نیم ملاں خدا ان سے پناہ میں رکھے بڑے
صندی ہیں تو جناب اگر کوئی دلیل ہو تو روانہ فرمائیں۔

الجواب

اس کے جائز ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل
نہیں جو شخص عدم جواز کا دعویٰ کرے وہ دلیل پیش کرے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۱ شعبان ۱۳۸۷ھ

جبراً چندہ وصول کرنے کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں
کہ مسجد کی مرمت اور خرچ و اخراجات کے لئے اور بیوہ یتیم بچوں کے ختنہ وغیرہ کے
لئے اور غریب عربار کی شادیوں کے لئے اور پیش امام اور حافظ وغیرہ کی
تنخواہوں کے لئے جبراً چندہ وصول کرنا یعنی کوئی شخص چار روپے دینے پر
بخوشی آمادہ ہے۔ اس سے زیادہ جبراً وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہ۔

الجواب

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز مال امراء مسلم
الا عن طیب نفس منه (او کما قال) مسلمان کا مال بدون
اس کی طیب قلب کے لینا جائز نہیں۔ پس جو لوگ چندہ میں جبر کرتے ہیں
وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور حکماً غاصب ہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵ شعبان ۱۳۸۷ھ

تالاب کو شرقاً غرباً طویل | سوال: دستور ہے کہ مشرق کی طرف مسجد کے سامنے
کرنا درست ہے ایک تالاب کھودواتے ہیں جس میں رفع حوائج
ضروریہ کر سکیں اور تالاب کو مغرب اور مشرق کی جانب باوجود گنجائش ہونے

کے ممنوع شرعاً یا عرفاً سمجھ کر لمبا نہیں کرتے بلکہ جہاں تک ممکن ہو تالاب کی لمبائی جنوب و شمال کی طرف کرتے ہیں۔ آیا شرعاً ممنوع ہے یا نہیں؟

الجواب

شرعاً اس خیال کی کوئی اصل نہیں۔ تالاب کو شرقاً غرباً طویل کرنا درست ہے۔ واللہ اعلم بحمدہ الاحقر طفر احمد عفی عنہ

۲ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

نو مسلم بالغ کے ختنہ کا حکم | سوال : چالیس سالہ ہندو اگر مسلمان ہو تو اس کو ختنہ کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے کہ بے ستری حرام ہے لہذا ترک ضروری ہے۔

الجواب

قال قاضیخان وللقابلة ان تنظر إلى فرج المرأة عند اخذ الولد لمكان الضرورة وكذا الحجام ان ينظر الى فرج البالغ عند الختان. (ج ۲/ ۳۶۸)

اس سے معلوم ہوا کہ بالغ کو ختنہ کر لینا اور اس ضرورت سے حجام کے سامنے بدن کھولنا جائز ہے۔

ويؤيده ما رواه البخاري عن ابن عباس انه سئل مثل من انت حين قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انا يومئذ مختون وكانوا لا يختنون الرجل حتى يدرك (نيل الاوطار ص ۱۱۰ ج ۱)

قتادة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر من اسلم ان يختتن وان كان ابن ثمانين سنة (رواه الطبراني في الكبير۔ ورجاله ثقات، مجمع الزوائد ص ۱۱ ج ۱) قلت ولا يمكن ذالك بدون الحجام عادة واللہ اعلم۔ پس زید کا قول غلط ہے مگر ایسے نو مسلم کو جسے ختنہ کرانے کی ہمت نہ ہو ڈر لگتا ہو اسے ختنہ پر مجبور نہ کیا جائے اگر وہ خوشی سے اس کی ہمت کرے

تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۳ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

ریلوے کے مال کی چوری کا حکم | سوال: ریلوے کا سامان مثلاً لوہے کا سامان یا لکڑی کا یا پتھر وغیرہ جو ریلوے لائن میں لگائے جاتے ہیں اس کو چوری کر کے لے جا کر اپنے استعمال میں لانا کیسا ہے۔

الجواب

مطلقاً حرام ہے۔ چوری کا مال کسی طرح حلال نہیں خواہ کافر ہی کی چوری ہو۔
واللہ اعلم۔ ظفر احمد

ریلوے کا مسروقہ مال خریدنے کا حکم | سوال: ریلوے کے ذریعے جو مال کپڑا اناج وغیرہ سوداگر لوگ روانہ کرتے ہیں راستہ میں وہ اگر چوری ہو جائے تو ریلوے والے اس کا تاوان دے دیتے ہیں۔ اب یہ چوری شدہ مال چور سے خریدنے کا کیا حکم ہے۔

الجواب

درست نہیں یہ مال چوری کا ہے لینے والے کے لئے بھی حرام ہے اور جس کو وہ دے اس کو بھی حرام ہے۔ ریلوے کو کسی طرح واپس کر دینا واجب ہے۔ واللہ اعلم
جنگل کے درختوں کی چوری کا حکم | سوال: ہمارے ملک میں انگریز حکومت نے جنگل جن پر حکومت قبضہ کر رکھا ہو پر ملازم رکھے ہیں اور لکڑی کاٹنے کی پابندی ہے اگر کوئی کاٹ لے تو جرمانہ و سزا دی جاتی ہے۔ اب اس جنگل کی لکڑی وغیرہ چوری چھپے لے جانا یا ملازم کو رشوت دے کر اس کی اجازت سے لے جانا کیسا ہے۔

الجواب

مطلقاً حرام ہے۔ استیلاء کافر سے وہ سب درخت حکومت کے ملک ہو گئے ہیں۔ ان میں سے چوری کر کے لینا درست نہیں نہ رشوت سے نہ بغیر رشوت کے۔

ظفر احمد

اس جنگل کی لکڑی کاٹنے کا حکم جس پر حکومت نے قبضہ نہیں کیا مگر ممانعت کر رکھی ہے سوال: بعض جنگلات پر کوئی محافظ وغیرہ نہیں رکھے گئے ہیں بلکہ صرف لکڑی کاٹنے پر پابندی ہے اور پٹواری وغیرہ کو یہ کہا گیا ہے کہ کوئی آدمی اس جنگل سے سامان لے جائے تو اس کو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا جائے اور قید یا جرمانے کی سزا دی جائے۔ اس جنگل کی لکڑی کو کاٹنا کیسا ہے؟

الجواب

اگر اس جنگل پر کسی خاص صورت سے جس کو عرفاً قبضہ کہا جاسکے گورنمنٹ کا قبضہ ہو گیا تو بدون اجازت یا خرید کے اس جنگل کی لکڑی کاٹنا درست نہیں اور اگر قبضہ نہیں ہوا ویسے ہی ممانعت ہے تو اگر زمین کسی کی ملک نہیں اور درخت بھی خود رو ہیں تو ان کی لکڑی کاٹ لینا درست ہے مگر چونکہ اس میں مقدمہ قائم ہونے کا اندیشہ ہے جس میں ذلت ہوگی اور مسلمان کو ذلت سے بچنا واجب ہے۔ اس لئے اس صورت میں بھی چوری سے بچنا چاہیئے۔ ہاں پٹواری کی اجازت سے سامان لے سکتے ہیں۔ اور اگر زمین مملوک ہے یا درخت خود رو نہیں بلکہ لگائے ہوئے ہیں تو درست نہیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

کتب ناول اور ایسی کتابوں کی تجارت سوال: تجارت کتب ناول و قصہ کہانیاں کا حکم جو موضوع روایات پر اور جو اکثر غلط واقعات پر مشتمل ہوتے ہیں اور شراب بنانے کی تجاویز پر مشتمل ہوں ان کتابوں کی تجارت جن میں روایات و احادیث موضوع ہوتی ہیں اور ان کتابوں کی تجارت جن میں صنعت اور ادویہ وغیرہ درج ہوتے ہیں اور بعض نسخہ جات شراب وغیرہ کی آمیزش کے بھی ہوتے ہیں۔ ایسی کتابوں کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں۔ مزید برآں بعض کتب پر تصاویر بھی ہوتی ہیں۔

الجواب

کتب ناول اور جھوٹے قصے کی کتابیں بیچارہ بشرطیکہ ان جھوٹے قصوں میں خدا اور رسول پر جھوٹ نہ بولا گیا ہو (جائز تو ہے مگر اچھا نہیں۔

ووجه الجواز عدم تعلق الحرمة به بل مبناه على نية من طالعه فمن طالعه لغرض حسن مثلاً تعلم الادب ونحوه فلا بأس بالمقامات الحریریة وکلیله ومنه والى ليلة ومن طالعه لتہیج الشهوة وتعلل القلب به فلا يجوز۔

اور جن کتابوں میں موضوع روایات و احادیث ہیں ان کا بیع کرنا جائز نہیں۔ ہاں اس طرح جائز ہے کہ کتاب کے سرورق پر حلی قلم سے لکھ دیا جائے کہ اس کتاب میں روایات و احادیث موضوع و غلط ہیں۔ فان رواية الموضوع تجوز ببيان حالها فكذا البيع والله اعلم۔ اور جن کتابوں میں صنعت و ادویہ کا بیان ہے۔ ان کا بیچنا جائز ہے۔ گو اس کی بعض دواؤں میں شراب وغیرہ بھی داخل ہو۔ لعدم تعلق الحرمة به بل على استعمال المستعمل ان استعماله من غير حاجة شديدة فكان كبيع الامر ممن يلوط به ونحوه فقط۔ اور تصویر پر کاغذ چپاں کر دینا چاہیے اور اگر ایسا نہ بھی کیا گیا تو چونکہ مقصود کتاب کی بیع ہے نہ کہ تصویر کی اس لئے بیع درست ہے مگر کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم

نظر احمد

غیر مسلم اگر مسلمان ملازم کو جانور کا گلا گھونٹنے | سوال: زید ایک انگریز کے پاس پر مجبور کرے تو اس کو ایسا کرنا جائز نہیں ملازم ہے اور اس کو کھانا پکانا کھلاتا ہے اور وہ اس کو مجبور کرتا ہے کہ ہم کو مرغ یا پرندے یا بکرے کو ذبح کر کے مت کھلاؤ بلکہ گلا گھونٹ کر کھلاؤ کیونکہ ذبح کرنے سے خون نکل کر قوت زائل ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں زید کو جو مسلمان ہے اس کے حکم کی تعمیل کرنا شریعت کے خلاف تو نہ ہوگا اور زید کو ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئلہ میں اس خالسامہ کو جانور کا گلا گھونٹنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور گلا گھونٹ کر جانور کا پکانا اور کسی کو کھلانا بھی جائز نہیں۔ اس کو انگریز سے عذر کر دینا چاہیے کہ میرا مذہب مجھ کو اس فعل سے منع کرتا ہے اس لئے میں ایسا نہیں

کر سکتا۔ قال تعالیٰ: حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر
وما اهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية الآية
وفي الحنق تحريم الحلال وذاك لا يجوز وفي
حاشية البخاری عن العینی قوله هل یؤجر الرجل نفسه من
مشارك فی ارض الحرب اور د فیہ حدیث خباب وهو اذ ذاك
مسلم فی عمله للعاص بن وائل وهو مشرك وكان ذاك
بمكة وهي اذ ذاك دار الحرب واطلع النبی صلی اللہ علیہ
وسلم علی ذاك واقرة قال المہلب كره اهل العلم ذاك
الا لضرورة بشرطین احدهما ان يكون يعمل فیما يحل
للمسلم فعله والاخر ان لا یعینہ علی ما یعود ضرره
علی المسلمین اه (ج ۱/۳۰۴) قلت والحنق حرام لا یفعله
مسلم ولا لہ ذاك كما مر۔ واللہ اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون۔

ادائے قرض کے واسطے صاحب جائیداد | سوال: اگر کوئی شخص مبتلا قرض ہو اور
کو سوال کرنا جائز نہیں اگرچہ جائیداد | قرض بھی سودی اور وہ شخص خود نوکری
اپنی حوائج کے لئے بھی کافی نہ ہو۔ | کرتا ہو اور کسی قدر جائیداد بھی رکھتا ہو

لیکن آمدنی نوکری و جائیداد سے اس کے خانگی اخراجات نہیں چلتے چہ جائے کہ
قرض ادا کرے تو ایسی صورت میں اس شخص کو ادا قرض کے واسطے سوال کرنا
جائز ہے یا نہیں اور وہ شخص سوال کرنے کو بُرا جانتا ہے اور نیز سوال کے بارے
میں جو وعید حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے وہ بھی مد نظر ہے چونکہ اس شخص
کو قرض کے بارے میں اطمینان قلب میسر نہیں۔ لہذا عبادت میں خشوع وغیرہ
حاصل نہیں ہوتا اور سود لینے دینے کی بابت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ
وسلم کا جو ارشاد ہے اس سے ہمیشہ دل بے قرار رہتا ہے۔ اب وہ چاہتا ہے کہ
کسی صورت میں اس قرض سے خلاصی ہو۔

الجواب

اس شخص کو ابھی سوال جائز نہیں۔ اول اپنی جائیداد کو فروخت کر کے قرض ادا کر دے اور نفقہ عیال کے لئے نوکری یا تجارت کرے البتہ اگر جائیداد فروخت کر کے بھی قرض پورا ادا نہ ہو تو بقیہ قرض کے لئے سوال جائز ہے یا بعد بیع جائیداد کے نوکری وغیرہ اخراجات اہل و عیال کو کافی نہ ہو تو قوت کے علاوہ دیگر ضروریات کے لئے سوال کر سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عام لوگوں سے سوال نہ کرے بلکہ خاص اعزہ و احباب سے سوال کرے۔

فی الدر مع للشامیۃ: ولا یحلّ ان یسئل شیئاً من القوت من له قوت یومیہ بالفعل او بالقوۃ کا الصبیح المکتب و یا ثم معطیه ان علم بحالہ لا عانتہ علی المحرم ولو سأل للكسوة او لا شتغاله عن الکسب بالجہاد او طلب العلم جاز لو محتاجاً اھ مج ۳/۲ قلت والسوال لاداء القرض ملحق بالسوال للكسوة: وفي الشامیۃ واذا كان له دارٌ یسكنها ولا یقدر علی الکسب قال ظہیر الدین لا یحلّ له السوال اذا كان یکفیه مادونہا معراج، ثم نقل ما یدلّ علی الجواز وقال وهو اوسع وبہ یفتی اھ قلت وهذا فی الدار لكونها من الحوائج الاصلیۃ واما العقار فلیس ملحقاً بها لكونه من الزوائد فلا یحلّ السوال مادام باقیاً واللہ اعلم

سوال: زید مدرسہ عربیہ میں تعلیم پاتا ہے اور خوراک مدرسہ سے اس مدرسہ کی خدمت سے کھانا ملتا ہو اس کو مدرسہ کی خدمت سے کھانا لینا اور مسجد کی آمدنی کا اخفا کر لینا قدر ملتی ہے کہ اس کو کافی نہیں ہوتی

اس وجہ سے وہ مقروض ہو گیا۔ زید نے ایک مسجد کا رہنا قبول کیا وہاں سے کھانا وغیرہ کا کافی انتظام ہو گیا لیکن اسے مدرسہ والوں کے تعلق واسطہ سے مسجد نہیں ملی بلکہ خود اپنی کوشش سے حاصل کی۔ اب اگر مدرسہ والوں کو معلوم ہو جائے کہ زید مسجد میں رہتا ہے تو خوراک بند کر دیں۔ اگر زید مدرسہ سے برابر خوراک حاصل کر کے اور فروخت کر کے اپنا قرض سابقہ ادا کر دے اور بعد اداء قرض کے مدرسہ

سے خوراک لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس رقم سے اسے قرضہ ادا کرنا کیسا ہے۔

الجواب

جب یہ بات معلوم ہے کہ اگر مدرسہ والوں کو خبر ہو جائے کہ زید مسجد میں رہتا ہے اور محلہ سے کھانا پاتا ہے تو وہ وظیفہ بند کر دیں گے تو معلوم ہوا کہ زید قاعدہ مدرسہ سے اس حالت میں وظیفہ کا مستحق نہیں اور وہ اس حالت میں بدون استحقاق کے وظیفہ لیتا ہے۔ لہذا مسجد سے کھانا پاتے ہوئے اس کو مدرسہ سے وظیفہ لینا جائز نہیں۔ نہ اس سے قرض ادا کرنا جائز ہے نہ بعد ادا کے قرض کے وظیفہ لینا جائز ہے۔ اس کی آسان صورت یہ تھی کہ زید اہل مدرسہ کو اطلاع کرتا کہ مجھے وظیفہ مدرسہ کا کافی نہیں ہوتا اور میں مقروض ہو گیا ہوں مجھے اجازت دی جائے کہ میں وظیفہ کے ساتھ کسی مسجد میں اپنے کھانے کا انتظام کروں اگر وہ اس کی اجازت دے دیتے تو پھر یہ جائز تھا۔

وفی الحدیث من غشافلہ منّا، وقال الفقہاء بلزوم العمل
باحکام الواقف وشروطہ وکذا باحکام الملتوی وشروطہ فی
الادواق واللہ تعالیٰ اعلم

ظفر احمد از تھانہ بھون

۲ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ

جو لوگ عمل کے ذریعہ مدفون کنواں کا پتہ | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس
دیتے ہیں ان سے کنواں دریافت کرانا | مسئلہ کے متعلق کہ سیالکوٹ کے ہندو
اور انہیں انعام دینا کیسا ہے؟ | برہمن بت پرست ضلع لائل پور کی

آبادی جدیدہ میں ہیں وہ اپنے کسی فن کے ذریعے سے جو غالباً سحر ہی معلوم ہوتا ہے
قدیمی چاہ زمین دوز کا جا بجا پتہ نشان بتلاتے ہیں۔ پانچ سات ہاتھ کھودنے پر
ان کے بتلائے ہوئے کے موافق چاہ کے نشانات معلوم ہو جاتے ہیں جب چاہ برآمد
ہو جاتا ہے تب وہ دوسروں کو یہ انعام کا بوجہ بتلانے چاہ کے لیتے ہیں۔ جا بجا
چاہ زمین دوز برآمد ہو رہے ہیں اور وہ یہی بتلاتے ہیں ہمارے علم میں چاہ
معموس ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ بے کار ہو یا کار آمد سالم ہو یا خراب سب امور
وہ پہلے ہی بتلا دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد یا کب

وہ باقاعدہ آبادی رہ چکی ہے (الحاصل) اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگرچہ ہنیم لوگ ہرچند ان کو غیب دان نہیں جانتے۔ عوام بھی ان کو عجوبہ کار جانتے ہیں مگر ان سے نشان چاہ دریافت کرنا اور ان کے کہنے کے موافق عمل کرنا زمین کھودنا اور پھر یہ انعام دینا تصدیق کا ہن میں داخل ہو کر کفر ہے یا گناہ کبیرہ اس کا مرتکب فاسق ہے یا کیا حکم ہے۔

الجواب

اس صورت کو کہانت اور سحر سے کچھ تعلق نہیں معلوم ہوتا کہ اکثر تو زمین کو سونگھ کر جاننے والے بتلا دیتے ہیں کہ یہاں پانی ہے یہاں نہیں ہے اور بعض کو مسمریزم کے عمل سے یہ علم ہو سکتا ہے۔ پس جب تک کہ تیقن کہانت و سحر نہ ہو جائے اس وقت تک اس قسم کے لوگوں کے ذریعے سے کنواں دریافت کرنے اور ان کو اس کا انعام دینے اور اجرت دینے کو حرام نہیں کہا جاسکتا البتہ احتیاط کا امر کیا جائے گا۔ دع ما یریک الی مالا یریک۔ واللہ اعلم۔
 قال فی الدر: ان دلّنی علی کذا فله کذا فله فله
 أجر مثله ان مشی لأجله اه قال الشامی: وفی البزازیة
 والواجبة رجل ضل له شیء فقال من دلّنی علی کذا فهو
 علی وجهین ان قال ذالک علی سبیل العمومیات قال
 من دلّنی فالاجارة باطلة لان الدلالة والاشارة لیس
 بعمل یتحق به الا جروان قال علی سبیل الخصوص
 بان قال لرجل بعینه ان دلّنی علی کذا فله کذا
 ان مشی له فله فله اجرا مثل وان دلّنی بغير مشی
 فهو لا یرى سواء۔ قال فی السیر الکبیر قال امیر السریة
 من دلّنا علی موضع کذا فله کذا یصح ویتعین الا جر
 فیجب الاجراه (ج ۵/ ۸۸)

پس صورت مسئلہ میں بھی کنواں بتلانے والا جبکہ اس کے لئے محنت اور عمل کرتا ہے اس کو کنواں بتلانے اور نکل آنے کے بعد اس عمل کا اجر مثل

دینا لازم ہے اور اجر مثل وہ ہے جو عرفاً اس کام کی اجرت ہو۔ یعنی جو اجرت معین کی ہے۔ وہ واجب نہیں بلکہ جس کنویں کی تلاش میں کم محنت ہوئی اس کی اجرت کم دی جائے اور جس میں زیادہ مشقت ہوگی اس کی اجرت زیادہ دی جائے گی۔
واللہ اعلم۔
ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۴ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ

جوان نامحرم عورت کو پڑھانے کا حکم | سوال: جوان مرد کا جوان عورت کو پڑھانا کیسا ہے۔ قرآن شریف یا دینی کتاب میں پردے میں پڑھائے تو یہ درست ہے یا نہیں اور نابالغ لڑکی کا پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب

ایک طرح درست ہے کہ پڑھانے کے وقت لڑکی یا عورت پردہ میں ہو اور ایک محرم لڑکی کا تعلیم کے وقت ان دونوں کے پاس ہو۔ یہ دونوں تنہا نہ ہوں۔ اگر دونوں تنہا ہوں گے تو جائز نہ ہوگا۔ گو لڑکی پردہ ہی میں ہو۔
لخوف الفتنة وفساد الزمان وقد وقع الفساد في الخلوة مع الحجاب ايضاً كثيراً فلا يجوز لان مقدمة المحرم حرام۔
اور نابالغ لڑکی اگر حد شہوت میں نہ ہو یعنی اس کی طرف میلان نہ ہوتا ہو تو پردہ اور محرم کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۴ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ

نابالغ لڑکا اگر مچھلی پکڑ کر گھولائے | سوال: زید کا نابالغ لڑکا تالاب سے سیر و سیر تو گھر والوں کیلئے اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں | کے قریب مچھلیاں پکڑ کر لاتا ہے جس کو زید اور گھر کے سب لوگ مل کر کھاتے ہیں تو یہ کھانا جائز ہے یا ناجائز۔ اگر ناجائز ہے تو پھر کیسے کھاویں کیونکہ یہ بات میرے اوپر بھی اکثر ہوا کرتی ہے۔

الجواب

مباح مچھلیاں پکڑنے والے کی ملک ہو جاتی ہیں اس لئے نابالغ نے جو مچھلیاں پکڑی ہیں وہ اس کی ملک ہو گئی اگر اس کے والدین غریب ہیں تو ان کو کھانا

بالاتفاق جائز ہے اور اگر والدین امیر ہیں تب بھی امام محمدؒ کے قول کے موافق حلال ہے
 بناءً على التعامل. في الشامية (ج ۵/۲۳۲) ولو أمر صبياً أبوه أو أمه
 بآتيان الماء من الوادي أو الحوض في كوز فجاء به لا يحل
 لأبويه أن يشربا من ذلك الماء إذا لم يكونا فقيرين لأن
 الماء صار ملكاً ولا يحل لهما الأكل من ماله بغير حاجة
 وعن محمد يحل لهما ولو غنيتين للعرف والعادة حموى عن الدراية
 وفي هذين الفرعين خرج عظيم اه قلت والمخرج مدفوع
 ويتأيد قول محمد بأن نفقة الصبي على الوالدین إنما إذا
 كان لا يملك شيئاً فإذا ملك شيئاً سقطت النفقة عنهما
 بقدره فما زاد من السمك يأكله الوالدان يعوض ما
 يأكله الصبي من مالهما والله أعلم. والاحوط أن
 يؤدى إليه القيمة أو شيئاً بعوضه ثم يأكلان. فقط

الجواب صحيح
 ظفر احمد عفا عنه

کتبہ
 عبد الکریم عفی عنہ
 تتمہ

وقال العلامة العيني في العمدة تحت حديث الش كان النبي
 صلى الله عليه وسلم إذا خرج لحاجة أجي أنا وغلام معنا
 أداة من ماء يعني يستجى به الخ مانصة الثاني فيه استخدام
 الرجل الصالح الفاضل بعض أتباعه الأحرار خصوصاً إذا الرصد
 لذلك والاستعانة في مثل هذا فيحصل لهم اشرف بذلك
 وقد صرح الرويان من الشافعية بأنه يجوز أن يعيره ولده
 الصغير لخدمته من يتعلم منه وخالف صاحب العدة
 فقال ليس للأب أن يعير ولده الصغير لمن يخدمه لأن
 ذلك هبة لمنافعه فاشبه اعارة ماله وأوله النووى في الرضة
 فقال هذا محمول على خدمة تقابل باجرة أما ما كان لا يقابل

بہا فالظاہر والذی بقتضیہ اقوال السلف ان لا منع منه وقال
غیرہ من المتأخرین ینبغی تقيد المنع بما اذا انتقت المصلحة
اما اذا وجدت كما لو قال لولدہ الصغير اخدم هذا الرجل
في كذا متمرن على التواضع ومكارم الاخلاق فلا منع منه
وهو حسن (ج ۱/۲۰) قلت فلما جازت الخدمة المتقومة اذا
كان فيها مصلحة جاز اكل ما يأتيہ الصبی من السمک
والدیه وفي الدرر ویباح لو الریہ ان یاکل من مأکول وھب
لہ وقیل لا ینتھى. وان غیر الماکول لا یباح لھما
الاحاجۃ.

قال الشامی: قال فی التاترخانیۃ روى عن محمد نصاً
انہ یباح (ج ۲/۸۲) قلت والاوسع قول محمد والاحوط
الاحتراز عنہ مثل ذلك والله الموفق وهو اعلم وعلمہ
اتم واحکم.

ان عبارت سے معلوم ہوا کہ نابالغ جو مچھلیاں پکڑ کر لائے ان کا کھانا ولی کو
محمد کے قول پر مباح ہے اور غیر ولی کو بھی مباح ہے۔ اگر ولی نے نابالغ سے اس
قسم کی خدمت لینے کی اس کو اجازت دے رکھی ہو۔ باقی احوط یہ ہے کہ اس سے
احتراز کیا جائے کیونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ واللہ اعلم۔

طفہ احمد عفا عنہ

سوال: ایک شخص نے ایسا پرندہ پالا ہوا ہے
جو اپنی ذات سے وحشی ہے اور پالنے سے مانوس
بھی نہیں ہوتا جیسے طوطا۔ اس کو جنگل میں چھوڑنا
جائز ہے یا نہیں اور یہ تسیب میں داخل تو نہیں

جو پرندہ پالنے سے مانوس نہیں ہوتا
اس کو قفس میں رکھنا کیسا ہے اگر کسی
نے ایسا کر لیا ہو تو اس پرندہ
کو آزاد کرنا کیسا ہے؟

اور ایسے پرندے جو پالنے سے مانوس نہیں ہوتے قفس میں مقید کرنا جائز ہے یا نہیں
ایذا رتو نہیں۔

الجواب

قال فی غنیۃ الناسک فی کراہۃ مختارات النوازل سیب

دابة فآخذها آخر فاصلحها فلا سبيل للمالك عليها ان قال
 عند تسيبها هي لمن آخذها وان قال لا حاجة لي بها فله آخذها
 والقول له يمينه درار سال الصيد ليس بمتدوب كتسيب
 الدابة بل هو حرام الا ان يبيع للناس آخذة وقيل
 حرام مطلقا لانه وان اباحه فالأغلب ان لا يقع في يد أحد
 قبيح سائبة وفيه تضييع للمال. اللقطة ان كانت شيئا يعلم
 ان صاحبها لا يطلبها كالنواة وقشر الرقات يكون القاءه
 اباحه حتى جازا لا انتفاع به من غير تعريف ثم بالاباحه لا
 يخرج عن ملكه قبل ان يأخذها أحد فان أخذها بعد الاباحه
 ملكه وقيل لا يخرج مطلقا لان التملك لمجهول لا
 يصح مطلقا الا لقوم معلومين فائدة اباحه حل الانتفاع
 به مع بقاءه على ملك المالك لقطة التاترخانية: ترك دابة
 لا قيمة لها من الهزال ولم يبحها وقت الترك وأخذ رجل
 واصلحها فالقياس ان تكون للأخذ كقشور الرمان المطروحة
 وفي الاستحسان يكون لصاحبها قال محمد لا يجوزنا ذلك
 في الحيوان لجوزنا في الجارية ترى بالارض مريضة لا قيمة
 لها فآخذها رجل وينفق عليها فيطوؤها من غير شراء ولا
 هبة ولا ارث ولا صدقة او يعتقها من غير ان يملكها و
 هذا امر قبيح وحاصله ان غير الحيوان يكون طرحة اباحه
 رد المحتار ملخصا اهـ ص ١٥٨ وفي الشامية نقلا عن الظهرية
 ارسال الصيد ليس بمتدوب كتسيب الدابة بل هو حرام الا
 ان مرسله للعلف او يبيع للناس آخذة اهـ وعلمه بان فيه
 تضييعا للملك (ج ٢/ ٣٤١) وقال في تحرير المختار نقلا عن السندی
 لا يخفى ان الجريمة لا تثبت الا اذا سببها بلا سبب شرعي واما
 اذا دخل الحرم والصيد في يده او كانت صيد الحرم ابتداء

فقد وجب عليه اطلاقه كما في المبسوط والمحيط وغيرهما لوجوب
الامن له بالنص والامن لا يتحقق الا بالارسال المطلق وما
ذكره في جامع الفتاوى (من حرمة التسيب) مفروض في غيره
(اي غير ماله سبب شرعي ۱۲) (ج ۱/ ۱۶۴) قلت فيه دلالة ان
التسيب ليس بحرام مطلقاً بل قد يجب بسبب شرعي كما
في صيد الحرم ولا يبعد ان يقال انه قد يستحب لسبب
شرعي كما اذا كان في حبسه تفرق بين الامر وولدها و
تضجيعها وقد ورد في الحديث من فرق بين والدته
وولدها فرق الله بينه وبين احبته يوم القيامة
رواه الترمذي وحسنه (عزیزی ج ۳/ ۳۵۰) وقوله صلى الله
عليه وسلم - وفجعها في افراخها قاله لرجل اخذ افراخ
جمرة فجعلت تدور على رأسه فالظاهر ان الارسال يستحب
لأجل ذلك والله تعالى اعلم وبل يلتحق بذلك ما اذا تصفع
الرجل لكون الطير محبوباً في القفس واراد الارسال لا لحاق
المسرة اليه فالظاهر نعم ولم اراه صريحاً والله اعلم .

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۵ھ

ماں یتیم کے مال میں تجارت سوال : مسماۃ مریم بیوہ کے دو نابالغ لڑکوں کو
کر سکتی ہے یا نہیں ؟ متوفی باپ کے ترکے سے پانچ سو سے زائد روپیہ
ملا تھا۔ وہ روپیہ ان کی ماں مریم کی سپردگی میں دیا گیا تو مریم نے یہ خیال کیا کہ اگر
یہ روپیہ تجارت میں دے دیا جائے تو کچھ فائدہ ہی ہوگا ورنہ بلا تجارت
جلدی ختم ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر پانچ سو روپے اپنے داماد زید کو دیا کہ اس کو تجارت
میں لگائے جو کچھ نفع ہوگا اس میں سے باہم نصف نصف تقسیم کر لیا جائے گا تو زید نے
پانچ سو روپیہ مریم سے لے کر خود کوئی مال نہیں خریدا بلکہ بکر کو دے دیا تو بکر نے پانچ
سو روپے کا مال خرید کر فروخت کیا تقریباً اسی ۸۰ روپے یا کچھ کم و بیش نفع ہوا

تو بکر نے اس منافع میں سے چالیس روپیہ خود لے لیا اور چالیس روپے زید کے حوالے کر دیئے۔ زید نے اس نفع کو لے کر اپنی ساکس مریم کو دے دیا اور کہا کہ پانچ سو روپے کا مال بکر نے خرید کر بیچا ہے تو جس قدر نفع ہوا اس کا یہ نصف چالیس روپے ملا ہے اس کو تم لے لو تو مریم نے صرف بیس روپے لے لیا اور بیس روپے اپنے داماد زید کو دیا اور کہا کہ تم کو کچھ نہیں ملا تم بیس روپے اس میں سے لے لو میں اپنی خوشی سے دیتی ہوں اور تم اس پانچ سو روپے کے ذمہ دار ہو اور آئندہ بھی منافع کی کوشش کرتے رہو گے لیکن زید کو بیس روپے لینے میں تامل ہے۔ صورت مذکورہ بالا میں بموجب خوشی و رضا مندی مریم کے زید لے سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

قال فی حاشیة الہدایة نقلًا عن الزیلعی ومن ہذا النوع ما هو متردد یحتمل ان یکون ضررًا کالاجارة والبيع لا سترباح لا یملکة الا الا ب والمجد ووصیہما سواء کان فی ایدیہما ولا ۵۱ (ج ۴/۲۶) باب الکواہیة۔

اس سے معلوم ہوا کہ غریب و جد و وصیہما کو ر اور اسی میں ماں اور حاضنہ بھی ہے) یتیم کے مال میں تجارت کرنا جائز نہیں ہے مگر جو منافع ہو گا وہ سب یتیم کا ہو گا۔ پس صورت مسئلہ میں ماں کو یتیموں کے مال میں تجارت کرنا جائز نہیں اور وہ اس فعل سے گنہگار ہے اور جتنا منافع اس تجارت میں ہو گا وہ سب یتیموں کا حق ہے۔ پس صورت مسئلہ میں للفقہ روپیہ جو یتیموں کے حصے میں آئے اس میں سے عنہ روپیہ ساکس کا داماد کو دینا درست نہیں اور داماد کو بھی لینا درست نہیں۔ ہاں اگر ساکس اپنی طرف سے یہ رقم دے اور یتیموں کی رقم ۴۰ روپے پوری ان کو دے دے تو کچھ حرج نہیں اور بکر کو اس صورت میں اجر مثل عمل ملے گا۔ مسمیٰ نہ ملے گا۔ اگر اس کو معلوم تھا کہ یہ مال یتیم کا ہے۔ پس اگر اجر مثل عمل ۴۰ روپے سے کم ہو تو اس کو زیادت کا واپس کرنا لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۳ رجب ۱۴۲۸ھ

بھنگی اور چار کے گھر کا پکا ہوا کھانا مکروہ ہے سوال: ایک قوم خاکروب اور چار جن کا پیشہ شب و روز اکثر اوقات

مردار استعمال کرنے کا ہے اور سوائے اس کے ناپاک اور پلید چیزیں بھی استعمال کرتے ہیں بلکہ اہل اسلام کا جانور بھی جب مرجاتا ہے تو ان کو کھانے کو دیتے ہیں۔ غرض اکثر اوقات مردار اور پلید چیزیں کھاتے ہیں۔ آیا ان کے گھر کا پکا ہوا انہیں کے برتنوں میں مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا مکروہ وغیرہ ہے۔ ایک فتویٰ سہارنپور دارالعلوم اسلامیہ سے منگوایا تھا اس میں مکروہ تحریمی تحریر ہے۔

الجواب

ہاں دارالعلوم کا فتویٰ صحیح ہے۔ ان لوگوں کے گھر کا پکا ہوا کھانا مکروہ ہے اور ان کے برتنوں کو جب تک خود پاک نہ کیا جائے ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔
 كما في الحديث الذي رواه ابو داود ان صلى الله عليه وسلم سئل عن آتية اهل الكتاب الذين يطبخون الملية ويشربون الخمر فيها فقال ان وجدتم غير هافلا تأكلوا فيها والا مارخصوها بالماء واكلوا فيها الحديث او كما قال وقد اخرجته في الاستدراك الحسن والله اعلم والغالب على الاقوام الذين سئل عنهم الجحاسة. حرره الاحقر فخر احمد عفا عنه

۱۹ صفر ۱۳۸۷ھ

قانون ریلوے سے زائد سامان ریلوے سوال: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ ریل ملازم کے معرفت بھیجنے کا حکم گاڑی پر بلا کر ایہ چڑھنا گناہ ہے اور قاعدہ

کے موافق جو بوجھ سامان لے جانا درست ہے اس سے زیادہ لے جانا گناہ ہے۔ قیامت کے دن بجائے روپیہ کے نیک عمل دینا پڑے گا۔ اس لئے ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر ملازم ریلوے کے معرفت زائد سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ ملازم گنہگار ہو گا یا مسافر؟

الجواب

ملازمان ریلوے نوکر ہیں۔ ریلوے کے مالک نہیں اس لئے دوسروں کی

چیز خلاف مرضی مالک مراعات فراہم کرنے کا ان کو کچھ حق نہیں پس جتنا سامان ساتھ رکھنے کا ملازم کو قانون ریلوے سے حق دیا گیا ہو اس میں تو ملازم گنہگار ہے نہ مسافر اور اس سے زائد رکھنے میں دونوں گنہگار ہوں گے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

جعلی سکے بنانے کا حکم | سوال: رائج الوقت سکے مثلاً چوٹی دوائی بنا کر کام میں لانا شرعاً جائز ہے یا نہیں خصوصاً جب کہ وہ اس دھات کی بھی نہ ہو جس سے حکومت سکے بناتی ہے۔ جو شخص اس میں مبتلا ہو اس کا کیا حکم ہے بظاہر اصلی و نقلی میں کوئی فرق بھی نہیں۔

الجواب

جائز نہیں لما ہی فیہ من الغدر والغرار۔ واللہ اعلم۔

سوال: ہارمونیم، گراموفون اور باجوں وغیرہ کی مرمت کا ہمیشہ اختیار کرنا کیسا ہے۔ کیا حکم اور اس پیشہ کا شریعت میں

کیا حکم ہے؟

الجواب

یہ آمدنی علی الاختلاف جائز تو ہے مگر کراہت سے خالی نہیں اس لئے یہ پیشہ نہ اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

وبناء الجواز علی بیع العصیر ممن یتخذہ خمرًا ونحو ذالک فان الحرمة اذا لم تقم بالعين بالفعل فلا بأس بثمان العين كما فی الدر وغیرہ۔ واللہ اعلم
ظفر احمد عفا عنہ ۲۴ جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ

ریلوے کا ٹکٹ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا | سوال: ریلوے کا قانون ہے کہ جو اور اس کو اپنی جگہ سوار کرنا جبکہ قانون ریلوے کی رو سے اس کی اجازت نہیں ٹکٹ ایک شخص نے خرید لیا ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس ٹکٹ کو

دوسرے کے ہاتھ فروخت کر کے اس کو اپنی جگہ سوار کر دے شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے۔ نیز بعض ایام میں واپسی ٹکٹ خاص رعایت سے ملتا ہے تو اگر کوئی شخص واپسی ٹکٹ خرید کر ایک جانب سے دوسرے کو ٹکٹ فروخت کر کے واپس بھیج دے تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

قال فی اجارات الدّرّوان قید بر اکب اولاً بس فخالف ضمن
(لأنه صار متعدی لان الرکوب واللبس فماتفاوت فیہ
الناس قرب حقیف جاهل اضر علی الذّابة من ثقیل عالم
۱۲ شامی) ومثله فی المحکم ما یختلف بالمستعمل كالفسطاط (قال فی
الدّرّ: حتی لو استأجر فدفعه إلی غیر اجارة او اعاره فنصبه وسکن
فیہ ضمن عند ابی یوسف لتفاوت الناس فی نصبه واختیار مکا
و ضرب او تاده وعند محمد لا یضمن لانه للسکني فصار
کالداراه شامی) وفيما لا یختلف فیہ بطل تقبیده به کمالو
شرط سکني واحده ان یسکن غیره لما مرّ ان التقبید
غیر مفید اه (ج ۵/۳۳)

اس سے معلوم ہوا کہ شئی مستاجر میں اگر استعمال مختلف نہ ہو تو مستاجر
کو جائز ہے کہ دوسرے کو عاریت یا اجارہ دے دے اور مختلف ہو تو جائز نہیں
اور ظاہر یہ ہے کہ ریل میں استعمال مستعمل متفاوت نہیں۔ ۱۲۔
لہذا شرعی ریل کا ٹکٹ دوسرے کو فروخت کر کے اس کو اپنی جگہ بھیج دینا
جائز ہے مگر زیادہ داموں میں فروخت نہ کرے بلکہ مثل اجرتی یا اس سے کم میں
فروخت کرے اور واپسی کے ٹکٹ کے فروخت کرنے میں تردد ہے۔ چند وجوہات سے
(۱) یہ کہ اس صورت میں استعمال مختلف ہے کیونکہ اگر دوسرا شخص خود کرایہ کرتا
تو اس کو زیادہ کرایہ دینا پڑتا اور واپسی والے کے ساتھ کرایہ میں خاص رعایت کی
گئی ہے اور اس کے لئے مخصوص ہے۔ لہذا اس رعایت کو متعدی کرنا بظاہر جائز نہیں
الّا بالاذن (۲) یہ کہ واپسی والا جس طریق کا ٹکٹ لے رہا ہے اس میں واپس

نہیں ہوتا بلکہ دوسری ٹرین میں واپس ہوتا ہے اور ریوے کی طرف سے یہ اذن عام ہے کہ اس ٹکٹ سے جس ٹرین میں چاہو واپس آ جاؤ اسی شخص کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسروں کو اس تعمیم سے اس ٹکٹ میں منتفع کرنا بلا رضائے جائزہ معلوم نہیں ہوتا۔ (۳) یہ کہ اگر اس ٹکٹ کو واپسی کے وقت زیادہ داموں میں فروخت کیا گیا تو یہ زیادہ کسی شے کے عوض میں نہیں لہذا زیادت جائز نہیں۔

قال فی الدر: ولو آجر المستاجر باكثر تصدق بالفضل الا فی المسئلتین اذا آجرها بخلاف الجنس او اصلح فیها شیئاً اھ بات حصصها او فعل فیها مسنأة وكذا كل عمل قائم لأن الزیادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لامره على الصلاح كما فی المبسوط ولكن ليس باصلاح ان كرى النهر قال الخصاف تطيب و قال ابو على النسفی أصحابنا مترددون اھ (ج ۵/۲۷) (۱) ما بال جملة فالمعتبر الزیادة بعمل قائم دون غیره۔ واللہ اعلم۔

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

بلا اجازت کسی کی زمین سے استنجا کے لئے | میں نے خادم سے استنجا کے لئے ڈھیلے ڈھیلے لے کر استعمال کرنے کا حکم منگوئے وہ قریبی زمینداروں کی زمین سے

کھودی ہوئی مٹی کے ڈھیلے لے آیا مجھے معلوم نہ تھا۔ معلوم کرنے پر اس نے بتایا میرا خیال ہے کہ اگر وہ کم مٹی ہو کہ مالک اٹھانے سے منع نہ کرے تو گنجائش ہوگی اور اگر مالک اٹھانے سے منع کرے تو جائز نہ ہوگی۔

حضرت والا میرے خیال کی تصحیح فرمائیں۔

الجواب

صحیح خیال ہے مقدار کثیر سے تو کھیت والے بھی منع کرتے ہیں۔ ہاں دو تین ڈھیلے سے عادت کوئی نہیں روکتا فلا بأس بہ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۱۳ رجب ۱۴۲۸ھ

(۱) (ج: ۶/۲۹) باب ما يجوز من الاجارة۔ شامی ایچ۔ ایم سعید: مرتب

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں
 (۱) کیا معلم کو جائز ہے کہ وہ اپنے نابالغ شاگرد کو چھڑی سے مارے اگر چھڑی سے نہیں تو کیا مار سکتے ہیں اس کے متعلق چند سوالات

ہاتھ سے مار سکتا ہے اور کتنی ضرب مارنے کی اجازت ہے۔

(۲) کس صورت میں معلم اپنے شاگرد کو مارنے سے صائم ہوتا ہے اور کس صورت میں صائم نہیں ہوتا۔

(۳) باپ اپنے بالغ لڑکے اور معلم اپنے بالغ شاگرد کو مار سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

(۱) معلم کے لئے جائز نہیں کہ اپنے نابالغ شاگرد کو چھڑی سے مارے البتہ ہاتھ سے مار سکتا ہے اور وہ بھی تین ضرب سے زیادہ نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اس معلم سے فرمایا کہ تین ضرب سے زیادہ مت مارو اگر تم تین ضرب سے زیادہ مارو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے قصاص لے گا۔

وان وجب ضرب ابن عشر علیہا بید لا بخشية رد مختار
 علی هامشہ الشامی ج ۱/ ۲۵۸ کتاب الصلوۃ۔ قال الشامی تعلیقاً علی
 قوله (بید) ای ولا یجاوز الثلاث وكذلك المعلم لیس له
 ان یجاوزها قال علیہ الصلوۃ والسلام لمرء من اس المعلم
 ایاک ان تضرب فوق الثلاث فانک اذا ضربت فوق الثلاث
 اقتص الله منك وما کونه لا بخشية فان الضرب بها ورد
 فی جنایة المکلف (شامی ج ۱/ ۲۵۸)

(۲) معتاد ضرب سے زیادہ خواہ کیفاً خواہ کماً خواہ محلاً (جیسے چہرہ پر) مارنے سے ضمان واجب ہوتا ہے۔ ومحله فی الضرب المعتاد ای کماً و کیفاً و محلاً فلو ضربه علی الوجه او علی المذاکیر یجب الضمان بلا خوف ولو سوطاً واحداً لانه اتلاف (الشامی ج ۵/ ۴۰۱) کتاب الخبیات - (۱)

(۱) شامی ۵۶۶/۴۱ - ایچ ایم سعید - مرتب (عمہ شامیہ ج ۱/ ۳۵۲)

اگر معلم اپنے شاگرد کو اس کے باپ یا وصی کی اجازت کے بغیر مارے تب بھی معلم ضامن ہوگا۔

ضرب الأب أو الوصي أو المعلم باذن الأب تعليمًا فمات
(لا ضمان) (ص مذکورہ)

قال الشامي تعليقاً على قوله (باذن الأب) أي أو باذن الوصي ولو ضرب بغير اذنهما يضمن۔ اهـ

اور اگر معلم اپنے شاگرد کو اس کے باپ یا وصی کی اجازت سے تعلیم مارے تو ضامن نہ ہوگا مگر ضرب معتاد سے زیادہ نہ مارے ورنہ ضامن ہوگا جیسا کہ معلوم ہو چکا۔

(۳) بالغ لڑکا باپ کے لئے مثل اجنبی کے ہے۔ باپ اس کو تعزیر نہیں کر سکتا تو معلم کے لئے بطریق اولیٰ جائز نہیں کہ اپنے بالغ شاگرد کو تعلیم کی رو سے مارے۔
والأب يعذر الأبن عليه أي على ترك الصلوة مثلها الصوم
وان المواد بالأبن الصغير بقربة ما بعده أما الكبير فكالأجنبي (شامی ج ۳/ ۲۰۴) باب التعزير۔ ہاں متاخرین نے کہا ہے کہ ہر شخص دوسرے کو معصیت کے ارتکاب پر تعزیر کر سکتا ہے۔ اس بنا پر اگر بالغ لڑکا یا بالغ شاگرد معصیت کا ارتکاب کرے تو باپ یا معلم اس کو مار سکتا ہے۔
وزاد بعض المتأخرين ان الحد مختص بالامام والتعزير بفعلة الزوج والمولى فكل من رأى احداً يباشر المعصية (شامی ج ۳/ ۱۹۲ ج ۳/ ۱۹۲) باب التعزير۔

حررہ الاحقر محمد ابراہیم احمد آبادی غفرلہ
کرطہ مسجد کھگول پٹنہ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

نابالغ بچوں کو چھڑی سے مارنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیونکہ آج کل معلم حد سے گزر جاتے ہیں اور ہاتھ سے مارنے میں حد سے گزرنا دشوار ہے کیونکہ خود اس کے بھی چوٹ لگے گی۔ عالمگیری میں بھی غالباً اسی کے مثل ہے اور ع

میں سے جو سمجھا گیا کہ بالغ کو چھڑی سے مارنا جائز نہیں۔ یہ صحیح نہیں بلکہ اس کا اصل
 صرف اس قدر ہے کہ باپ کو اولاد کبار کی تعزیر کا حق نہیں مگر جبکہ اس معصیت
 کا صدور ہو۔ اس سے یہ سمجھنا کہ معلم کو بھی حق نہیں غلط ہے کیونکہ جب بالغ ولد طالب علم
 کے لئے معلم کے پاس آتا ہے اور اس سے علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو حالاً و عملاً
 اس نے اپنے آپ کو معلم کے سپرد کر دیا ہے اور بالغ کا یہ فعل معتبر ہے لہذا معلم
 اس کو سزا بید دے سکتا ہے کیونکہ متعلم بالغ خود اس پر راضی ہے البتہ اگر کوئی
 متعلم بالغ سزا بید وغیرہ پر راضی نہ ہو تو اس کو ایسی سزا دینا جائز نہیں بلقوت
 الاذن والتفویض مگر ایسے شخص کو پڑھانا کیا ضروری ہے معلم کو بھی
 حق ہے کہ جو سزا پر راضی نہ ہو اس کو نہ پڑھائے اور اولاد کبار اگر اپنے کو بلوغ
 کے بعد بھی باپ کے سپرد کر دے کہ ہماری اصلاح و تربیت کے لئے جو تصرف
 چاہو کرو خواہ قولاً یا حالاً تو اس صورت میں اولاد کبار کو بھی تعلیم وغیرہ پر والدین
 سزائے ضرب بالخشبة وغیرہ دے سکتے ہیں اور یہی حکم اجنبی کا ہے جبکہ وہ اپنے
 کو کسی کے سپرد کر دے فالتشبیہ بالاجنبی لا یدل علی عدم جواز
 التعزیر مطلقاً بل علی جوازہ باذنتہ وعدمہ بغیر الاذن
 فانہما اور ارتکاب بالمعصیۃ میں مفتی بہ اس زمانے کے لئے متقدمین کا قول
 ہے کہ امام کے سوا اجنبی پر تعزیر جاری کرنے کا کسی کو حق نہیں کیونکہ اس میں فتنہ
 و فساد ہے۔ ہاں زوجہ پر اور والد و والدہ پر شیخ مرید پر معلم متعلم پر ارتکاب معصیت
 کے وقت تعزیر جاری کر سکتا ہے (شامی ۵/۲۲۱) کیونکہ اس میں غالب فساد
 نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۔ محرم ۱۴۲۸ھ

قبل از طعام کلی کرنے اور سوال: قبل از طعام ہاتھ دھو کر پونچھنے اور کلی کرنے
 ہاتھ دھو کر پونچھنے کا حکم کے متعلق شرعی احکام کیا ہیں؟

الجواب

فی العالمگیریہ (ج ۴/۲۲۵) ولا یمسح یدہ قبل الطعام بالمنذیل
 لیکون اثر الغسل باقیاً وقت الأکل و یمسحہا بعدہ لیزال

اثر الطعام بالكلية كذا في خزانه المفتين. وفي اليتمية سئل
والدي عن غسل الفم عند الاكل هل هو سنة لغسل اليد
قال كذا في التاترخانية وفيه ايضا بعد سطرين ويكره للجنب
رجلا كان او امرأة ان ياكل طعاما او يشرب قبل غسل
اليدين والفم ولا يكره ذلك للحائض والمستحب تطهير
الفم في جميع المواضع كذا في فتاوى قاضين خان.

اس سے معلوم ہوا کہ ادب یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر کپڑے
سے صاف نہ کئے جاویں اور کھانے کے بعد صاف کر لئے جائیں اور کلی کرنا کھانے
سے پہلے سنت نہیں ہے (لیکن بدون سنت سمجھے کرے تو جائز ہے۔ لعدم الدلیل
علی منعہ) اور اگر حالت جنابت میں ہو تو بدون کلی کئے کھانا مکروہ ہے۔
والظاہرات الکراہۃ تنزیہیۃ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم
لا یحب ہدیۃ وکان جنبا ان المؤمن لا ینجس۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ
الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ

بالغ کے ختنہ کا حکم | سوال: ختنہ کے واسطے جو کہ سنت ہے بستر عورت جو فرض ہے
ترک کرنا کیسا ہے؟ یعنی اگر کسی بالغ کا ختنہ نہ ہوا ہو تو کیا بلوغ کے بعد ختنہ کے لئے
ستر کھول سکتا ہے۔

الجواب

یہ قاعدہ کلیہ تو نہیں ہے مگر ختنہ کے متعلق فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بالغ کا
ختنہ کرنا اور بقدر ضرورت بدن کا دیکھنا چھونا جائز ہے البتہ ضرورت سے زائد
بے پردگی جائز نہیں۔ اس واسطے ختان کے سوا کوئی نہ دیکھے اور باقی بدن کو ختنہ
سے بھی چھپائے رہے اور ختنہ صرف سنت ہی نہیں بلکہ شعائر اسلام سے
بھی ہے۔

کتبہ الاحقر
عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح۔ وما تضمنه كلام السائل من ان الحرام لا يباح الا لأمر واجب غير مسلم فان الفطر في رمضان حرام ومع ذلك يباح لأمر جائز كسفر كذا في فتح الباری (ج ۱/ ۲۹۱) قلت ولا صل فيه ما قاله فقهاؤنا قد يفتقر ضمناً ما لا يفتقر قصداً لا شياً ص ۹۶) واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

معلم کس حد تک بچوں کو مار سکتا ہے | سوال: معلم کے لئے متعلموں کو تنبیہاً لہو و لعب سے باز رکھنے کے لئے ضرب شدید لگانا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کس حد تک اور کس طریقہ پر، اگر ناجائز ہے تو کس طریقہ پر ان کو تعلیم دی جائے۔

الجواب

فی الدر المختار: (ادعت علی زوجها ضرباً فاحشاً وثبت ذالک علیہ عزر کما لو ضرب المعلم الصبی ضرباً فاحشاً) فانه یعزرو فی رد المختار (قوله ضرباً فاحشاً) قید به لانه لیس له ان یضربها فی التادیب ضرباً فاحشاً وهو الذی یکسر العظم او یخرق الجلد او یسودہ کما فی التاترخانیة قال فی البحر و صرحوا بانہ اذا ضربها بغیر حق وجب علیہ التعزیر اه ای وان لم یکن فاحشاً (ج ۳/ ۲۹۳) (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بلا قصور مارنا تو بالکل جائز نہیں ہے اور قصور پر رقصور کی کمیت و کیفیت کا لحاظ کر کے اس کے مناسب مارنا جائز ہے لیکن اس وقت بھی (حد سے زیادہ مارنا ممنوع ہے اور حد یہ ہے کہ نہ کوئی ہڈی ٹوٹے نہ کھال اکھڑے نہ کھال سیاہ ہو پس اگر اتنا مارا کہ کھال سیاہ ہو گئی یا کھال اکھڑ گئی یا ہڈی ٹوٹ گئی تو سخت گناہ ہوا اس حالت میں خود یہ معلم سزا پانے کے قابل ہے اور قول در مختار۔ لہ اکراہ طفله علی تعلیم القرآن و ادب و علم سے معلوم ہوتا ہے کہ بے تمیزی کرنا اور سبق میں کوتاہی کرنا

(۱) شامی ایضاً۔ ایم سعید کمپنی (ج ۴/ ۷۹) افتخار

دونوں قصور ہیں جن کی وجہ سے بچوں کو سزا دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

یکم شعبان ۱۴۸ھ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ، ۵ شعبان ۱۴۸ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ

میں زید کی عمر تقریباً بیس سال ہے معروف

نصف رسولیہ ہے یعنی عضو تناسل کی نصف

ختنہ کے لئے نصف سے زائد

حشفہ کا ظاہر ہونا ضروری ہے

سیاری کھال سے پوشیدہ ہے اب اس کو ختنہ کرانا واجب ہے یا نہیں۔

کیونکہ جس وقت والدین نے بچپن میں اس کا ختنہ کرانے کا ارادہ کیا تو حجام

وغیرہ اور دیگر حضرات نے ان کو روک دیا کہ یہ رسولیہ ہے۔ اس کے ختنہ

کرانے کی ضرورت نہیں وہ رک گئے۔ اب بعض کہتے ہیں کہ اس کا ختنہ کرانا

ضروری ہے اگرچہ سالم رسولیہ ہو اور جو نصف رسولیہ ہو اس کا تو ختنہ بدرجہ

اولیٰ ضروری ہے۔

الجواب

فی العالمگیریہ (ص ۲۳ ج ۶) غلام ختن فلم تقطع المجلدة

کلہا فان قطع اکثر من النصف یکون ختانا وان کان

نصفا ودونہ فلا کذا فی خزائنة المفتین و فی

صلوة النوازل الصبی اذا لم یختن ولا یمکن ان یمد جلده

لیقطع الا لتشدید وحشفة ظاهرة فاذا آه النساء

براه کانه اختن بنظر الیه الثقات و اهل البصر من الحجامین

فان قالو هو علی خلاف ما یمکن الاختتات فانه لا یشد

علیه ویترک کذا فی الذخیرة .

اس سے معلوم ہوا کہ نصف حشفہ کا ظاہر ہونا ختنہ کے لئے کافی نہیں ہے۔

اس واسطے اس لڑکے کا ختنہ کرنا چاہیے البتہ اگر حجام یوں کہے کہ اب کھال کا

کاٹنا ممکن نہیں یا کھال کو ختنہ کے واسطے کھینچنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو تو

پھر ختمہ معاف ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ از تھانہ بھون ۱۶ صفر ۱۴۲۷ھ

جانوروں کی گردن میں گھونگروں | سوال: بیلوں یا گھوڑوں وغیرہ کی گردن میں گھونگرو
وغیرہ ڈالنے کا حکم | یا مالی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب

اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے حدیث فہی عن المجرس کو ظاہر پر رکھ کر مطلقاً منع فرمایا ہے اور احتیاط اسی میں ہے اور بعض نے نہی کو حالت غزوہ کے ساتھ مخصوص قرار دے کر دوسرے حالات میں اس کی اجازت دی ہے اور حجازہ حدی سے اس کی تائید کی ہے اور اس پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

نطفہ احمد عفی عنہ

واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون ۲، محرم ۱۴۲۸ھ

علم نجوم، نیز چھوٹے نجومی و حکیم اور فرضی عامل | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس
اور ان کی آمدنی کلی مختلف صورتیں اور ان کا حکم | مسئلہ میں کہ ایک شخص فرضی نجومی، فرضی

حکیم و فرضی عامل و بزرگ بن کر لوگوں کو گزشتہ و آئندہ کے حالات بتاتا ہے۔ فرضی دوائی دیتا ہے اور تکلیف، گردش، جادو بیماری وغیرہ کے رفع کرنے کی فرضی ترکیب بتا کر فرضی تعویذ دیتا ہے اور ان سب کاموں کے بدلے لوگوں سے رقم وصول کرتا ہے اس کی آمدنی حلال ہے یا حرام یہ دھوکہ ہے یا نہیں؟

(۲) اس کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔ یہ حق العباد ہے یا حق اللہ اگر حق العباد ہے تو اس کا ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں۔

(۳) اب وہ اس کام سے توبہ کرتا ہے۔ کوئی دوسرا کام وہ نہیں جانتا۔ اسی پرانی آمدنی کا مال اس کے پاس ہے۔ اگر اس روپے سے وہ کوئی تجارت کرے تو آئندہ آمدنی حلال متصور ہوگی یا نہیں۔ اگر سب روپیہ وہ ادائیگی حق العباد میں دے دے تب بھی تو ساری عمر کے کمائے ہوئے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ نیز وہ خالی ہاتھ ہو جائے گا اور بال بچوں کی پرورش کا بندوبست وہ کسی طرح نہیں کر سکتا۔ اس کی کیا شرعی صورت ہو سکتی ہے کہ گزارہ اور بچوں کی پرورش بھی ہوتی رہے اور حق العباد

بھی ادا ہوتا جائے۔ ایسی آمدنی سے صدقہ خیرات کرنا کیسا ہے۔
(۴) اور جو شخص فن نجوم جانتا ہے اس سے لوگوں کو غیب کی باتیں بتانا ہو اس کا کیا حکم ہے۔ اس کی آمدنی کیسی ہے۔

الجواب

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث هن سحت حلوات
الكاهن ومهر الزانية. الحديث: پس اس شخص کی آمدنی حرام ہے
اور دھوکہ ہے۔

(۲) زکوٰۃ واجب نہیں۔ بلکہ یہ حق العباد ہے جس کا واپس کرنا واجب ہے۔
(۳) توبہ کا طریق یہ ہے کہ جن لوگوں سے یہ رقم لی ہے ان کو ادا کرے یا ان سے
معاف کرائے اگر کسی کا پتہ نہ لگے تو اس کی طرف سے خیرات کرے اگر یہ بھی معلوم
نہ ہو کہ کس کی رقم کتنی ہے تو اپنی پوری کمائی کا اندازہ کر کے اس کے برابر رقم خیرات
کرے اور کہتا رہے کہ جس کا جتنا حق ہو اس کو اس کا ثواب اس کے حق کے برابر
پہنچا دیا جائے۔ اگر ایک دم کل رقم خیرات نہ کر سکے تو جتنی گنجائش ہوتی جائے
ادا کرتے رہے۔

اور اس رقم سے تجارت کرنا اس صوت میں جائز ہے جبکہ کسی اور صورت سے
بال بچوں کی پرورش نہ کر سکے اگر ملازمت یا مزدوری سے بال بچوں کی پرورش
کر سکے تو یہ کل رقم خیرات کر دے اور ملازمت یا مزدوری سے گھر کا کام چلائے اور
اگر کوئی صورت میسر نہ ہو تو اس آمدنی سے تجارت کر سکتا ہے اور اس کے منافع
سے ضروری خرچ نکال کر بقیہ کو خیرات کرتا رہے۔ یہاں تک کہ دل گواہی دے دے
کہ حق العباد ادا ہو گیا ہو گا۔ اگر یہ شخص اس طرح ادائیگی میں لگ گیا اور حق العباد
پورا کرنے سے پہلے مر گیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی توبہ کو کامل
کر دیں گے اور اہل حقوق کے حقوق ادا فرمادیں گے۔

(۴) جو شخص فن نجوم جانتا ہو اس کا بھی اس رقم کی بابت وہی حکم ہے جو ۳ میں
مذکور ہوا بس اس شخص کو دھوکہ دہی کا گناہ نہ ہو گا مگر فن نجوم سے کام لینے کا
گناہ ہو گا اور اس کی آمدنی بھی حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

قال ابن القيم في زاد المعاد وهذا يثبتني على قاعدة عظيمة
من قواعد الاسلام وهي ان من قبض ماله ليس له قبضة شرعاً
ثم اراد التخلص منه فان المقبوض قد اخذ بغير رضا صاحبه
ولا استوفى عوضه رده عليه فان تعذر قضى به ديناً يعلمه
عليه فان تعذر رده على ورثته وان كان المقبوض برضا
صاحبه وقد استوفى عوضه المحرم فلا يجوز ان يجمع
له بين العوض (المعوض ص ۴۳۴) قلت وههنا لم يستوف الدافع
عوضه فعلى القابض رد ما قبضه الى الدافع بالطريق الذمى
مردكرها. والله اعلم

ظفر احمد عفا عنه

۸ رجب ۱۲۵۵ھ

نابالغ کے مال میں اس کے | سوال : ہمارے چچا مرحوم کی نابالغ اولاد ہے چچی کا خیال
لئے تجارت کا حکم ہے کہ مرحوم کا ترکہ جو بچوں کے حصے میں ہے وہ تجارت میں
لگا دیا جائے اس کے متعلق ارشاد ہو کہ یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

اگر مرحوم نے کسی کو وصی بنایا تھا یعنی اپنے ترکہ کے متعلق کسی قسم کی بھی وصیت
کا نفاذ کسی کے سپرد کیا تھا تب تو اس وصی کو اختیار ہے کہ ان بچوں کا مال تجارت
میں لگا دے گو مرحوم نے اس وصیت میں تجارت میں لگانے کی صراحت اجازت
بھی نہ دی ہو بشرطیکہ صراحتاً منع نہ کیا ہو۔

فی فتاویٰ قاضی خان مریض قال لغيره اقضى ديوني يصير
وصياً في قول ابى حنيفة لان قضا والدين من اعمال الوصية
والوصايا لا يقبل التخصيص اذا كان من الملية وقال محمد
لا يصير وصياً بهذا القدر ما لم يقل اقضى ديوني والنفذ
وصاى. (ج ۲/۴۳۴) وفي الصفحة الآتية منه قال الشيخ
الامام ابو بكر محمد بن الفضل اذا جعل الرجل رجلاً
وصياً على ابنة وجعل رجلاً آخر وصياً على ابنة او جعل احدهما

وصیائی مالہ الماحضر وجعل رجلاً آخر وصیاً فی مالہ الغائب فان کان فی شرط ان لا یكون کل واحد منهما وصیاً فی ما اوصی الی الآخر یكون الأمر علی ما شرط عند الكل وان لم یکن شرط ذالک فنحن ذیكون المسئلة علی الاختلاف والفتویٰ علی قول ابی حنیفة وفیه ایضاً ذکر شمس الأئمة الحلوانی فی شرح الأدب القاضی اذا نصب القاضی وصیاً فی ذالک النوع خاصة بخلاف الوصی الأب له کان وصی القاضی بمنزلة وصی الأب، اذا جعله القاضی وصیاً ما فی الانواع کلها فان جعله وصیاً فی نوع واحد کان وصیاً فی ذالک النوع خاصة بخلاف وصی الأب فانه لا یقبل التخصیص اذا وصی الی رجل فی نوع کان وصیاً فی الانواع کلها (ج: ۴/ ۴۳۷)

اور اگر مرحوم نے بالکل ہی وصی نہ بنایا تھا تو تجارت میں مال لگانا بدون اذن قاضی جائز نہیں اور حج مجسٹریٹ وغیرہ کوئی اگر مسلمان حاکم علاقہ ہو اور گورنمنٹ کی طرف سے اسے ایسے امور کا اختیار بھی ہو تو وہ قاضی کے قائم مقام ہے اور اس کی اجازت سے یتیم کا مال تجارت میں لگانا جائز ہے۔ وھذا کله ظاہر۔

کتبہ الاحقر
عبدالکریم عفی عنہ
۲۲ رجب ۱۳۵۳ھ



الفرار عن الطاعون رای الاثم بالقرار فی الطاعون

سوال : ایک بہت ہی ضروری مسئلہ جس میں حضرت والا کی تحقیق سے مستفیض ہونے کی بہت ضرورت ہے اس لحاظ سے بھی اس مسئلہ کی تحقیق ضروری ہے کہ طاعون میں جو پریشانیاں ہوتی ہیں وہ حضرت والا پر روشن ہیں سب کے دل حضرت ابو عبیدہؓ کے دل کی طرح نہیں ہوتے باوجود علماء کی روک تھام کے ہزار میں ایک دو کا بھی فرار عن الطاعون سے بچنا مشکل ہے۔ اس عموم بلوی میں اس امت مرحومہ کی دستگیری آپ جیسے حضرات کے لئے ضروری ہو جاتی ہے۔ اس لئے نہایت عاجزی سے عرض پرداز ہوں کہ میں نے بہت ساری کتابوں کو خاص اس مسئلہ کے لئے دیکھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مثل اور مسائل کے فرار عن الطاعون کا مسئلہ بھی قدیم سے مختلف فیہ ہے۔

امام نووی نے شرح مسلم میں اس اختلاف کو تفصیل سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ امہات المؤمنین اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرامؓ فرار عن الطاعون کو ناجائز فرماتے ہیں۔ اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں جو مشہور ہیں مثلاً امام احمد کی روایت جو مشکوٰۃ شریف میں مرفوعاً مروی ہے۔ للفرار من الطاعون کالفرار من الرجف۔

امام نووی جو شافعی المسلک ہیں اس کے بعد کہتے ہیں کہ ہذا مذہبنا و مذہب الجمرہ و یہاں جمہور سے مراد حنفیوں کے سوا اس لئے کہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ومنہم من جاز القدوم علیہ و الخروج عنه فراراً قال وروی هذا عن عمرو بن الخطاب و عن ابی موسیٰ الاشعری و المسروق و الاسود بن ہلال انہم

ع یعنی الاثم تشبیہاً بہ فی التفیت والتشتیت

فَرَّوْا مِنَ الطَّاعُونَ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ فَرَّوْا عَنْ هَذَا الرَّجُلِ
فِي الشَّعَابِ وَالْأَدْوِيَةِ وَدُوسِ الْجَبَالِ مُلْخَصًا۔

اور امام طحاوی اور ابن عساکر و سفیان ابن عیینہ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے کہ جب شام
میں طاعون شروع ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ
سپہ سالار شام کو بایں مضمون فرمان لکھا۔

اِذَا تَاكَ كِتَابِي هَذَا فَاِنِّي اَعِزُّكَ عَلَيَّكَ اِنْ اَتَاكَ مُصْبِحًا
لَا تَمْسِي حَتَّى تَرْكَبَ وَاِنْ اَتَاكَ مُمْسِيًا لَا تَصْبِحْ حَتَّى تَرْكَبَ اِلَيَّ
فَقَدْ عَرَضْتُ لِي اِلَيْكَ حَاجَةٌ لَا غِنَاءُ عَنْكَ فِيهَا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمان پڑھ کر فرمایا کہ امیر المؤمنین چاہتے ہیں کہ جو
باقی رہنے والا نہیں اس کو باقی رکھیں۔ اس فرمان کا یہ جواب لکھا کہ ”مسلمانوں کو
چھوڑ کر میں ہٹ نہیں سکتا وہ مجھ کو معلوم ہے۔ جب یہ جواب پہنچا تو حضرت عمر
رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے کہا ابو عبیدہؓ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا نہیں
پھر یہ فرمان لکھا کہ اِنَّا لَارِدُنْ اَرْضَ عَمَقَةَ وَاِنَّا لَجَابِيَةُ اَرْضِ نَزْهَةَ
فَاَنْهَضُ بِالْمُسْلِمِينَ اِلَى الْجَابِيَةِ۔ اس فرمان کی تعمیل شروع کی تھی اسی اثناء
میں مبتلا طاعون ہو کر انتقال فرمایا۔

امام طحاوی جو حنفی ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں۔

فَهَذَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ قَدْ أَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَخْرُجُوا
مِنَ الطَّاعُونَ وَوَأَفَقَهُ عَلَى ذَلِكَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اس عبارت کے ملاحظہ سے ظاہر ہو گا کہ امام طحاوی اس سے
اجماع صحابہ کو ثابت کر رہے ہیں۔

اس کے بعد امام طحاوی لکھتے ہیں۔

وَرَوَى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عے مگر ان میں حنفیہ کا نام کہیں بھی نہیں ۱۲

ما یوافق ما ذهب الیه من ذالک۔ امام طحاوی کی اس تحقیق سے معلوم ہوا
فرار عن الطاعون کا جواز حنفی مذہب میں ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی
روایت کے سوا فرار عن الطاعون کے جواز میں حنفی علماء ابوداؤد شریف کی ان دو
روایتوں کو تائید میں پیش کرتے ہیں۔

عن النبیؐ قال قال رجل یا رسول اللہ انا کنا فی دار کثیر
فیہا عددنا و اموالنا فتحولنا الی دار قل فیہا عدونا و اموالنا
فقال صلی اللہ علیہ وسلم ذروہا ذميمة۔

اور ابوداؤد شریف کی روایت میں یحییٰ بن عبداللہ سے مروی ہے۔ کسی
نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے پاس و بانی زمین ہے۔ فقال دعہا عنک۔
اس کے متعلق روایات حنفیہ حسب ذیل ہیں۔ درمختار کے مسائل شتی میں ہے۔
اذا خرج من بلدة بها الطاعون فان علم ان كل شيء
بقدر الله تعالى فلا بأس بان يخرج ويدخل وان كان
عنده لو خرج نجى ولو دخل ابتلى به كره له ذلك فلا
يدخل ولا يخرج صيانة لا اعتقاده وعليه حمل النبي في الحديث
الشریف لمجمع الفتاویٰ انتھی۔

اور اشباہ والنظائر میں لکھا ہے :

وفي البرازية اذا تزلزلت الارض وهو في بيته يستحب
الفرار الى الصحراء لقوله تعالى ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة
وفيه قيل الفرار مما لا يطاق من سنن المرسلين۔

برازیرہ کی یہ عبارت نقل کر کے اشباہ والنظائر میں ہے۔ فیفید جواز
الفرار من الطاعون اذا نزل ببلدة۔ جب فرار عن الطاعون کا جواز
حنفی مذہب میں ہے اور اس کی صاف اور صریح روایات موجود ہیں تو کم از کم
حنفیوں کو فرار عن الطاعون کا فتویٰ دینا چاہئے تاکہ مسلمانوں کے جم غفیر کو
پریشانی سے نجات ملے۔ اس سلسلے میں حضرت والا کی تحقیق و رائے مبارک کے
سننے کے منتظر ہیں۔

(ف) یہ مفروضہ بھی قابل لحاظ ہے کہ فقہی روایات اور اکثر آثار مطلق ہیں۔ جو فناء شہر اور دوسری بستی میں جانے کو شامل ہیں اور بعض آثار سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ابو عبیدہؓ کو شام سے مدینہ منورہ کو بلانا اور فوجوں کو اردن سے جابیہ منتقل کرنے کے لئے حکم فرمایا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرار عن الطاعون کے بعد خواہ فناء شہر میں ٹھہرے یا دوسری بستی میں ٹھہرے یہ دونوں جائز ہے۔ فقط

ابو الحسنات سید عبداللہ کان اللہ لہ۔

الجواب

اولاً چند مقدمات ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

- (۱) حفاظت اعتقاد سب سے ضروری ہے۔
- (۲) اہل اسلام میں خصوصاً اہل سنت و جماعت میں کوئی فریق خدا کے سوا کسی شئی کو موثر بالذات نہیں کہتا۔
- (۳) عدوی کے متعلق جو علماء میں اختلاف ہے تو باوجود اختلاف کے اس پر ہر سب متفق ہیں کہ طبعاً و لزوماً کوئی مرض متعدی نہیں۔ لزوم تعدیہ کے قائل اہل جاہلیت تھے۔ جیسا کہ آج کل اہل سائنس ہیں۔
- (۴) اگر کوئی مباح مفضی الی المعصیۃ ہو جائے تو حرام ہو جائے گا۔
- (۵) اختلاف سے بہت کم مسائل خالی ہیں۔ دیکھنا یہ ضروری ہے کہ اہل اختلاف میں ہر ایک کے پاس دلیل قوی ہے یا کسی کی دلیل ضعیف ہیں۔ اگر کسی کی دلیل ضعیف ہیں ہو تو اس کو اختیار کرنا جائز نہیں۔
- (۶) نص قوی مرفوع افعال صحابہؓ سے مقدم ہے۔ افعال صحابہؓ اگر نص مرفوع کے خلاف ہوں تو خود افعال صحابہؓ میں تاویل کی جائے گی۔ نص میں تاویل نہ کی جائے گی۔

وهذا اذا كان المخالف غير من روى الحديث فان كان المخالف هو الراوى فمذهبان مخالفة عمل الراوى له رويه جرح فيه فتنبه۔

اس کے بعد معروض ہے کہ سائل نے مذہب حنفی کی تدبیر سے کام نہیں لیا، مذہب حنفی اس مسئلہ میں یہ ہے کہ دخول و خروج من الطاعون اس شخص کے لئے جائز ہے جس کے نزدیک دخول و خروج دونوں بدرجہ مساوی ہوں اور اگر موضع طاعون میں دخول کو مضرا و خروج کو نافع سمجھتا ہو تو ایسے شخص کے لئے مذہب حنفی میں خروج من مقام الطاعون و دخول فی موضع من خارج کی اجازت نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ الا
لحاجة شديدة لا بد منها فان الحرج مدفوع بالنقص۔

سائل نے عبارت طحاوی سے مذہب طحاوی کے سمجھنے میں عجلت سے کام لیا کہ ان کی پوری عبارت نہیں دیکھی بلکہ درمیان ہی سے ان کا مذہب اخذ کر لیا۔ امام طحاوی نے اس مسئلہ میں دو جماعتوں کے اقوال نقل کئے ہیں اولاً مجوز بن فرار کے اور ان کی عادت یہ ہے کہ اول اپنے مخالفین کا قول مع دلائل کے نقل کیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنا قول مع دلائل کے بیان کرتے ہیں۔ لیکن الآخر ناسخ الاول۔ چنانچہ جو عبارت سائل نے طحاوی سے نقل کی ہے، یہ طائفہ اولیٰ مخالفہ کا قول ہے۔

ونصه قالوا عمر رضي الله عنه قد امر الناس ان يخرجوا من الطاعون ووافقهم على ذلك اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ

یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ یہ قول طحاوی خود نہیں بلکہ دوسروں کا ہے۔ امام طحاوی نے اپنا قول اس کے بعد ص ۳۳ ج ۲ پر بعد ذکر خلاصۃ قول جماعۃ الاولیٰ بلفظ قالوا فقد امر رسول الله صلى الله عليه وسلم في هذه الاشارات لا يقدم على الطاعون وذلك للخوف منه اھو کے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قيل لهم ما في هذا دليل على ما ذكرتم لانه لو كان امره بترك القدوم للخوف منه لكان يطلق لاهل الموضع الذي وقع الطاعون فيه ايضاً الخروج منه لان الخوف عليهم منه كالخوف على غيرهم فلما منع اهل الموضع الذي وقع

فیه الطاعون من الخروج منه ثبت ان المعنى الذى من اجله
منعهم من القدوم غير المعنى الذى ذهبتم اليه . فان قال
قائل فما معنى ذلك المعنى قيل له هو عندنا والله اعلم على ان
لا يقدم عليه رجل فيصيبه بشقدير الله عز وجل عليه ان
يصيبه فيقول لو لا اني قد مت هذه الارض ما اصابني هذا الوجع
ولعله لو اقام في الموضع الذى خرج منه لاصابه فامر ان لا
يقدمها خوفاً من هذا القول وكذلك امر ان لا يخرج
من الارض التى نزل بهالئلا يسلم فيقول لو اقممت في
تلك الارض لاصابني ما اصاب اهلها ولعله لو كان اقام بها
ما اصاب به من ذلك شئ فامر بترك القدوم على الطاعون
للمعنى الذى وصفنا وبتترك الخروج عنه للمعنى الذى ذكرناه
یہ ہے طحاوی کا مذہب جو بعینہ درمختار میں مذکور ہے اور اس میں یہ بات
قابل تنبیہ ہے کہ فان علم ان کل شئ بقدر الله تعالى سے محسوس
اعتقاد تقدیر مراد نہیں بلکہ غلبہ استحضار اعتقاد مراد ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے
کہ نفی علم بالقدر سے نہیں کیا گیا بلکہ ان کا عندہ انہ لو خرج نجس ولو
دخل ابتلی به۔ سے کیا گیا ہے جو اعتقاد تقدیر کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے
کمالا یخفی پس لازم ہے کہ اس کے مقابل میں علم بالقدر سے وہ درجہ مراد ہو جو
اس درجہ سے اعلیٰ ہو۔ وهو ما قلنا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک قدوم و خروج من الطاعون کی اجازت صرف
ان لوگوں کو ہے جن کے نزدیک موضع طاعون میں رہنا اور نہ رہنا مساوی ہو۔ خروج
کو نافع و منجی اور قیام کو مضر و مہلک نہ سمجھتا ہوا اور اس کا نام فرار نہیں۔ پس یوں
کہنا چاہئے کہ حنفیہ فرار کی اجازت نہیں دیتے بلکہ صرف راسخ الاعتقاد کو دخول و
خروج کی اجازت دیتے ہیں اور جب یہ ہے تو بتلائیں کہ ان لوگوں کا فرار حنفیہ کے
ز نزدیک کیونکر جائز ہو سکتا ہے جن کی پریشانی کا ذکر خود سوال میں ہے کہ باوجود علماء کی
روک تھام کے ہزار میں سے ایک دو کا بھی فرار عن الطاعون سے بچنا دشوار ہے کیونکہ

یہ لوگ یقیناً فرار کو نافع و منجی اور قیام کو مضر و مہلک سمجھتے ہیں اور ایسی حالت میں یقیناً حنفیہ فرار کو حرام کہیں گے بلکہ جن صحابہ نے فرار کو جائز کہا ہے وہ بھی اس اعتقاد کے ساتھ فرار کو منع کرتے ہیں۔ چنانچہ سائل نے ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام مجوزین فرار میں نووی سے نقل کیا ہے۔ ان کا قول طحاوی میں بسند صحیح اس طرح مذکور ہے۔

ان هذا الطاعون قد وقع يا هلي فمن شاء منكم ان يتنزه قليت نزه واخذروا اثنتين ان يقول قائل خرج خارج فسلم وجلس جالس فاصيب لو كنت خرجت لسلمت كما سلم آل فلان او لو كنت جلست لاصيت كما اصاب آل فلان (ج ۲ ص ۳۷۶)

اب غور کیجئے کہ آج کل معدودے چند اقرباء کے کون ایسا ہے جو فرار من الطاعون میں اس امر سے بچ سکے جس سے ابو موسیٰ اشعریؓ منع فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ فرار کو نافع و منجی اور قیام کو مضر و مہلک سمجھنے کے ساتھ مجوزین فرار بھی اس سے منع کرتے ہیں۔ یعنی جبکہ فرار کو نافع اور قیام کو مضر درجہ لزوم میں سمجھے اور آج کل عموماً لوگوں کا یہی خیال ہے کیونکہ ڈاکٹروں اور سائنس دانوں نے تعدیہ طاعون بدرجہ لزوم کا اعتقاد عام طور پر لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے اور یہ اعتقاد باطل ہے۔

بحدیث لا عددی ولا طیرہ وهو حدیث صحیح من روایۃ یزید بن السائب والنس ابن مالک اخرجہ مسلم عنہما وروایۃ ابی ہریرۃ اخرجہ مسلم ایضاً ولكن اختلف فيه عليه كذا في العزیزی (ج ۳ ص ۴۳۹) والطحاوی (ج ۲ ص ۳۷۵)

رہا اشباہ والنظائر کا عبارت بزار یہ ہے ”فیفید جواز القرار من الطاعون“ لکھنا اول تو یہ کوئی روایت صاحب مذہب سے نہیں بلکہ محض استنباط ہے اور استنباط اشباہ کے ہم مقلد نہیں جبکہ مذہب کے خلاف ہو۔ ”والمذہب فی الطاعون ما ذکرہ الطحاوی ومثله فی الدر“ اور ظاہر یہ ہے کہ صاحب اشباہ کی مراد فرار سے فرار مقید بالقیء الذی ذکرہ فی الدر والطحاوی ہے، کیونکہ فرار مطلق تو کسی

کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ صاحب اشباہ کے کلام میں مطلق کا مراد لینا صحیح نہیں۔
 رہا حضرت عمرؓ کا واقعہ تو طحاوی نے دو واقعے بیان کئے ہیں۔ ایک سرخ سے دایس
 لوٹ جانے کا اس میں تو فرار من الطاعون ہرگز نہ تھا کیونکہ طاعون شام میں تھا سرخ میں
 نہ تھا۔ یہاں سے رجوع کو امتناع من الدخول علی موضع الطاعون کہہ سکتے ہیں۔ فرار یا خروج
 من موضع الطاعون نہیں کہہ سکتے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا سرخ سے رجوع
 حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی اس حدیث کے سننے کے بعد ہوا۔

قال ان عندی من هذا علما فی سمعت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم یقول اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ
 واذا وقع بارض وانتم بہا فلا تخرجوا فراراً منه قال
 فحمد اللہ عمر وانصرف (ج ۲/۵، ۳) و سند صحیح۔

اگر حضرت عمرؓ کا یہ رجوع خروج من موضع الطاعون تھا تو یہ تو حدیث کے خلاف
 ہوتا اور پھر حمد کے ساتھ انصراف کے کیا معنی بلکہ یقیناً قدم علی الطاعون سے
 امتناع تھا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو اردن سے جابیہ کی طرف منتقل
 ہونے کا امر کیا تھا اور بظاہر یہ واقعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی حدیث معلوم کر لینے
 کے بعد حضرت عمرؓ سے صادر ہوا کیونکہ ظہور حدیث کے وقت حضرت ابو عبیدہؓ
 حیات تھے اور حضرت عمرؓ شام کی طرف جارہے تھے اور اس وقت حضرت ابو عبیدہؓ
 سے حضرت عمرؓ کی گفتگو زبانی ہوئی تھی اور اس دوسرے واقعہ میں حضرت عمرؓ نے خط
 لکھا ہے اور خط کی تعمیل سے پہلے حضرت ابو عبیدہؓ مطعون ہو کر شہید ہو گئے کما ذکرہ
 الطحاوی بسند حسن (ج ۲/۶، ۳)

پس یقیناً یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوفؓ کی حدیث
 کو سن کر پھر بھی اس کے خلاف حکم دیا۔ پس لازم ہے کہ اس واقعہ کی تاویل اس حدیث
 کے خلاف نہ کی جائے۔ اور اس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) ممکن ہے حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی ہو کہ اردن میں طاعون شروع ہو گیا ہے
 اور شکر شہر سے فاصلہ پر تھا خود شکر میں طاعون نہ آیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے شکر

کے وہاں سے منتقل کرنے کا حکم دیا اور یہ فرار یا خروج من موضع الطاعون نہیں۔
 (۲) ممکن ہے حضرت عمرؓ نے حدیث میں اذا کنتم بارض سے بلد یا قریہ غرض ارض
 عمرانؓ "مراد لی ہو وھو الظاہر اور شکر شہر سے باہر جنگل میں رہتا ہے اور جنگل میں
 اگر طاعون شروع ہو جائے تو جنگل کے آدمیوں کو وہاں سے منتقل ہو جانا جائز ہے۔
 کیونکہ جنگل میں علاج معالجہ تیمار داری وغیرہ کا انتظام دشوار ہوتا ہے۔ نیز جنگل والوں
 کا قیام کسی جگہ مستقل نہیں ہوتا۔ ان کے خروج کو فرار نہیں کہہ سکتے بلکہ انتقال من
 موضع الی موضع کہا جائے گا۔ فرار یہ ہے کہ انسان اپنے مستقر سے بلا وجہ چلا جائے۔
 رہا یہ کہ فقہی روایات اور آثار مطلق ہیں جو فناء شہر کو بھی شامل ہیں الخ اس
 میں کلام ہے اس لئے کہ احادیث وفقہ میں ارض و بلد کا لفظ وارد ہے۔ اب اگر
 اس سے گھر مراد ہے تو چاہئے کہ طاعون کے زمانہ میں گھر سے باہر نکلنا بھی جائز نہ
 ہو۔ اور اس کا کوئی قائل نہیں بلکہ ارض و بلد سے مراد وہ جائے آبادی ہے جہاں
 طاعون آیا ہے اور ملحقات آبادی کو فقہاء کرام نے بہت سے احکام میں اس
 آبادی کے حکم میں سمجھا ہے کجواز الجمعۃ فی فناء المصر و کذا
 العیدین و نحو ہما۔ پس اگر کوئی یوں کہے کہ فناء بلد اسی کے حکم میں ہے
 اس لئے فناء میں نکل آنا خروج من ارض الطاعون یا فرار من بلد الطاعون نہیں
 تو یہ قول فقہ سے بعید نہیں۔

رہا یہ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو شام سے مدینہ بلایا تھا۔ الخ۔ سو
 اس واقعہ کا جو محل ہے جس کو ہم اوپر کچھ چکے ہیں۔ اس کے مصداق کو ہندوستان
 سے مکہ بھی چلے جانے کی اجازت ہے مثلاً علاقہ حیدر آباد میں طاعون شروع ہوا۔
 مگر سائل کے شہر یا قصبہ میں ابھی تک نہیں آیا تو سائل کو جائز ہے کہ وہ اسی وقت
 علاقہ حیدر آباد کو چھوڑ کر مکہ یا مدینہ چلا جائے کیونکہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ
 کو ہمارے نزدیک ایسی ہی حالت میں بلایا تھا جبکہ ان کو صرف علاقہ میں ظہور طاعون
 کی خبر ملی تھی خود معسکر میں دخول طاعون کی خبر نہ ہوئی تھی ورنہ وہ حضرت عبدالرحمن
 بن عوفؓ کی حدیث کے خلاف ہرگز نہ کرتے۔ ومن اوعی غیر ذالک فلیأت
 ببرہان۔ یا اگر شکر میں دخول طاعون کی اطلاع بھی مل گئی تھی تو شکر مغازہ و

صحرا میں مقیم ہو گا اور اہل صحرا کو جو قریب اور بلد کے اندر مقیم نہ ہوں انتقال و ارتحال جائز ہے
لما ذکرناہ مفصلاً کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرار من الطاعون کو ہرگز جائز نہ سمجھتے
تھے۔ کما روی الطحاوی، حد ثنا ابن ابی داؤد ثنا علی بن عباس الحمصی
ثنا شعیب بن ابی حمزہ عن زید بن اسلم عن ابیہ قال قال عمر بن
الخطاب اللہم ان الناس یخلون ثلاث خصال وانا ابرأ الیک
منہن زعموا انی فررت من الطاعون وانا ابرأ الیک من ذالک
الحدیث۔ (ج ۲ ص ۳۸۰)

یہ تو تفصیلی جواب تھا اور اجمالی جواب مقدمات مذکورہ کی روشنی میں یہ ہے کہ:
(۱) ساری پریشانیوں کے انتظام سے مقدم حفاظت اعتقاد ہے اور فرار
من الطاعون کے جائز کرنے میں حفاظت اعتقاد فوت ہوتی ہے لوگ طاعون کو
متعدی اور مؤثر بالذات سمجھ لیں گے اور شریعت اس اعتقاد کا ابطال چاہتی ہے
اور حضرات صحابہؓ نے جن کو فرار کی اجازت دی ہے ان پر ان کو اعتماد تھا کہ وہ ماہم
بضارین بہ من احدا لا باذن اللہ پر جے ہوئے ہیں اور حقیقت ایسے
راسخ الاعتقاد صحیح الیقین کو ہم بھی اجازت دیتے ہیں کما قالہ الحنفیۃ لیکن
دوسرے صحابہؓ نے سد الذریعہ ایسے اقویاء کے لئے بھی خروج من الطاعون کو گوارا
نہیں کیا اور یہ سمجھا کہ گو یہ اس وقت راسخ الاعتقاد ہیں مگر فرار و خروج کے بعد ممکن ہے
کہ ایسے واقعات رونما ہوں جن سے اعتقاد متزلزل ہو جائیں اور زمانہ موجودہ کے
مسلمانوں کا راسخ اعتقاد جیسا ہے معلوم ہے۔ ان کے لئے جواز فرار کی گنجائش کسی قول
پر نہیں معلوم ہوتی اور ابوداؤد کی حدیثوں سے استنباط صحیح نہیں کیونکہ ان کا مطلب
تو یہ ہے کہ جو جگہ آب و ہوا کے لحاظ سے خراب ہو اس کو چھوڑ دو یعنی اس کے بجائے
دوسری جگہ کو وطن بنا لو۔ یہ مطلب نہیں کہ بیماری کے زمانہ میں بھاگ جایا کر اس کے
بعد پھر واپس آ رہا کرو پس ان محل تداوی و تدبیر بتبدیل وطن ہے اس کو فرار
سے کچھ مس نہیں۔ خصوصاً فرار عن الطاعون سے کیونکہ طاعون کا منشاء شارع کے
نزدیک خرابی آب و ہوا نہیں بلکہ و خزانہ جن ہے۔ کما صرح بہ غیر ما حدیث۔
علاوہ ازیں جبکہ فرار عن الطاعون میں نہی صریح بلفظ خاص وارد ہے تو عموماً

احادیث اخروی سے اس کا معارضہ کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ فان الخاص قاص
على العام والمفسر على المجمل فافهم۔

علاوہ انہیں فرار اغنیاء کے بعد غرباء کی جو فرار پر قادر نہیں ہوتے شہر میں جیسی
بری گت بنتی ہے اس کو اسلام کیوں کر گوارہ کر سکتا ہے بلکہ بعض ظالم تو اپنی اولاد
واقرباء کو بھی بتلائے طاعون دیکھ کر ان کو چھوڑ کر شہر سے بھاگ گئے اور دوسروں نے
ان کی تجہیز و تکفین کی۔ پس مقدمہ (۲ و ۳ و ۴) کی بناء پر بھی فرار من الطاعون جائز
نہیں کیونکہ یہ مفسی الی ضعف الاعتقاد و ارتکاب المعاصی کترک التماسد بالمسلمین
و اختیار التقاطع بالاقربین ہے اور بنا بر مقدمہ (۵) عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ
میں جو اختلاف ہے۔ وہ محض نزاع لفظی ہے۔ حنفیہ نے ان کے اقوال میں تاویل
کر کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ راسخ الاعتقاد کو جس کے نزدیک فرار و قرار بدرجہ مساوی ہے
دخول و خروج جائز ہے اور ضعیف الاعتقاد کو یا جس پر خروج سے ضعف اعتقاد کا
اندیشہ ہو جائز نہیں۔ اگر کوئی اس کو خلاف حقیقت سمجھے تو ہم کہیں گے کہ مجوزین
فرار کے پاس کوئی دلیل نہیں ان کے استدلالات سب ضعیف ہیں۔ چنانچہ طحاوی
نے سب کا جواب نہایت خوبی سے دے دیا ہے اور مانعین فرار کے پاس ایک تو
حدیث مرفوع جابرؓ کی ہے۔ الفار من الطاعون کالفار من الزحف،
ذکرہ الحافظ فی الفتح وحسنہ اخرجہ و عبد بن حمید۔

دوسری حدیث عبد الرحمن بن عوفؓ کی مرفوع ہے جس کو طحاوی نے حضرت سعد بن
ابی وقاص و اسامہ بن زید و عکرمہ بن خالد مخزومی رضی اللہ عنہم سے بطرق عدیدہ روایت
کیا ہے اور یہ دونوں حدیثیں قولی مرفوع ہیں جن میں سے ایک میں مقام طاعون سے
خروج کو منع کیا گیا ہے۔ دوسری میں اس کو فرار من الزحف کے مثل کہا گیا ہے جو اکبر
الکبائر ہے۔ ایسی حالت میں اس حدیث سے بالکل قطع نظر کر لینا اور محض لفظ
اختلاف کو کتابوں میں دیکھ کر جواز کی گنجائش نکال لینا مؤمن خائف کا کام نہیں، بلکہ
لازم ہے کہ مجوزین کے قول کو یا اس پر محمول کیا جائے کہ ان کو احادیث نہیں پہنچیں، یا
انہوں نے راسخ الاعتقاد لوگوں کو اجازت دی تھی۔

امید ہے کہ اس تحریر سے سب اشکالات حل ہو گئے ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ

اعلم وعلما تم واحکم۔

حرره الاحقر

ظفر احمد عفا عنه از خالقہ امدادیہ

۶ رمضان ۱۳۴۶ھ

تمتہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مسائل طاعون کے متعلق ایک مبسوط تقریر فتح الباری میں درج فرمائی ہے جو غایت درجہ مفید و مستحسن ہے۔ اس کا خلاصہ اس مقام پر نقل کرتا ہوں۔

تحقیق معنی الطاعون واسبابہ

قال المحافظ في الفتح وقال جماعة من الاطباء منهم ابو علي سينا الطاعون مادة سمية تحدث ورمًا قتالًا، يحدث في المواضع الرخوة والمقايين من البدن وأغلب ما تكون تحت الأبط وخلف الأذن أو عند الأرنبة قال وسببه دم روى ماثل إلى العفونة والفساد وليستحيل إلى جوهر سمى يفسد العضو ويغير ما يليه ويؤدي إلى القلب كيفية رديّة فيحدث القيء والغشيان والغشي والخفقان وهولر داءته لا يقبل من الاعضاء الا ما كان اضعف بالطبع، أروءة ما يقع في الاعضاء الرئيسية والاسود منه قل من يسلم فيه واسلمه الاحمر ثم الاصغر والطور عين تكثر عند الوباء في البلاد الوئبة ومن ثم اطلق على الطاعون وباء واما الوباء فهو فساد جوهر الهواء الذي هو مادة الروح ومدده۔

قلت فهذا ما بلغنا من كلام اهل اللغة واهل الفقه والاطباء في تعريفه والحاصل ان حقيقة ورم ينشاء عن هيجان الدم وانصباب الدم إلى عضو فيفسده وان غير ذلك

ع۔ قلت وقد ذكر كلام اهل اللغة والفقه قبل ۱۲ ظ

من الامراض العامة الناشئة عن فساد الهواء يسمى طاعوناً بطريق
 اعجاز لا شتر اكهما في عموم المرض به او كثرة الموت والدليل
 على ان الطاعون يغاير الوباء ما سيأتى في رابع احاديث الباب
 ان الطاعون لا يدخل المدينة وقد سبق في حديث عائشة
 قد منا الى المدينة وهي ارض الله وفيه قول بلال اخرجونا
 الى ارض الوباء وما سبق في الجنائز في حديث ابي الاسود قدمت
 المدينة في خلافة عمر وهم يموتون موتاً ذريعاً وما
 سبق في حديث العرينيين انهم استوحشوا المدينة وفي لفظ
 انهم قالوا انها ارض وئبة فكل ذلك يدل على ان الوباء
 كان موجوداً بالمدينة وقد صرح الحديث الاول بانه
 لا يدخلها فدل على ان الوباء غير الطاعون وان من
 اطلق على كل وباء طاعوناً بطريق المجاز والذي يفرق
 به الطاعون من الوباء اصل الطاعون الذي لم يتعرض
 له الاطباء والاكثر من تكلم في تعريف الطاعون وهو
 كونه من طعن الجن ولا يخالف ذلك ما قاله الاطباء
 من كون الطاعون ينشاء من هيجان الدم اذ انصبابه
 لانه يجوز ان يكون ذلك يحدث عن الطعنة الباطنة
 متحدث منها المادة السمية ويهيج الدم بسببها وينصب
 ولما لم يتعرض الاطباء لكونه من طعن الجن لانه امر لا
 يدركه العقل وانما يعرف من الشارع فتكلموا في ذلك
 على ما اقتضته قواعدهم.

المؤيّدات لكون	ومما يؤيد ان الطاعون انما يكون
الطاعون من وخز الجن	من طعن الجن وقوعه غالباً في اعدل
الفصول. وفي اصح البلاد هواء	
واطيبها ماء ولأنه لو كان بسبب فساد الهواء الدائم في الارض	

لأن الهواء يفسد تارة ويصح أخرى وهذا يذهب أحياناً
ويجيئ أحياناً على غير قياس ولا تجرّبة فربما جاء سنة على
سنة وربما أبطأ سنين وبأنه لو كانت كذلك لعلم الناس
والحيوان والموجود بالمشاهدة أنه يصيب الكثير ولا يصيب
من هم بجانبهم مما هو في مثل مزاجهم ولو كان
كذلك لعلم جميع البدن وهذا يختص بموضع من الجسد
ولا يتجاوزة ولأن فساد الهواء يقتضي تغيير الأخلاط وكثرة
الاستقام وهذا في الغالب يقتل بلا مرض أو قال شيخنا ولأن
فساد الهواء لا يختص في بلدة واحدة بمحلة منها ولا يدور
من محلة إلى محلة المشاهدة في الطاعون دورانه وجولانه من مكان إلى
مكان ومن محلة منها إلى محلة حتى أن في محلة حريق من الطاعون
كحريق السعير ومحلة أخرى مطمئنة لا تشعر بشيء من ذلك ثم
يمشي وينتقل هكذا من مكان إلى مكان كان له جولة بجولة
العسكري من الأعداء ١٢ فدل على أنه من طعن الجن كما ثبت
في الأحاديث.

تحقيق حديث الطاعون	منها حديث أبي موسى فناء امتي
من وخز الجب	بالطعن والطاعون قيل يا رسول الله
هذا طعن قد عرفناه فناء الطاعون	

قال وخز أعداءكم من الجن وكل في شهادة أخرجه أحمد
ثم ذكر له الحافظ طرقاً عديدة وقال فالحديث صحيح بهذا
الاعتبار وقد صححه ابن خزيمة والمحاكم وأخرجه واحد
والطبراني من وجه آخر عن أبي بكر بن أبي موسى الأشعري قال
سئلت عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال هو وخز
أعدائكم من الجن وهو لكم شهادة ورجاله رجال الصريح
الأبا بلج وأسمه يحي وثقه ابن معين والنسائي وجماعة

وضعه جماعة بسبب التشيع وذاك لا يقدح في قبول روايته
عند الجمهور وله طريق ثالثة أخرجه الطبراني ورجاله رجال
الصحيح الأكراباء وإبائه وكريب وثقة ابن حبان. وله حديث
آخر في الطاعون أخرجه أحمد وصححه الحاكم من رواية عاصم
الأحول عن كريب بن الحارث عن أبي بردة بن قيس أخي أبي
موسى الأشعري رفعه الله عنهم اجعل فناء امتي قتلاً في سبيلك
بالطعن والطاعون قال العلماء أراد صلى الله عليه وسلم أن
يحصل لامته أرفع أنواع الشهادة وهو القتل في سبيل الله
بأيدي أعدائهم إما من الأرنس وإما من الحجن (تنبيه) يقع
في السنة بلفظ وخزأخواكم ولم أره بلفظ أخواكم بعد
التبعية الطويل البالغ في شيء من طرق الحديث اهـ (ج ١٠/ ١٠١، ١٠٢)
تحقيق الفرار عن الطاعون | أخرجه البخاري في صحيحه عن
والقدوم ببلدة هولها | عبد الرحمن بن عوف سمعت
رسول الله صلى الله عليه وسلم عليه

وسلم يقول إذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تقدموا
عليه وإذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فراراً منه اهـ
قال المحافظ وقد أخرج الطحاوي بسند صحيح عن أنس أن عمراً في
الشام فاستقبله أبو طلحة وأبو عبيدة فقال يا أمير المؤمنين
إن معك وجوه الصحابة وخيارهم وإننا تركنا بعدنا مثل حريق
النار فارجع العام فرجع وفي هذا الحديث جواز رجوع من أراد

عقلته وبهذا زال ما يمتنع في صدور بعض العوام لأجل موت
المسلمين بالطاعون أكثر من موت المشركين به فليعلموا بأن
ذاك لطلب نبيهم صلى الله عليه وسلم فناءهم بالطعن والطاعون
لكن يفوزوا بدرجات الشهادة العالية ١٢ جامع .

دخول بلدة فعلم ان بها الطاعون وان ذلك ليس من
الطيرة وانما هي من منع الا لقاء الى التهلكة اوسد الذريعة
لئلا يعتقد من يدخل الى الارض التي وقع بها ان لو دخلها
وطعن العدو المنهي عنه وقد زعم قوم ان المنهي عن
ذلك انما هو للتنزيه وانه يجوز قدام عليه لمن قوى
توكله وصح يقينه وتمسكوا بما جاء عمراً انه ندم على رجوعه
من سرغ كما اخرج ابن ابي شيبة بسند جيد عن القاسم بن
محمد عن ابن عمر قال جئت عمر حين قدم فوجدته قائلاً في
حيائه فانتظرت في ظل الخباء فسمعتة يقول حين تضرع
اللهم اغفر لي رجوعي من سرغ واخرج الطحاوي بسند صحيح
عن زيد بن اسلم عن ابيه قال قال عمر اللهم ان الناس
قد تحولوني ثلثاً انا ابدأ اليك منهم زعموا التي فرت من الطاعون
وانا ابدأ اليك من ذلك وذكر الطلاع المكس وقد ورد من
غير عمر التصريح بالعمل في ذلك بمحض التوكل فاخرج ابن
خزيمة بسند صحيح عن هشام بن عروة عن ابيه ان الزبير
بن العوام خرج غازياً نحو مصر فكتب اليه امرأ مصر ان الطاعون
قد وقع فقال انما اخرجنا للطعن والطاعون قد دخلها فلقى
طعنا في جبهته ثم سلم وفي الحديث ايضاً منع من وقع
الطاعون ببلد هو فيها من الخروج منها وقد اختلفت
الصحابة في ذلك وقد اخرج احمد بسند صحيح الى ابي منيب
ان عمر وبن العاص قال في الطاعون ان هذا رجز مثل
السيل من تنكبه اخطاه ومثل النار من اقام احرقته
فقال شرحبيل بن حسنة ات هذا رحمة ربكم ودعوة

نبياكم وقبض الصالحين قبلكم وفي معظم الطرق ان عمرو بن
 العاص صدق شرجيل وغيره على ذلك ونقل عياص جواز
 الخروج من الارض التي يقع بها الطاعون عن جماعة من الصحابة
 منهم ابو موسى الاشعري والمغيرة بن شعبة ومن التابعين
 منهم الاسود بن هلال ومسروق ومنهم من قال انتهى
 فيه للتنزيه فيكره ولا يحرم وخالفهم جماعة فقالوا يحرم
 الخروج منها لظاهر النهي الثابت في الاحاديث الماضية وهذا
 هو الراجح عند الشافعية وغيرهم (كالحنفية ١٢) ويؤيده ثبوت
 الوعيد على ذلك فاخرج احمد وابن خزيمة من حديث
 عائشة في اثناء حديث بسند حسن قلت يا رسول الله فما الطاعون
 قال غدة كغدة الابل المقيم فيها كالشهيد والفار منها
 كالفار من الزحف وله شاهد من حديث جابر رفعه الفار
 من الطاعون كالفار من الزحف والصابر فيه كالصابر في الزحف
 اخرجه احمد ايضا وابن خزيمة وسنده صالح للمتابعات وقال
 الطحاوي والذي يظهر والله اعلم ان حكمة النهي عن القدوم
 عليه لئلا يصيب من قدم عليه بتقدير الله فيقول لولا اني قدمت
 هذه الارض لما اصابني ولعله لو اقام في الموضع الذي كان فيه
 لاصابه فامران لا يقدم عليه حسما للمادة ونهى من وقع وهو
 بها ان يخرج من الارض التي نزل بها لئلا يسلم فيقول مثلاً
 لو اقامت في تلك الارض لاصابني ما اصاب اهلها ومحلها لو كان
 اقام بها ما اصابه من ذلك شيء اهـ ويؤيده ما اخرج الهيثم
 بن كليب والطحاوي والبيهقي بسند حسن عن ابي موسى انه قال
 ان هذا الطاعون قد وقع فمن اراد ان ينتزه عنه فليقولوا
 واحذروا ثنتين ان يقول قائل خرج خارج فسلم وجلس
 جالس فاصيب لكن ابو موسى حمل النهي على من قصد الفرار محضاً

ولا شك ان الصور ثلث من خرج يقصد الفرار محضاً فهذا يتناول النهي لا محالة ومن خرج لم حاجة متمحضة لا يقصد الفرار اصلاً ويتصور ذلك فيمن تهيئاً للرحيل من بلد كان به الى بلد اقامته مثلاً فاتفق وقوع الطاعون في اثناء تجهيزه فهذا لم يقصد الفرار اصلاً فلا يدخل في النهي والثالث من عرضت له حاجة فاراد الخروج اليها وانضم الى ذلك انه قصد الراحة من الاقامة في البلد التي وقع بها الطاعون ولو لم يقصد الراحة بل اراد الرجوع الى هذا الموضع فهو من اهل الصورة الثابتة كما لا يخفى ١٢ جامع) فهذا محل النزاع فمن منع نظراً الى صورة الفرار في الجملة ومن اجاز نظراً الى انه مستثنى من عموم الخروج فراراً لأنه لم يتمحض للفرار وإنما هو لقصد التداوى وعلى ذلك يحمل ما وقع في اثر ابي موسى المذكور ان عمر كتب الى ابي عبيدة ان لي اليك حاجة فلا تضع كتابي من يدك حتى تقبل الى فكتب اليه اني قد عرفت حاجتك واني في جند من المسلمين لا اجد بنفسى رغبة عنهم فكتب اليه اما بعد فانك نزلت بالمسلمين ارضاً عميقة فارفعهم الى ارض نزهة فدعاه ابو عبيدة فقال اخروج فارتد للمسلمين معزلاً حتى انتقل بهم فذكر القصة، وانه نزل بالناس في مكان آخر فارفع الطاعون

فيه دليل جواز ما افق به مشايخنا من خروج اهل مصر الى الفتاء لا لتقلاح الهواء فان ذلك ليس من الفرار بل من باب التداوى ١٢ جامع

على قلت فيه تصريح بان الفرار يقصد الفرار ليس بمختلف فيه بين العلماء ولا بين الصحابة بل هو ممنوع وحرام اتفاقاً وانما النزاع في الخروج لا بقصد الفرار بل لم حاجة اخرى والجمهور فيه على المنع واجازت الخنفية الخروج فيها لمن كان الخروج والقرار عنده سواء اى كان راسخ الاعتقاد يقوله تعلقاً وما هم بضارين به من احد الا باذن الله قافهم ١٢ ظ

وقوله عميقة أي قربية من المياه والنزور وذلك مما يفسد
 غالباً به الهواء لفساد المياه والنزهة الفسيحة البعيدة عن
 الوحل فهذا يدل على أن عمر رأى أن النهي عن الخروج إنما
 هو لمن قصد الفرار متمحضاً وقد كان امرء عمر لأبي عبيدة
 بذلك بعد سماعها للحديث المذكور من عبد الرحمن بن
 عوف فتناول فيه عمر ما تناول وقال الخطابي ليس في هذا
 إثبات العدوى وإنما هو من باب التداوى فإن استقلاوح
 الأهوية من النفع الأشياء في تصحيح اليدين وبالعكس وقد ذكر
 العلماء في النهي عن الخروج حكماً منهُما أن لو شرع الخروج
 فخرج الأقوياء كان في ذلك كسر قلوب الضعفاء وقد قالوا
 إن حكمة الوعيد في الفرار من الزحف لما فيه من كسر قلب
 من لم يفروا وحال الرعب عليهم ومنها ما ذكره بعض الأطباء
 أن المكان الذي يقع به الوباء تتكيف أمزجة أهله بهواء
 تلك البقعة وتألفها وتصير لهم كالأهوية الصحيحة
 يغيروهم فلو انتقلوا إلى الأماكن الصحيحة لم توافقهم
 بل ربما إذا استنشقوا هواءها استصحب معه إلى القلب من
 الأبخرة الرديئة التي حصل تكيف بدنه بها ما فسدت فمنع
 من الخروج بهذه النكة وقال الشيخ ابن دقيق العيد الذي
 يترجم عندي في الجمع بينهما أن في الأقدام عليه تعريض
 النفس البلاء ولعلها لا تصير عليه وربما كان فيه ضرب
 من الدعوى لمقام الصبر والتوكل فمنع ذلك حذراً من اغترار
 النفس ودعواها ما لا تثبت عليه عند الاختيار وأما الفرار فقد
 يكون داخلاً في التوغل في الأسباب بصورة من يحاول النجاة بما
 قدر عليه فامرنا الشارع بترك التكلف في المحاليتين ومن هذه المارة
 قوله صلى الله عليه وسلم لا تتمنوا لقاء العدو وإذا لقيتموهم

فاصبروا فامر بترك التمنى لما فيه من التعرض للبلاء
 وخون اغترار النفس اذ لا يؤمن غدرها عند الوقوع ثم
 امرهم بالصبر عند الوقوع تسليماً لامر الله تعالى اھ (صفحہ ۱۶)
 ترجمہ: حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ اطباء کی ایک
 جماعت جس میں ابو علی سینا بھی ہیں یہ کہتی ہے کہ طاعون ایک زہریلے مادہ ہے جو
 انتہائی مہلک ورم پیدا کرتا ہے۔ یہ مادہ بدن کے نازک اور پوشیدہ حصوں میں پیدا
 ہوتا ہے اور اکثر بغل کے نیچے یا کان کے نیچے یا ناک کے بالنے کے پاس ہوتا ہے۔ اس
 کا سبب عفونت و فساد کی طرت مائل خراب خون ہوتا ہے جو ایک زہریلے مادے میں
 بدل کر کسی عضو اور اس کے آس پاس کی جگہوں کو فاسد کر دیتا ہے اور دل میں ایک ایسی
 جی خراب کرنے والی کیفیت پیدا کرتا ہے جس سے قے، متلی، بے ہوشی اور خفقان کی
 نوبت آجاتی ہے۔ یہ مادہ چونکہ گندا ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے اعضاء کو نشانہ بناتا ہے
 جو طبعاً کمزور ہوتے ہیں۔ طاعون کی سب سے مہلک قسم اعضائے رئیسہ میں ہونے
 والا طاعون ہے اور کالے طاعون سے مریض بہت کم ہی بچ پاتا ہے۔ سب سے ہلکی قسم
 سرخ طاعون ہے اس کے بعد زرد طاعون۔ طاعون کی یہ قسمیں زیادہ تر دوبارہ
 علاقوں میں وبا کے وقت ہوتی ہیں اسی وجہ سے طاعون کو وبا بھی کہہ دیا جاتا ہے
 حالانکہ درحقیقت ہوا اس جوہر میں فساد واقع ہونے کو کہتے ہیں جو مادہ روح
 ہے (میں کہتا ہوں) یہ وہ باتیں ہیں جو طاعون کی تعریف کے سلسلے میں اہل لغت،
 فقہاء اور اطباء سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں (اہل لغت اور فقہاء کی عبارتیں نیچے
 ذکر کی جا چکی ہیں) اور حاصل ان سب کا یہ ہے کہ طاعون کی حقیقت خون کے دباؤ
 اور عضو کی طرف اس کے بہاؤ سے پیدا ہونے والا دہم ہے جو اس عضو کو فاسد کر
 دیتا ہے اگرچہ اس کے علاوہ ہوا کے فساد کی وجہ سے پیدا ہونے والے عام

اے قدیم مسودہ میں صرف عربی عبارات نقل کی گئی تھیں اور ایک نوٹ تحریر تھا
 کہ ”وقت طباعت ان عبارات کا ترجمہ کر لیا جائے“ لہذا ان عبارات کا ترجمہ کر کے
 شامل اشاعت کر لیا گیا ہے۔ افتخار

امراض کو بھی مجازاً طاعون کہہ دیا جاتا ہے اس لئے کہ طاعون اور آب و ہوا کے فساد دونوں ہی صورتوں میں مرض عام ہوتا ہے اور کثرت سے موت واقع ہوتی ہے طاعون اور وبا الگ الگ چیزیں ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اس باب کی چوتھی حدیث میں آ رہا ہے کہ طاعون مدینہ میں داخل نہیں ہوگا حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جب ہم مدینہ آئے تو وہ سب سے زیادہ و بازوہ علاقہ تھا اسی سلسلہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کفار نے ہمیں و بازوہ زمین میں بسنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح بخاری میں ابوالاسود کی حدیث گزر چکی ہے کہ میں حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ آیا تو وہاں متواتر اموات ہو رہی تھیں اور عیشیہ کی حدیث میں بھی گزرا ہے کہ انہیں مدینہ کا آب و ہوا موافق نہیں آئی اس کا بھی ذکر آیا ہے کہ مدینہ کی سرزمین و بازوہ تھی۔ یہ تمام باتیں اس پر شاہد ہیں کہ مدینہ میں و با موجود تھی حالانکہ پہلی حدیث یہ بتلا رہی ہے کہ طاعون مدینہ میں داخل نہیں ہوگا۔ تو یہ معلوم ہوا کہ و با اور چیز ہے طاعون اور چیز ہے اور اگر کسی نے ہر و با کو طاعون کہا ہے تو مجازاً کہا ہے۔ و با اور طاعون میں فرق طاعون کی اصل حقیقت سے ہوتا ہے جس سے اطباء نے بحث نہیں کی طاعون کی تعریف کے سلسلے میں کلام کرنے والے اکثر حضرات نے اپنے قواعد کے مطابق کلام کیا ہے کہ طاعون جن کے کچھ کالگانے سے ہوتا ہے اطباء نے جو بات کہی ہے کہ طاعون خون کے دباؤ اور بہاؤ سے ہوتا ہے یہ تعریف اس کے منافی نہیں ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ اصل سبب تو وہی باطن کچھ کا ہو اور اس سے زہریلا مادہ اور اس زہریلے مادے سے خون کا دباؤ اور بہاؤ پیدا ہو جاتا ہو لیکن اطباء نے اس اصل سبب سے اس لئے بحث نہیں کی کہ کسی جن کے طاعون کا سبب ہونا عقل سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے یہ تو شارع ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

طاعون کے جن کے کچھ کالگانے سے ہونے کی تاہم اس سے ہوتی ہے کہ عام طور پر اس کا وقوع انتہائی مناسب موسم (جو کسی و باء کا وقت نہیں ہوتا) اور بہترین آب و ہوا والے علاقوں میں بھی ہو جاتا ہے اور پھر اگر آب و ہوا کا فساد ہی اس

کا سبب ہوتا تو طاعون مسلسل کہیں نہ کہیں پایا جاتا اس لئے کہ ہوا تو بگڑتی درست ہوتی رہتی ہے حالانکہ طاعون کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے اور وہ بھی اچانک بغیر کسی پیشگی اندازے یا تجربے کے چنانچہ پانچ سو سال بسال ہوتا ہے اور کبھی برسہا برس کا وقفہ ہو جاتا ہے نیز اگر کسی موسمی اثر کے ماتحت ہوتا تو انسان حیوان سب اس سے متاثر ہوتے لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ متاثر ہوتے ہیں اور ان کے آس پاس ان کے ہم مزاج لوگ متاثر نہیں ہوتے اور پھر اگر ہوا کی خرابی ہی سبب ہوتی تو پورے بدن میں بیماری پھیلنی چاہیے مگر حالانکہ یہ جسم کے کسی ایک ہی مقام کے ساتھ مخصوص رہتی ہے اس سے آگے نہیں بڑھتی مزید یہ کہ فساد ہوا کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جسم کے اخلاط میں تبدیلی واقع ہوتی اور کثرت سے امراض پھیلتے جبکہ طاعون عام طور پر بغیر کسی اندرونی مرض کے بھی باعث ہلاکت ہو جاتا ہے۔ (ہمارے شیخ نے فرمایا کہ وبا کی یہ صورت نہیں ہوتی کہ وہ کسی شہر کے ایک محلہ کے ساتھ مخصوص رہے یا محلہ محلہ چکر لگائے جبکہ طاعون میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک محلہ سے دوسرے محلہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک محلہ تو طاعون کی شدید لپیٹ میں ہوتا ہے اور دوسرا محلہ بالکل پرسکون ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ محض موسمی اثرات سے پھیلنے والی وبا نہیں)

اس کے منتقل ہونے کا یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے گویا دشمن کی سپاہ گھومتی پھر رہی ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جنات کے زیر اثر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

اس حدیث کی تحقیق کہ طاعون جن کے کچھ کال لگانے سے ہوتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ میری امت میں طعن (یعنی جہاد میں تیر لگنے) سے اور طاعون سے ہلاکت ہوگی۔

عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ یہ طعن تو سمجھ میں آگیا لیکن طاعون کیلئے؟ فرمایا یہ تمہارے دشمن جنوں کی شرارت ہے اور دونوں سے ہونے والی موت شہادت ہے (آخر جہاد) اس کے بعد حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے مختلف طرق ذکر کئے ہیں اور فرمایا ہے کہ ان طرق کے پیش نظر حدیث صحیح ہے اور ابن خزیمہ اور حاکم نے بھی اس

کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ احمد اور طبرانی نے بھی ایک دوسرے طریق سے اس کی تخریج کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابو بکر نے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے دشمن جنوں کی شرارت ہے اور تمہارے لئے شہادت ہے۔ اس روایت کے تمام رجال سوائے ابوبلیج کے معتبر ہیں۔ ابوبلیج کا نام یحییٰ ہے۔ ابن معین نائی اور ایک جماعت نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے جبکہ دوسری جماعت نے شیعہ ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک صرف یہ بات روایت کے غیر معتبر ہونے کی وجہ نہیں۔ اس روایت کا ایک تیسرا طریق وہ بھی ہے جو طبرانی نے ذکر کیا ہے۔ اور اس کے رجال سوائے کریم اور اس کے والد کے صحیح ہیں البتہ ابن حبان نے کریم کی توثیق کی ہے۔ کریم کی طاعون کے بارے میں ایک اور حدیث ہے جس کی تخریج امام احمد بن حنبلؒ کی ہے اور حاکم نے اسے عاصم عن کریم بن الحارث عن ابی بردہ بن قیس اخی ابی موسیٰ الاشعری رفعہ کی مسند نقل کر کے صحیح قرار دیا ہے۔ حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ میری امت میں قتال (جہاد) اور طاعون کے ذریعے اپنی راہ میں قتل ہو کر کمی فرمائیے۔ علمائے فرمایا کہ اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے سب سے اعلیٰ درجہ کی شہادت طلب فرمائی ہے اور وہ یہ کہ راہ خدا میں انسان یا جنات دشمنوں کے ہاتھوں قتل کئے جائیں۔

(تنبیہ) و خذ اخوانک (تمہارے بھائیوں کی شرارت) کے الفاظ زبان زد عام ہیں لیکن بہت تلاش کے باوجود کسی بھی طریق میں مجھے یہ الفاظ نہیں مل سکے۔

طاعون سے بھاگنے یا طاعون والی جگہ جانے کی تحقیق امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ کسی جگہ طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم کہیں ہو اور وہاں طاعون آجائے تو اس سے بچنے کی خاطر وہاں سے نہ نکلو۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے حضرت انس کے حوالے سے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں حضرت ابو طلحہؓ و حضرت ابو عبیدہؓ نے آپ کا استقبال کیا اور عرض کی کہ امیر المؤمنین آپ کے ہمراہ معزز صحابہ کرام ہیں ہم پیچھے رشام میں آگ کی مثل طاعون چھوڑ کر آ رہے ہیں لہذا اس سال آپ وہاں تشریف نہ لے جائیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے آئے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی علاقے میں جانے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کو یہ علم ہو کہ وہاں طاعون ہے تو اس کے لئے لوٹ جانا جائز ہے اور یہ کوئی بد فالی نہیں بلکہ محض اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانا ہے۔ سید ذریعہ ہے اس لئے کہ اگر کوئی اس طاعون والی جگہ چلا جائے اور طاعون کا شکار ہو جائے تو اندیشہ ہے کہ وہ یہ اعتقاد کر بیٹھے کہ یہ مرض مجھے چھوت کی وجہ سے لگ گیا جبکہ یہ (اعتقاد) غلط ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی جگہ جانے سے روکنا احتیاط ہے۔ اگر کوئی مضبوط توکل اور یقین رکھتا ہو تو اس کے لئے جانا جائز ہے۔ یہ حضرات اس موقف کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرخ (شام) کا وہ مقام جہاں سے حضرت لوٹ گئے تھے (سے واپسی پر افسوس کا اظہار فرمایا۔ جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے ایک درست سند (قاسم بن محمد عن ابن عمر) کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب حضرت عمرؓ واپس تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو اپنے خیمے میں کچھ کہتے ہوئے سنا۔ میں خیمہ کے سائے میں رک کر انتظار کرنے لگا۔ تو میں نے سنا کہ دعا فرما رہے ہیں اے اللہ میرے سرخ سے واپس لوٹ آنے کو معاف فرمادے۔

اور امام طحاوی نے سند صحیح (عن زید بن اسلم عن ابیہ) سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ لوگ میرے بارے میں تین باتوں کا گمان کرتے ہیں میں آپ کے حضور ان سب سے براۓ ظاہر کرتا ہوں ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں طاعون کے خوف سے بھاگ آیا ہوں میں اس سے اپنی براۓ پیش کرتا ہوں۔ اسی طرح دو اور چیزیں (شیرے اور ٹیکس) کا

ذکر فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی اور صحابہ کرام سے مروی ہے کہ اس سلسلے میں خالص توکل سے کام لینا چاہیے چنانچہ ابن خزیمہ نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ مصر کی جانب جہاد پر روانہ ہوئے تو مصر کے امراء نے انہیں نکھا کہ یہاں طاعون آچکا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا ہم طعن (جہاد) اور طاعون دونوں ہی کے لئے نکلے چنانچہ مصر میں داخل ہو گئے اور ان کی پیشانی پر ایک تیر بھی لگا لیکن محفوظ رہے اور حدیث میں اس شہر سے نکلنے سے منع بھی کیا گیا ہے جہاں طاعون ہو۔ اس میں صحابہ کرام کا اختلاف اوپر گزر چکا ہے۔ حضرت امام احمد نے ابو منیب کی طرف نسبت کرتے ہوئے ایک سند صحیح سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے طاعون کے بارے میں فرمایا کہ یہ سیلاب کی مانند ایک عذاب ہے جو اس سے الگ ہو جائے گا یہ اس کو چھوڑ جائے گا اور آگ کی طرح ہے جو اس کے پاس کھڑا رہے گا اس کو جلا ڈالے گی اور شرجیل بن حسنہ نے کہا یہ تمہارے رب کی رحمت اور تمہارے نبی کی دعا کا اثر ہے اور تم سے پہلے اس نے بہت سے نیک لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اکثر طرق میں یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے شرجیل وغیرہ کی اس بات کی تصدیق فرمائی اور عیاض نے طاعون والی زمین سے نکلنے کے جواز کو صحابہ کرام کی ایک جماعت جن میں ابو موسیٰ اشعرؓ، مغیرہ ابن شعبہؓ جیسے صحابہؓ ہیں اور تابعین کی ایک جماعت جس میں ابوالاسود بن ہلال اور سروقؓ وغیرہ ہیں سے نقل کیا ہے اور انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اس نہی کو تنزیہ پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک نکلنا مکروہ ہے حرام نہیں جبکہ ایک دوسری جماعت ان کی مخالفت کرتی ہے اور طاعون والی بستی سے نکلنے کو حرام قرار دیتی ہے اس لئے کہ گزشتہ احادیث میں وارد ہونے والی نہی سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ شافعیہ وغیرہ (یعنی حنفیہ) کے نزدیک یہی رائے رائج ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایسی جگہ سے نکلنے پر وعید آئی ہے۔

چنانچہ احمد و ابن خزیمہ نے حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث سند صحیح کے ساتھ نقل کی ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ طاعون کیا ہے؟ یہ فرمایا کہ ادنٹ کے غدود کی طرح ایک غدود ہوتا ہے اور جو طاعون والی جگہ میں پھڑپھڑ رہے

اور طاعون سے اس کی موت واقع ہو جائے وہ مثل شہید ہے اور جو وہاں سے بھاگ نکلے وہ ایسا ہے جیسے جہاد سے بھاگ کھڑا ہونے والا۔ اس حدیث کی تائید حضرت جابرؓ کی ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے میدان جنگ سے بھاگنے والا اور اس میں صبر کرنے والا ایسا ہے جیسے میدان جنگ میں جمارہنے والا۔

احمد و ابن خزیمہ نے سند صحیح کے ساتھ اس کے کچھ مزید متابعات بھی ذکر کئے ہیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ مجھے جو بات سمجھ میں آئی ہے واللہ اعلم وہ یہ ہے کہ طاعون والی جگہ جانے سے منع کرنے کی حکمت تو یہ ہے کہ جو وہاں جائے گا اگر اسے بتقدیر الہی طاعون لاحق ہو جائے تو وہ یہ کہے گا کہ اگر میں یہاں نہ آتا تو یہ مرض نہ ہوتا حالانکہ مرض تو وہاں بھی لاحق ہو سکتا تھا جہاں پہلے تھا لہذا بد اعتقادی کی اس جڑ ہی کو ختم کرنے کے لئے جو کہیں اور ہے اسے حکم دیا کہ وہاں نہ جائے جہاں طاعون ہے اور جو طاعون والی جگہ ہے اسے منع کر دیا کہ وہاں سے نکلے نہیں اس لئے کہ اگر یہ باہر چلا گیا اور پجارا تو کہے گا کہ (بہت اچھا ہوا یہاں آ گیا) وہاں رہتا تو مجھے بھی وہی مرض ہو جاتا جو وہاں والوں کو ہوا۔ حالانکہ یہ بھی ممکن تھا کہ طاعون والی جگہ ہی میں رہتا اور پھر بھی مرض نہ ہوتا اور بد اعتقادی بھی پیدا نہ ہوتی ہے۔ امام طحاوی کی اس تحقیق کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ہیشتم بن کلیب، طحاوی اور بیہقی نے ابو موسیٰؓ سے سند صحیح کے ساتھ نقل کی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دیکھو طاعون آچکا ہے جو اس سے بچنا چاہتا ہے بچ جائے لیکن دو باتوں سے احتیاط کرنا ایک یہ کہ کوئی یہ کہے فلاں باہر چلا گیا اس لئے محفوظ پایا کوئی یوں کہے کہ فلاں یہیں رہا لہذا مبتلا ہو گیا (اگر وہ بھی چلا جاتا تو محفوظ رہتا یا اگر یہیں رہتا تو مبتلا ہو جاتا) حضرت موسیٰؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طاعون والی جگہ جانے سے منع کرنے کا یہ مطلب لیا ہے کہ کوئی محض طاعون سے بھاگنے کی خاطر جاتے اس میں شک نہیں کہ یہاں تین صورتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ کوئی طاعون والی جگہ سے نکلے محض طاعون سے بچنے کی خاطر یہ تو بہر حال حدیث کی رو سے منع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی بالکل دوسری ضرورت سے نکلے طاعون سے

چھڑکارا پانا مقصود نہ ہو مثلاً ایک شخص پہلے سے دوسری جگہ جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اتنے میں وہاں طاعون پھیل گیا تو اس کے لئے جانا جائز ہے اس لئے کہ اس کی نیت طاعون سے فرار حاصل کرنا نہیں ہے چنانچہ یہ ممانعت میں داخل نہیں تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو کسی ضرورت سے جانا تھا لیکن ساتھ میں یہ بھی نیت ہے کہ طاعون والی جگہ رہنا نہ پڑے تو اس میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر بہر حال کسی درجہ میں طاعون سے بچنے کی نیت ہے اس صورت کو ناجائز قرار دیا ہے اور بعض لوگوں نے اس دلیل کی بنیاد پر اسے جائز قرار دیا ہے کہ فرار کی نیت سے نکلنا منع ہے اور اس کا ارادہ صرف فرار حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ ضرورت بھی ہے اور اس تیسری صورت سے متعلق سمجھا گیا ہے حضرت ابو موسیٰ کے اس اثر کو جس میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے آپ اس خط کو رکھنے سے پہلے ہی میری طرف چل پڑیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب لکھا کہ میں آپ کی ضرورت خوب سمجھ گیا ہوں میں مسلمانوں کے شکر میں ہوں ان سے جدا ہونے کی مجھے کوئی خواہش نہیں۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ لکھ بھیجا کہ آپ نے مسلمانوں کو پانی سے قریب زمین میں ٹھہرایا ہے ان کو لے کر کسی پُر فضا زمین میں چلے جائیے۔ تو یہ سن کر حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو بلایا اور کہا کہ جا کر مسلمانوں کے لئے کوئی اور جگہ تلاش کیجئے تاکہ ان کو وہاں منتقل کر دوں پھر اس کے بعد آگے واقعہ مزید ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ مسلمانوں کو لے کر کسی دوسری جگہ تشریف لے گئے اور طاعون دور ہو گیا۔

غنیقہ ایسی زمین کو کہتے ہیں جو پانی سے قریب ہو اور پانی سے قریب ہونے کی وجہ سے عام طور پر آب و ہوا خراب ہو جاتی ہے اور ”نزہتہ“ کھلی پُر فضا جگہ کو کہتے ہیں جو مضر صحت اثرات سے خالی ہو، اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ سمجھا کہ طاعون والی جگہ سے باہر جانا اس شخص کے لئے منع ہے جو صرف فرار حاصل کرنا چاہتا ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے مذکورہ حدیث سن کر حضرت ابو عبیدہؓ کو حکم فرما دیا کہ اس زمین سے باہر چلے جائیں اور حدیث کا وہی مطلب لیا جو عبدالرحمن بن عوفؓ نے لیا۔ خطاب فرماتے

ہیں اس واقعہ سے بیماری کے متعدی ہونے کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ حضرت
 عمرؓ نے جو کچھ فرمایا یہ محض علاج معالجے کے زمرے میں آئے گا اور اس میں کوئی
 شک نہیں کہ تبدیلی آب و ہوا کو صحت اور مرض میں بڑا دخل ہے۔ علمائے جو ان
 حضرات کے طاعون زدہ زمین سے نکلنے کو منع کرنے کی روایت کی ہے وہ بھی
 اپنی جگہ درست ہے اس لئے کہ اگر علی الاطلاق نکلنا جائز ہو جائے تو جو لوگ صحت مند
 ہیں وہ نکل جائیں گے (خواہ درست عقیدہ کے ساتھ نکلیں) لیکن اس سے کمزوروں
 کی دل شکنی ہوگی۔ چنانچہ بعض حضرات نے میدان جنگ سے بھاگنے پر وعید
 کا بھی یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس سے ان لوگوں کی ہمت شکنی ہوگی جو بھاگ
 نہیں سکے اور وہ مرعوب ہو جائیں گے۔ بعض اطباء نے یہ بھی حکمت بیان کی
 ہے کہ جس جگہ وباء آتی ہے وہاں لوگوں کے مزاج اس آب و ہوا سے مانوس ہو
 جاتے ہیں اور ان کے لئے وہ آب و ہوا عام صحیح آب و ہوا کی طرح ہو جاتی
 ہے۔ اگر اب وہ اس جگہ سے دوسری ایسی جگہ جائیں گے جہاں یہ وبا نہیں ہے تو
 وہاں کی آب و ہوا انہیں موافق نہیں آئے گی بلکہ بہت ممکن ہے کہ جب وہ اس نئی
 آب و ہوا میں سانس لیں تو ان کی سانسوں کے ساتھ وہ خراب بخارات
 بھی باہر آجائیں جس کے لئے وہ عادی ہو چکے ہیں اور یہ بخارات یہاں کی آب و
 ہوا کو خراب کر دیں لہذا اس لئے وباء زدہ علاقے سے نکلنا منع ہے۔ شیخ ابن
 دقیق العید یہ فرماتے ہیں کہ دونوں طرح کے دلائل میں تطبیق دینے کی یہ صورت
 مجھے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے کہ ایسی زمین میں آنے سے تو اس لئے روک
 دیا گیا کہ اپنے آپ کو ایسی مصیبت میں ڈالنا ہے جس کا شاید بعد میں تحمل
 نہ ہو سکے اور یہ گویا ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ مجھے مقام صبر و توکل حاصل ہے۔
 لہذا یہ تو منع فرما دیا گیا تاکہ نفس دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اور ایسے دعویٰ سے بچے
 جو امتحان کے وقت ثابت نہ کیا جاسکے اور اس زمین سے نکلنے سے اس لئے
 منع کیا گیا کہ یہ اسباب میں غلو سے کام لینے اور تقدیر سے بچنے کی کوشش
 میں داخل ہو جاتا ہے۔

چنانچہ شارع علیہ السلام نے ہمیں دونوں صورتوں (باہر سے اندر آنے

اور اندر سے باہر جانے میں تکلف سے بچنے کا حکم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی قسم کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو ہاں اگر مقابلہ کی نوبت آجائے تو ڈٹ جاؤ۔ چونکہ دشمن سے مقابلہ کی تمنا بھی اپنے آپ کو مصیبت کے لئے پیش کرنا ہے اور اس میں نفس کے دھوکہ کھانے کا بھی اندیشہ ہے کہ جب اصل موقع آئے تو بھاگ کھڑے ہوں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تمنا کرنے سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ اگر واقعی مقابلے کی نوبت آجائے تو تقدیر کا فیصلہ سمجھتے ہوئے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے ڈٹ جاؤ۔



کتاب المتفرقات

السوال :- حضرت ایک مسئلہ میں احقر متردد ہے اس کا جواب عطا فرما کر رفع خدشہ فرماویں وہ یہ کہ ایک زمین جس کا مالک اعلیٰ سرکار بہادر ہے اس کے تحت ایک بڑا زمین دار ہے شیر علی خان اور اس کے ماتحت ایک رعیت ہے زید، اب زید نے اس کی زمین کو عمرو کے ہاتھ فروخت کیا۔ اب عمرو نے اس زمین کو نیچا کرنے کے لئے چند مزدوروں سے کھودوانا شروع کیا اور ان کا مٹا ہوا بھی مقرر کیا۔ ان مزدوروں نے جب اس زمین کو کچھ کھودا تو کچھ چیز نمودار ہوئی، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سب سونا ہے۔ دو سو برس قبل جو قوم مِغ یہاں کے باشندہ تھے بوقت فرار از خوف سلطان مسلم دفن کر گئے۔ اس زمانے میں سونا بارہا لوگ پاتے رہے۔ اب مغوں کا پتا ملنا بڑا دشوار ہے، وہ سونا اس وقت جو پایا ہے وہ پچیس، تیس ہزار روپے کی قیمت کا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا حقدار کون ٹھہرے گا؟ اس کا مصرف کون ہے؟ اگر مزدور اپنے تصرف میں لائیں تو یہ حباتز ہو گا یا نہیں۔

تنقیح | یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ احتمال نہیں کہ اس قوم کے بعد جو مسلمان آئے۔ انہوں نے وہاں دفن کیا ہو۔

جواب تنقیح | پہلے سوال کے متعلق عرض یہ ہے کہ وہ سونا جو پایا گیا ہے اس میں زیورات بھی بہت سے ہیں جو مغوں کے طرز کے مطابق بنے ہوئے ہیں اس صورت کا زیور مسلمان نہیں بناتے۔

۱۲ اور لوگوں میں نہایت شہرت کے ساتھ مشہور ہے کہ وہ مغوں کا مدفونہ ہے نہ کہ مسلمانوں کا کوئی مسلمانوں کا دفن کیا ہوا نہیں کہتا ہے۔

۳: یہاں کے فرار شدہ مخ اس وقت ملک اکیاب میں بستے ہیں۔ وہاں جانے والوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بچتے ہیں کہ ہم لوگ بہت سے مال وہاں دفن کر آتے ہیں۔ اور اس کا نام و نشان بھی رکھتے ہیں۔ بعض ان کے خاندان میں سے ان کے ہمراہ آکر وہ دفیئہ اٹھا کر لے بھی جاتے ہیں اور بعضوں کو پتہ لکھا ہوا دیتا ہے وہ یہاں آکر اس پتہ کے مطابق کھود کر مال پاتا ہے اب بھی جو ان کے مکانات میں وہاں دفیئہ ہونے کی شہرت ہے۔ مگر لوگ خوف سے اس کو کھود کر نہیں دیکھتے یہ جو مکان کھودا گیا تھا ان مغلوں کا مکان تھا ان سب وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خزانہ مسلمانوں کا نہیں مجھے اس سے زیادہ کا علم نہیں۔

الجواب

قال في الدر المختار: وما عليه سَمَةُ الكفر خمس اى سواء كان في ارضه أو ارض غيره او ارض مباحة كفاية۔

قال قاضی خان: و هذا بخلاف لان الكنز ليس من اجزاء الدار فامكن ايجاب الخمس فيه بخلاف المعدن۔

شامی: و باقیہ للمالك اول الفتح اول وارثه لوصيا و لا اقلبيت المال على الا وجه (وذلك لما في البحر من ان الكنز مودع في الارض فلما ملكها الاول ملك ما فيها ولا يخرج ما فيها عن ملكه ببيعها كالسكة في جوفها درة انتهي شامی) وهذا ان ملكت ارضه والا فللواجد اه ج ۲ ص ۵۔

جب قرآن سے غالب یہ ہے کہ سونا کفار کا دفن کیا ہوا ہے تو اس کا پانچواں حصہ پانے والے کا ہے اگر صاحب زکوٰۃ نہ ہو اور باقی اس مسلمان کا ہے جس کا قبضہ مالکانہ اس زمین پر کفار کے بعد سب سے پہلے ہوا ہے۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کے ورثہ کو دیا جائے، صورت مسئلہ میں سرکار کی ملکیت تو بظاہر ملک تصرف ہے جو قبضہ مالکانہ کا اثر ہے۔ پہلا مالک مسلمان اس زمین کا شاید موجود زمیندار شیر علی خان کا کوئی مورث اعلیٰ ہے تحقیق کر لی جاوے بہر حال وہ ہوا اور کوئی جو مسلمان مالک اول ہو بقیہ چار حصے اس کے ورثہ کا حق ہے۔

عہ ۱۔ دلیلہ فی الدر: للواجد صرف الخمس لنفسه واصله و فرعه واجنبی بشرط الفقر ج ۲ ص ۵۔ ظفر احمد عفی عنہ

حرره الاحقر ظفر احمد عفی اللہ عنہ

۵ / ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

قیامت کے دن لوگ ماں کے نام سے پکارے جائیں گے یا باپ کے نام سے

السوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قیامت کے روز خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور طوائفوں کی اولاد کے باپ کے نام سے پکارے گا اور دو اشخاص مذکورہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور اولاد طوائف کو ماں کے نام سے پکارے گا۔ اور ساتھ ہی صحاح ستہ کا حوالہ بھی دیتا ہے اور عمر و کہتا ہے کہ ایسا نہیں تم غلط کہتے ہو۔ آپ فرمائیے کہ دونوں میں سے کون صادق اور کون کاذب ہے۔

دوسرے اس مسئلہ کے بابت آپ اپنا خیال ظاہر فرمائیے کہ آیا قیامت کے دن خداوند تعالیٰ بندوں کو پکارے گا یا نہیں۔ اگر پکارے گا تو کس صورت میں۔ ساتھ ہی اگر کتاب اور باب کا حوالہ ہو تو بہت اچھا، ورنہ خیر۔ بینوا توجروا۔

الجواب

أخرجه ابوداؤد في سننه عن ابى الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انكم تدعون يوم القيامة باسمائكم واسماء آبائكم فاحسنوا اسمائكم - رجاله ثقات الا انه منقطع كما نبه عليه، ابوداؤد، ج ۴، ص ۴۴۲ مع عون المعبود -

قال في العون وروى الطبراني بسند ضعيف كما قوله ابن القيم في حاشية السنن: عن ابن عباس ان الله يدعوا الناس يوم القيامة بأسمائهم استدأمنه على عباده قال العلقمي ويمكن الجمع بان حديث الباب فمن هو صحيح السب وحديث الطبراني في غيره او يقال تدعى طائفة باسماء الآماء وطائفة باسماء الامهات اه

وفي قوله تعالى (اذ قال الله لعيسى ابن مريم قولان ان ذلك كان اذ رفعه وقال بعضهم يكون ذلك يوم القيامة ذكرها السيوطي في درمنثور - اه

ج ۲، ص ۳۴۹

بعض احادیث میں یہ ہے کہ سب آدمی ماؤں کے نام سے پکارے جاویں گے۔ اور بعض میں یہ ہے کہ باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاوے جاویں گے۔ اور غالباً پکارنے والے ملائکہ ہوں گے، باقی اولاد طوائف کی خصوصیت حدیث سے معلوم نہیں ہوتی، بعض علماء کا قول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کی طرف منسوب ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ غالباً اس طرح حشر میں پکارے جائیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

عورتوں کے باہم سلام کا طریقہ | سوال: زنانه رطریقہ سلام چگونہ است آیا مشابہ رجال اندیانه در بعض دیار مروج است زنانہ پچور کوع سرنگوں کردہ بدست اشارہ نمودہ۔ علی الانفراد جمع حاضرین را بلا آواز خفیۃ سلام میدہند بایں طریق سلام کردن موافق شرع جائز است یا نہ۔ بر تقدیر عدم جواز مرتکب ایں فعل گنہگار باشد یا نہ، بینوا توجروا۔

المستفتی

محمد شمس الحق عفا اللہ عنہ

از سہارنپور مدرسہ مخزن العلوم

الجواب

عورتوں کے لئے بھی باہم سلام کا طریقہ وہی ہے جو مردوں کے لئے ہے۔ جو طریقہ عورتوں کے سلام کا سوال میں مذکور ہے یہ بدعت ہے اور گناہ ہے۔ سلام میں جھکنا نہیں چاہئے۔ البتہ شاید کو مکروہ ہے کہ وہ نامحرم مرد کو سلام کرے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھونے

۴ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

اس شبہ کا جواب کہ قرآن میں
پورا کلمہ ایک جگہ کیوں نہیں

السوال :- ایک اہل ہندو یہ سوال کرتا ہے کہ کلمہ طیب
قرآن شریف میں بمعہ محمد رسول اللہ کے ایک
جگہ اکٹھا نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ حالانکہ اسی کلمہ کو پڑھ
کر ہر شخص مسلمان ہوتا ہے۔ صاف طور سے سمجھا کر تحریر فرماویں۔ کئی جگہ اس مسئلہ کو دریافت کیا مگر
صاف طور پر حل نہیں ہوا۔

المستفتی

آپ کا خادم محمد حنیف راجپور

الجواب

پورا کلمہ ایک جگہ اکٹھا ہونے کی کیا ضرورت ہے کافر کا مسلمان ہونا اس پر موقوف نہیں ہے کہ وہ
پورے کلمہ کا ایک ساتھ اقرار کرے بلکہ اگر ایک شخص لا الہ الا اللہ کا آج اقرار کرے اور محمد
رسول اللہ کا کل اقرار کرے تو اس طرح بھی وہ مسلمان ہو جائے گا۔ اگر مسلمان ہونے کے لئے
دونوں کا ایک ساتھ جمع کرنا ضروری ہوتا تب تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ قرآن میں ایک جگہ اکٹھا کیوں
نہیں۔ اور جب مسلمان ہونا کلمہ کی تفریق کے ساتھ بھی درست ہے تو اب قرآن میں کلمہ کی تفریق پر
کیا شبہ ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۵ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

طالب علم کے لئے اس کے مرنبی کا گاؤں
والوں سے سوال کرنا جائز نہیں ہے

السوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان
شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مدرسہ عربیہ میں علم
حاصل کر رہا ہے۔ اور اس کے والد، رشتہ دار چونکہ

اپنی حالت اچھی نہیں رکھتے، لہذا لوگوں سے مانگ مانگ کر روپیہ پیسہ لے کر زید کا خرچہ بھیجتے ہیں
اس صورت میں ان مربیوں کے لئے سوال کرنا جائز ہے یا نہیں۔ نیز یہ بات بھی دریافت طلب ہے
کہ خود اگر زید لوگوں کے پاس اپنی ضروریات کے لئے روپیہ مانگے اور والد دیگر مربیاں کا مذکورہ
طریقہ سے وصول کیا ہو اور وہ روپیہ لے لے تو جائز ہے یا نہیں۔ بنیوا تو جبروا

المستفتی

محمد حبیب اللہ مبین سنگی

متصل سفید مسجد دیوبند

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ

الجواب

صورت مسئلہ میں زید کو سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اس کے مربیوں کو بھی زید کے واسطے سوال جائز نہیں ہے۔ اور زید کو اپنے مربیوں سے سوال کا روپیہ وصول کیا ہوا لینا بھی جائز نہیں ہے۔ اور اور درمختار وغیرہ میں جو طالب علم و غازی کے لئے سوال جائز کہا ہے اس سے مراد وہ طالب علم ہے جو بقدر ضرورت طلب علم میں مشغول ہو جس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ اور علم بقدر فرض تحصیل علوم عربیہ پر موقوف نہیں۔ بلکہ اردو فارسی رسائل پڑھنے سے بھی بقدر فرض علم حاصل ہو جاتا ہے پس جو طلباء مدارس عربیہ میں علم حاصل کرتے ہیں وہ بقدر فرض سے زائد میں مشغول ہیں ان کو سوال جائز نہیں۔ نہ ان کے مربیوں کے واسطے سوال جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ

عہ فان قيل تحصيل العلوم العربیة فرض على الكفاية في كل مسافة قصر على اهلها فينبغي جواز السؤال للطالب لكونه مشغولا بفرض الكفاية كالغازي يجوز له السؤال مطلقاً سواء كان الغزو فرضاً عليه عينا او على الكفاية يدل عليه اطلاقهم في الغازي فلنا نعم ولكن بشروط احدها ان لا يكون في بلاد الطالب عالم بالعلوم الشرعية الى مسافة القصر. وثانيها ان لا يكون طالب غيره مشغولا بتحصيلها. وثالثها ان يكون هذا الطالب ممن يرجي استغناء اهل بلاده بعلمه بان يكون صحيح الاستعداد سليم الطبع متوقدا لاغبيا الموج الطبع ويعتبر في ذلك قول معلميه ۱۲ منه

اقول وعلم منه ان الغازي لا يجوز له السؤال ايضا اذ حصل الكفاية بدونه فافهم ۱۳ احقر عبد الكريم عفى عنه

سرکاری ملازم کو سیکنڈ یا انٹر کلاس کا کرایہ ملے تو وہ تیسرے درجہ میں سفر کر کے بقیہ رقم کو اپنے مصارف میں لاسکتا ہے۔

السوال :- خدمی و مکرمی جناب حضرت مولانا مدنیو ضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بندہ عرض گزار ہے کہ آنجناب سائل مندرجہ ذیل کا جواب از روئے شریعت مطہرہ ارقام فرمادیں

اور احقر کو مشکور و ممنون فرمادیں۔ اور عند اللہ ماجور ہوں۔

۱۔ سائل کو گورنمنٹ سے یا کورٹ آف دار اس سے ریل کا سفر سیکنڈ یا ڈیڈھ درجہ کا ملتا ہے۔ ایسی حالت میں سائل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ تھرد درجہ ریل میں سفر کرے اور اپنی کفایت شعاری سے کچھ بچالے اور پھر اپنے ذاتی مصارف میں بچی ہوئی رقم کو خرچ کر دے اس صرفہ کی باز پرس کچھ نہیں ہوتی ہے اور نہ آج تک کسی سے واپس ہوتی ہے۔

۲۔ اگر بچی ہوئی رقم اپنے ذاتی مصارف میں لانا جائز نہ ہو تو ایسی حالت میں کفایت شعاری سے کام لینا تو واجب نہ ہوگا۔

۳۔ جو مدارس اردو ڈسٹرکٹ، میونسپل بورڈ سے جا بجا قائم ہیں۔ ان میں افسر مدرسین کو کچھ رقم تنخواہ کے ساتھ اس لئے دی جاتی ہے کہ قلم دوات کاغذ و شنائی وغیرہ یا اس طرح مصارف میں خرچ کی جائے۔ چنانچہ اکثر رقم مقررہ سے کچھ بچ رہتی ہے جس کو افسر مدرس اپنے ذاتی مصرف میں لے آتے ہیں کسی سے واپس نہیں کی جاتی۔ اور ساتھ ہی اس کے اگر کسی مہینے میں اگر کچھ زیادہ صرف ہو جائے تو نہیں دی جاتی مثل ٹھیکہ کے ہے۔ اگر رقم مقررہ کم ہو جائے جو کافی نہ ہو تو افسر مدرس کی رپورٹ کرنے پر تحقیقات مناسب کے بعد کچھ رقم دی دے دی جاتی ہے مستقلاً اضافہ کر کے تو ایسی حالت میں افسر مدرس جو رقم بچ رہتی ہے اس کو اپنی ملکیت سمجھ کر اپنے مصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں۔ فقط والسلام

الجواب

۱۔ ہمیں ملازمین سے تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ رقم گورنمنٹ یا محکمہ کورٹ کی طرف سے ملازمین کی ملک کر دی جاتی ہے اس لئے باوجود اس علم کے کہ فلاں شخص سیکنڈ یا انٹر میں سفر نہیں کرتا اس پر کوئی جرم قائم نہیں ہوتا نہ اس علم کے بعد گورنمنٹ اس کو سیکنڈ و انٹر کے کرایہ سے محروم کر دیتی ہے بلکہ بدستور اسی قاعدہ سے کرایہ دیتی ہے۔ اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو سائل کو تھرد درجہ میں سفر کرنا اور بقیہ رقم کو اپنی ذاتی مصارف میں صرف کرنا جائز ہے۔ اس پر کفایت شعاری کر کے

اس رقم کو بچانا واجب نہیں بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ جس درجہ کا کرایہ دیا جاتے اسی درجہ میں سفر کرے۔
 ۳۔ اس میں بھی ہم کو یہی تحقیق ہوتی ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے یہ رقم مدرسان کو بطور تملیک اور ٹھیکہ کے دی جاتی ہے۔ گورنمنٹ کی نیت واپسی کی نہیں ہوتی، جس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے متعلق افسر مدرس وغیرہ کسی سے حساب کا مطالبہ نہیں ہوتا۔ اور جو پیشگی رقم ملتوی طور پر دی جاتی ہے تملیکاً نہیں دی جاتی۔ اس میں حساب کا مطالبہ ہوتا ہے، جیسا کہ بھتہ وغیرہ کی رقم کا قاعدہ ہے پس اگر تحقیق صحیح ہے تو اس صورت میں بھی جو رقم مصارف و اوقاف و غیرہ سے بچے اس کو اپنے تصرف میں افسر مدرس لا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۴ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

از تھانہ بھون خالقہ امدادیہ

رسالة التدقيق

الاقوام في تحقيق السواد الاعظم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

السؤال :- باہم علماء میں جب اختلاف ہو کہ علماء کی کثیر جماعت کسی مسئلہ میں ایک طرف ہو اور معدودے چند علماء اس سے اختلاف رکھتے ہوں اور ہر ایک اپنے مسلک کی صحت پر دلائل شرعیہ قائم کرتا ہو، ایسی صورت میں مسلمانوں کو جماعت کثیرہ کا اتباع کرنا واجب ہے یا جماعت قلیلہ کا اتباع بھی جائز ہے۔ بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ جماعت کثیرہ کا اتباع واجب ہے اور دلیل میں یہ احادیث پیش کرتے ہیں۔

۱۔ عن علیؑ قال قلت : یا رسول ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امر ولا نہی فلا تأمر فی قال تشاور والفقهاء والعابدين ولا تمضوا فیہ رأی خاصة رواہ طبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اهل الصحيح مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۔

۲۔ انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان امتی لا تجمع علی ضلالة فاذا رأیتما خلافا فاعلیکم السواد الاعظم۔ ابن ماجہ ص ۲۹۲ و ۲۹۳ وفی العزیزی قال الشیخ حدیث صحیح ج ۱ ص ۳۵۸۔

۳۔ علیکم بالجماعة وایاکم والفرقة فان الشیطان مع الواحد وهو من الاثنين البعد من اراد بجبوحه الجنة فلیزم الجماعة رواہ الترمذی عن عمر مرفوعاً وقال حدیث صحیح حسن غریب ج ۲ ص ۳۹۔

ان احادیث سے جماعت کثیرہ کا اتباع لازم اور فقہاء و عابدین سے مشورہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور کسی خاص شخص کی رائے کا اتباع کرنے سے حدیث اول منع کرتی ہے، پس حدیث و فقہ سے یہ بتلا دیا جائے کہ مسائل شرعیہ میں جب علماء اختلاف کریں تو کیا واحد کی رائے صحیح ہو سکتی

ہے اور اس کا اتباع جائز ہے۔ بینوا توجروا۔ (سائل ایک مسلمان)

الجواب واللہ الموفق للصواب

علماء میں جب اختلاف ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ اختلاف احکام شرعیہ و مسائل دینیہ میں ہے یا امور انتظامیہ میں شق اول پر یا وہ اختلاف اعتقادات میں ہے یا فروع میں اسی طرح شق ثانی کی بھی دو صورتیں ہیں یا مسلمانوں کا کوئی امام ہو یا امام نہ ہو۔ صورت اول کی دوسری قسم میں یعنی جبکہ اختلاف مسائل شرعیہ فرعیہ میں ہو جماعت کثیرہ کا اتباع لازم نہیں۔ جماعت قلیلہ یا عالم واحد کی رائے جمہور کے خلاف بھی ہو تب بھی اس میں احتمال صواب کا اسی طرح ہے جس طرح جمہور کی رائے میں احتمال صواب کا ہے۔

۱۔ علماء امت کا زمانہ صحابہ سے اس وقت تک تعامل چلا آ رہا ہے کہ انہوں نے مسائل مختلف فیہا میں کسی امام کے قول کو اس وجہ سے ترک نہیں کیا کہ یہ قول جمہور کے خلاف ہے اور شخص واحد یا جماعت قلیلہ کا قول ہے۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں فرمایا ہے رہا دوسرا مقام وہ یہ کہ جمہور کا قول یہی ہے تو اس سے بھی کچھ نہیں ہوتا ہم نے دلائل شرعیہ میں (کہیں) یہ بات پائی نہیں کہ قول جمہور بھی کوئی ایسی حجت ہے جو کتاب اللہ و سنت رسول و اجماع امت کے ساتھ ملحق ہو اور جس نے مذاہب علماء میں تامل کیا ہے خواہ ہو وہ متقدمین ہوں یا متأخرین صحابہ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک (جتنے بھی علماء ہوتے ہیں) اور ان کے احوال کا تتبع کیا ہے وہ ان سب کو جمہور کی مخالفت کے جواز پر اجماع کئے ہوئے پائے گا اور ہر ایک کے متعدد اقوال اس کو ایسے ملیں گے جن میں وہ جمہور سے الگ ہے اور اس کلیہ سے ہرگز کوئی بھی مستثنیٰ

قال ابن القيم في زاد المعاد واما المقام الثاني وهو ان الجمهور على هذا القول في وجدنا في الادلة الشرعية ان قول الجمهور حجة مضافة الى كتاب الله وسنة رسوله واجماع امته ومن تأمل مذاهب العلماء قديماً وحديثاً من عهد الصحابة الى الآن واستقراء اموالهم وجدهم مجمعين على تسوية خلاف الجمهور ووجد لكل منهم اقوالاً عديدة الفرد بها عن الجمهور ولا يستثنى من ذلك احد قط ولكن مستقل ومستكثر فمن شئت سمعتموه من الامة ثم تتبعوا ما له من الاقوال

التي خالف فيها الجمهور ولوقتبعنا
ذلك وعودنا لطلال الكتاب جداً
ونحن نحييكم على الكتاب المتضمنة
لمذاهب العلماء واختلافهم اه
(ج ۲، ص ۲۵۱)

نہیں ہے ہاں بعض جمہور کی مخالفت کم کرتے ہیں
اور بعض زیادہ کرتے ہیں (بس اتنا ہی فرق ہے
اس سے زیادہ نہیں) پس تم ائمہ میں سے جس کا نام
چاہو لے لو پھر اس کے ان اقوال کا تتبع کرو جن میں
اس نے جمہور کی مخالفت کی ہے (تو تم کو ایسے
اقوال ہر امام کے پاس ملیں گے) اور اگر ہم ان کا
تلاش کرنا اور گنتا شروع کریں تو کتاب بہت زیادہ
طویل ہو جائے گی اور ہم تم کو ان کتابوں کے حوالہ
کرتے ہیں جن میں مذاہب علماء اور ان کے اختلافات
کا ذکر موجود ہے۔

علامہ ابن القیم کی یہ عبارت صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ مسائل فرعیہ میں مخالفت جمہور کے
جواز پر علماء امت کا صحابہ سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں اجماع رہا ہے اور کوئی امام مخالفت
جمہور سے بچا ہوا نہیں ہر امام کے متعدد اقوال جمہور علماء کے خلاف موجود ہیں جن کو اس کے
مقلدین نے مخالفت جماعت کثیرہ کی وجہ سے ہرگز رد نہیں کیا اور حنفیہ کے تو بہت سے
مسائل اس شان کے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ جمہور امت سے متفرد ہیں جیسے نفاذ قضاء قاضی
ظاہراً و باطناً و جواز ربو فی دار الحرب و قول بالمثلین فی وقت الظہر وغیرہ اور ان اقوال کو حنفیہ
نے اس عذر کی وجہ سے کبھی رد نہیں کیا کہ امام صاحب ان میں متفرد ہیں۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت
میں سے ایک جماعت ہمیشہ ایسی رہے گی جس کی حق پر
مدد کی جاوے گی ان کو وہ لوگ ضرر نہ دے سکیں گے
جو ان کے مخالف ہوں گے یہاں تک کہ خدا کا حکم یعنی
قیامت آجاوے۔ (بخاری و مسلم)

۲۰۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لا یزال طائفة من امتی علی الحق
منصورین لا یضرهم من خالفهم
حتی یأتی امر اللہ۔ رواہ مسلم وغیرہ

طائفة من الشئ قطعہ شی کا ہوتا ہے جو قلت پر دلالت کرتا ہے پس حضور فخر و عالم صلی اللہ علیہ

۲۱۔ اس حدیث کی تقریر براہین قاطعہ مصنفہ قطب عالم مولانا گنگوہی قدس سرہ میں قابل
ملاحظہ ہے۔ ۱۲ منہ۔

وسلم کا خود ارشاد ہے کہ طائفہ قلیلہ خواہ رجل واحد ہی کیوں نہ ہو حق پر ہو سکتا ہے اور اس کے مخالف تمام دنیا بھی ہو تو اس کا قول باطل ہوگا۔

قال في مجمع البحار الطائفة الجماعة من الناس ويقع على الواحد كانه اراد نفسا طائفة ابن راهويه هي دون الالف وسيدبلغ هذا الامر الى ان يكون عدد المستمكنين بما كان عليه النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه الفاسلي بذالك ان لا يعجبهم كثرة اهل الباطل اه (ج ۱، ص ۳۳)

مجمع البحار میں کہا ہے کہ طائفہ آدمیوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں اور شخص واحد پر بھی اس کا اطلاق آتا ہے (ابن راہویہ) طائفہ ایک ہزار سے کم کو کہتے ہیں۔ اور عنقریب یہ دین اس حالت کو پہنچ جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اصحاب کے طریقہ کے ساتھ تمسک کرنے والے ہزار (کے قریب) رہ جائیں گے اس حدیث سے آپ نے ان لوگوں کو تسلی دی ہے کہ وہ اہل باطل کی کثرت سے تعجب کریں۔ اہ

اس میں صاف تصریح ہے کہ اہل حق قلیل اور اہل باطل کثیر ہو سکتے ہیں۔ پس کسی کی طرف مسئلہ شرعیہ میں جماعت کثیرہ کا ہونا اس کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

۱۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احياء سنة من سنتي قداميت بعدى فان له من الاجر مثل اُجور من عمل بها الحديث قال الترمذي حسن مشكوة مع التدقيق ج ۱، ص ۱۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری سنتوں میں سے ایسی سنت کو زندہ کرے جو میرے بعد مردہ کر دی گئی تھی اس لئے اس قدر ثواب ہے جتنا اس سنت پر سب عمل کرنے والوں کو ملے گا (یعنی اس کو تنہا سب کی مجموعی مقدار کی برابر ثواب ملے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

من احياء سنة من سنتي قداميت بعدى فان له من الاجر مثل اُجور من عمل بها الحديث قال الترمذي حسن مشكوة مع التدقيق ج ۱، ص ۱۷

من احياء عام ہے جو کہ واحد کو بھی شامل ہے بلکہ آئندہ کلام میں ضمیر واحد کا اس کی طرف راجع ہونا ارادۃ واحد کو مزج ہے نیز سنت کی امامت کے معنی یہی ہیں کہ عام طور سے اس پر عمل متروک ہو گیا ہو اس حالت میں اس کا احياء کرنے والا شخص واحد یا جماعت قلیلہ ہی ہوگی۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کسی زمانہ میں متبع سنت قلیل اور مخالف سنت کثیر ہوں گے لہذا کسی طرف جماعت کثیرہ کا ہونا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

۲۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رسول الله صلى الله عليه وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری

من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله
اجر مائة شهيد - رواه مشكوة وفي
التنقيح رواه ايضا الطبراني باسناد
حسن ج ۱ ص ۴۲

امت کی حالت خراب ہونے کے وقت میرے طریقہ
پر جمار ہے اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔
تنقيح الرواة میں کہ اس حدیث کو طبرانی نے بھی اسناد
حسن سے روایت کیا ہے۔ اھ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں اکثر امت فساد میں مبتلا ہو جائے گی اور متبع سنت
بہت کم ہوں گے۔ اس لئے ان کی اس درجہ فضیلت ہے لہذا ایسے زمانہ میں کسی جانب علماء کی کثرت
ہرگز حقانیت کی دلیل نہ ہوگی کیونکہ اس وقت علماء کا بھی زیادہ حصہ فسادِ اہوا میں مبتلا ہوگا۔
ان میں متبع سنت کم ہوں گے۔ لکھا ہوا مشاہد

۵۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
من اكل طيباً وعمل في سنة وأمن الناس
بوائقه دخل الجنة فقال رجل يا رسول
الله: ان هذا اليوم لكثير من الناس
قال: وسيكون في قرون بعدى رواه
الترمذي مشكوة وفي تنقيح الرواة
بعد الفحص لاحتجاج واخرجه
ايضا الحاكم واستاده صحيح ج ۱
ص ۴۲ -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حلال
روزی کھاتا رہے اور سنت کے موافق عمل کرتا رہے
اور لوگ اس کی آفات سے محفوظ رہیں وہ جنت
میں داخل ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول
اللہ: آج کل تو ایسے لوگ تو بہت ہیں۔ آپ نے
فرمایا عنقریب میرے بعد قرون میں ایسا آدمی ہوا
کرے گا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)
تنقيح الرواة میں اس کے رجال پر بحث کر کے کہا ہے کہ
حدیث احتجاج کے قابل ہے اور اس کو حاکم نے بھی
تخریج کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔ اھ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ متبع سنت قرون مابعد میں قلیل ہوں گے اس کی تائید حدیث
خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم یغشوا للکذب سے بھی ہوتی ہے پس ظاہر
ہے کہ ایسے زمانہ میں کثرت اہل باطل ہی کی ہوگی، اہل حق قلیل ہوں گے۔ لہذا کسی طرح جماعت
کثیرہ کا ہونا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔

۶۔ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال سيأتي عليكم زمان لا يكون فيه
شيء اعز من ثلث - درهم حلال او
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ
نے فرمایا کہ عنقریب تم پر ایسا زمانہ آئے گا جس
میں تین چیزوں سے زیادہ کوئی چیز نایاب نہ ہوگی،

أخ يستأنس به أو سنة يعمل بها
رواه الطبرانی فی الأوسط وفيه روح
بن صلاح ضعفه ابن عدي وقال
الحاكم ثقة مأمون وذكره ابن
حبان فی الثقات بقیة رجاله موثقون
مجمع الزوائد ج ۱، ص ۶۹

(ایک) درہم حلال (دوسرے) یا ایسا بھاتی جس
سے انس حاصل کیا جاوے (تیسرے) یا ایسی سنت
جس پر عمل کیا جاوے اس کو طبرانی نے معجم الاوسط
میں روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی (روح
ابن صلاح) ہے جس کو ابن عدی نے ضعیف کہا ہے اور
حاکم نے ثقہ و مامون کہا ہے اور ابن حبان نے بھی
اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور بقیہ رجال سب
ثقات ہیں۔ مجمع الزوائد

اس حدیث میں جس زمانہ کی خبر دی گئی ہے کوئی صاحب بصیرت شک نہیں کر سکتا کہ یہ زمانہ
اس کا مصداق ہے اور حدیث میں تصریح ہے کہ اس وقت عمل بالسنۃ بہت نادر ہوگا۔ لہذا ایسے
زمانہ میں اہل باطل ہی کی کثرت ہوگی پس کثرت قاتلین حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

۱۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
ما اتی علی الناس عام إلا أحدثوا
فیہ بدعة وأما توافیہ سنة حتی
تخی البدع وتموت السنتی رواه
الطبرانی فی الکبیر باسناد رجاله
موثقون۔ ص۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ لوگوں پر کوئی سال نہیں گزرتا مگر وہ اس
میں ایک بدعت ایجاد کر لیتے ہیں اور ایک سنت
کو مردہ کر دیتے ہیں یہاں تک کہ بدعت ہی زندہ
رہے گی۔ اور سنتیں سب مردہ ہو جائیں گی۔ اس
کو طبرانی نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس
کے رجال ثقات ہیں۔

اس حدیث بھی معلوم ہوا کہ زمانہ نبوت سے جس قدر بعد ہوتا جائے گا۔ بدعت کی کثرت
اور سنت کی قلت ہوتی جائے گی اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کسی جانب میں اکثر کا ہونا ہرگز
دلیل حقانیت نہیں ہو سکتی۔

۲۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ما اختلفت امة بعد نبیہا
الا ظاہر اہل باطلها علی اہل حقها

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی امت نے
اپنے نبی کے بعد اختلاف نہیں کیا مگر ان کے اہل
باطل اہل حق پر غالب ہوتے (یعنی کثرت وغیرہ میں)

رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ موسیٰ ابن عبیدۃ وهو ضعیف اھ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۲۔ قلت وثقہ ابن سعد وحدث عتہ وکیع وقال کان ثقة کذا فی التہذیب ج ۱ ص ۱۰ ص ۳۵۹ والاختلاف فی التوثیق لا یضر۔

اس کی طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں موسیٰ بن عبیدہ کو ابن سعد نے ثقہ کہا ہے کہ وہ ثقہ تھے۔ اور تہذیب التہذیب میں سی طرح ہے۔ اور توثیق میں اختلاف مضر نہیں ہوتا۔ اھ

اس حدیث میں تصریح ہے کہ جب امت میں اختلاف ہوگا تو اہل باطل اہل حق پر کثرت غالب ہوں گے۔ لہذا کثرت قائلین حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی

۹۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک أن یأتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا اسمہ مساجدہم عامرة وہی خراب من الہدی علماءہم شر من تحت ادیہ السماء من عندہم تخرج الفتنة وفیہم تعود رواہ البہیقی، فی شعب الایمان مشکوٰۃ وقال فی تنقیح الرواة ولہ شاهد عند الحاکم فی المستدرک عن انس باسناد حسن وعند ابی داؤد واحمد والحاکم عن ابن عمر وعند الدیلمی عن معاذ وتعدد الطرق یشد بعضها بعضاً ثم قال صدق اللہ وصدق رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ما ہو فی الحدیث رأیناہ فی زماننا هذا والی اللہ المشتکی اھ ص ۵۸

اس حدیث میں تصریح ہے کہ ایک زمانہ میں علماء کی حالت عام طور پر خراب ہوگی اور اس سے مراد اکثر علماء ہیں کیونکہ ہر زمانہ میں ایک طائفہ کا حق پر ہونا دوسری حدیث سے ثابت ہے اور ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اکثر علماء کا کسی مسئلہ میں ایک طرف ہونا اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یعش منکم بعدی فیسیر فی اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهتدين تمسکوا بها وعضوا علیہا بالنواجذ الحدیث، قال الترمذی حسن صحیح ورواہ ایضاً ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح علی شرطہما ولیس لہ علة

ورجال احمد رجال الحسن اهـ - تنقيح الرواة - ج ۱، ص ۲۰ -
وفيه ايضاً: قال بعض العلماء هم الخلفاء الاربعة يقوله صلى الله عليه وسلم
الخلافة بعدى ثلثون سنة اهـ -

اس حديث میں تصریح ہے کہ جب امت میں اختلاف پیدا ہو تو سنت نبوی اور سنت
خلفاء الرشیدین کا اتباع واجب ہے کثرت جماعت و قلت جماعت کا اعتبار ہرگز نہیں کیا
جاوے گا۔ اگر ایک شخص متبع سنت ہو تو عالم دنیا کا اختلاف اس کو مضر نہ ہوگا۔ باقی جن احادیث
کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے۔ ان کا مطلب عنقریب واضح ہو جائے گا۔

۱۔ عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حين بعثه الى اليمامة
فقال كيف تصنع ان عرض لك قضاء قال اقضى بما في كتاب الله قال فان لم يكن في
كتاب الله قال فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فان لم يكن في سنة
رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اجتهد برأى لا ألو قال فضرب رسول الله صلى
الله عليه وسلم صدرى ثم قال الحمد لله الذي وفق رسول الله صلى الله عليه وسلم
يرضى رسول الله صلى الله عليه وسلم رواه الترمذى وغيرهما ورجاله ثقات الا حرث
بن عمرو فى المغيرة بن شعبة مختلف فيه ذكره ابن حبان فى الثقات وضعفه آخرون
كما يظهر من التهذيب ج ۲، ص ۱۰۲ - والحديث منقطع ايضاً والالفاظ (۱) يضرعتنا -

مہ : قلت يؤيده ما فى فتح البارى وعمر هو الذى كتب الى شريح النظر ما تبين لك من
كتاب الله فلا تسئل عنه احداً فان لم تبين لك من كتاب الله فاتبع فيه سنة رسول الله صلى
الله عليه وسلم وما لم تبين لك من السنة فاجتهد فيه رأيك واخرج ابن ابى شيبه
سند صحيح عن ابن مسعود نحو حديث عمر من رواية الشيبانى وقال فى آخر فان
جاءه ما ليس فى ذلك فليجتهد رأيه فان الحلال بين والحرام بين فدع ما يريبك
الى ما لا يريبك اهـ ملخصاً ج ۳، ص ۲۴۲ - والله اعلم

اس حدیث میں تصریح ہے کہ اگر کوئی حکم کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں نہ ملے تو مشورہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ہر مجتہد کو جائز ہے اگر اس صورت میں مشورہ کرنا واجب ہوتا جیسا کہ حدیث ۱۷۱ مندرجہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ضرور حکم فرماتے کہ اپنے رفقاء ابو موسیٰ اشعری علاء بن حفصہ و علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے ان امور میں مشورہ کر کے فیصلہ کیا کریں مگر آپ نے ایسا نہیں فرمایا پس ہر عالم کو جب مسئلہ کتاب و سنت میں مصرح نہ ہو تو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا اس حدیث سے جائز ہوا گو دوسرے علماء اس کے خلاف ہوں۔

۱۷۱۔ روى العسکری عن سلیم بن العامری قال سأل ابن الکواء علیاً عن السنة والبدعة والجماعة والفرقة فقال یا ابن الکواء حفظت المسئلة فافهم الجواب السنة واللہ سنة محمد صلی اللہ علیہ وسلم والبدعة ما فارقها۔ والجماعة واللہ جماعة اهل الحق ولین قتلوا والفرقة مجامعة اهل الباطل ولین کثروا کذا فی منتخب العمال ج ۱ ص ۱۰۹ قال الذہبی فی المیزان عبد اللہ ابن الکواء من رؤس الخوارج اھ و فی لسان المیزان انه قد رجع عن مذهب الخوارج وعاود حجته علی وباقی رواۃ لہما عرف وعلی تراجمہم لم اقف وانما ذکرک الحدیث متابعۃ وقال الحافظ فی الفتح تحت حدیث ابن عباس فی قصۃ وفاتۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخطبۃ ابی بکر من کان یعبد محمدًا فان محمدًا قدمات الخ مانصہ فیؤخذ منه ان الاقل عددًا فی الاجتهاد قد یصیب ویخطئ الا کثر فلا یتعین الترجیح بالاکثر ولا سیما ان ظہران بعضہم فلا بعضًا ج ۸ ص ۱۱۲۔

اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ اہل حق کو قلیل ہوں ان کے ساتھ رہنا جماعت کے

عہ ۱ یمن میں یہ حضرات بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور بعض ان کے پیچھے کچھ ایام کے فاصلہ سے بھیجے گئے تھے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ۔

عہ ۱ قلت ولہ شاهد صحیح من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال طائفۃ من امتی علی الحق منصورین الخ فالجماعة واللہ مجامعتہم وان قتلوا والحدیث یدل بعبارتہ علی قلتہم فافہم ۱۲ منہ

ساتھ رہنا ہے اور اہل باطل خواہ کثیر ہوں ان کے ساتھ رہنا جماعت سے فرقت ہے پس کسی مسئلہ میں جس کی دلیل کتاب و سنت و اقوال فقہاء سے زیادہ قریب ہوگی وہ حق پر ہوگا خواہ وہ شخص واحد ہی ہو اور جو لوگ دلائل سے فیصلہ نہ کر سکیں وہ یہ دیکھیں کہ تقویٰ اور علم و محبت دین و خوف حق و دیانت و رجحان عقل میں کون زیادہ ہے پس جو شخص ان کے اعتقاد میں ان اوصاف میں دوسروں سے ممتاز ہو اس کا اتباع کریں کیونکہ ایسا شخص سنت نبویہ کا زیادہ متبع ہوگا۔

قال فی العالمگیریۃ: و اذا کان المبتلی فقیہا لہ رأی فاستفتی فقیہا آخر افتاء بخلاف رأیہ یعمل برأی نفسه و اذا کان المبتلی جاہلا فانہ یأخذ بفتویٰ افضل الرجال عند عامة الفقہاء ج ۲، ص ۱۸۴

اس سے دو باتیں معلوم ہوتیں۔ (۱) جب انسان خود فقیہ ہو تو مسئلہ نازلہ میں اس کو اپنی رائے پر عمل کرنا واجب ہے۔ دوسرے فقہاء کی رائے اگر اس کے خلاف ہو اس پر اس کو عمل جاتر نہیں ہے۔ (گو وہ شمار میں کتنے ہی ہوں یدل علیہ اطلاق الجواب) (۲) عام لوگوں کو مسئلہ نازلہ میں اس شخص کے فتویٰ پر عمل کرنا واجب ہے جو ان کے اعتقاد میں سب سے افضل ہو۔ اہ اس میں یہ حکم نہیں بتلایا گیا کہ جدھر زیادہ ہوں ادھر ہونا چاہئے بلکہ صاف تصریح ہے کہ عالم افضل کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہئے جو ان کے اعتقاد میں سب سے افضل ہو۔

۱۳۔ و فی المنار و نور الانوار فی تعریف الاجماع ہوا اتفاق مجتہدین من امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی عصر واحد امر قوی و فعلی و خلاف الواحد مانع لخلاف الاکثر اھ

وقال فی کشاف اصطلاحات الفنون و احترز بلفظ المجتہدین بلام الاستغراق عن اتفاق بعضهم و عن اتفاق غیرہم من العوام و المقلدین فان موافقتهم و مخالفتهم لا یعبأ بها اھ ج ۳، ص ۲۳۸۔

نور الانوار کی عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ خلاف واحد بھی اسی طرح مانع العقاد اجماع ہے جس طرح خلاف اکثر اس سے معلوم ہوا کہ مخالفت جمہور کی صورت میں شخص واحد کا قول بھی اسی طرح محتمل صواب ہے جس طرح قول جمہور کی مخالفت ناجائز ہوتی۔ اور اختلاف

کے وقت مشورہ کرنا مسائل شرعیہ میں واجب ہوتا ہے اور جمہور کے خلاف قول ہمیشہ باطل ہوا کرتا تو خلاف واحد ہرگز قاذح اجماع نہ ہوتا بلکہ اس کو موافقت جمہور پر مجبور کیا جاتا حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ جمہور سے خلاف شخص واحد کا قول صحیح ہو سکتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل کے علماء اگر کسی مسئلہ شرعیہ میں اتفاق کر لیں تو اس کو اجماع شرعی نہ کہیں گے۔ کیونکہ وہ مقلدین کا اجماع ہوگا جو کہ غیر معتبر ہے پس چار سو یا تین سو علماء کے اتفاق کو اجماع کہنا تو کسی طرح بھی درست نہ ہوگا۔ جبکہ ان کے خلاف بھی علماء کی ایک جماعت موجود ہے۔ گو وہ ان کے زعم میں قلیل ہی ہوں۔

فان قلت: قال البیری تحت قاعدة الاصل الحقيقة مانصه متى اختلف في المسئلة فالعبرة بما قوله الاكثر۔ فتاویٰ حامدیه ج ۲/ ۴۔

قلت هذا متعلق بباب النقل دون الفهم والاستنباط والعمل بقول الاكثر في باب النقل متعين فان الخبر المشهور مقدم على الاتحاد والمتواتر مقدم على كليهما ودليل هذا التقيد ما ذكره في هذه الفتاوى ج ۲، ص ۳۲۲

بما نضه وما نقله الشرنبلالی عن العینی فی استنباط الاحکام من جواز لبس الاحمر من الحديث الشريف فذاک من حيث الاستنباط لا من حيث نقل المذهب والافناقل الکراهة کثیر بل اکثر والقیاس أن يعمل بما علیه اکثر الی ان قال علی ان الذی یجب علی المقلد اتباع مذهب امامه والظاهر أن ما نقله هؤلاء الأمة هو مذهب الامام اه

ولا یحفی ان اختلاف علماء زماننا فی مسئلة لبس من باب النقل عن الامام بل انما هو من باب الاختلاف فی الفهم ولا عبرة فيه للکثرة۔

یہ گفتگو تو صورت اولیٰ کی قسم اول میں تھی، رہی دوسری قسم یعنی جبکہ مسائل شرعیہ اعتقادیہ میں اختلاف ہو تو اس صورت میں اکثر کا اتباع کرنا چاہئے یعنی خیر القرون میں جس طرف زیادہ علماء ہوں اس کا اتباع واجب ہے کیونکہ اعتقادات زمانہ خیر القرون میں مکمل ہو چکے ہیں۔ نیز اس صورت عام طور پر خیر اور حق کا غلبہ تھا اس زمانہ میں اعتقادات میں جس طرف زیادہ جماعت ہوتی تھی اس طرف غلبہ خیر کا ہوتا تھا اور اعتقادات کا مدار محض نقل و سماع پر ہے اجتہاد سے اعتقادات کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور علوم نقلیہ کی تکمیل خیر القرون میں ہو چکی ہے اب اعتقادات میں کسی مسئلہ کا

اضافہ نہیں ہو سکتا خیر القرون کے بعد اعتقادات میں بھی کثرت قائلین کا اعتبار نہیں کیونکہ ان میں غلبہ خیر نہیں رہا اور چونکہ اعتقادات کی تکمیل زمانہ صحابہ و تابعین میں ہو چکی ہے اس لئے ان کے خلاف جو قول ہوگا۔ مردود ہوگا۔ گو قائلین کتنے ہی زیادہ ہوں۔

فی المرقات: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتبعوا سواد الاعظم يعبر به عن الجماعة الكثيرة والمراد ما عليه اکثر المسلمين قيل وهذا في اصول الاعتقاد كأركان الاسلام واما الفروع كبطلان الوضوء بالمس مثلاً فلا حاجة فيه إلى الإجماع بل يجوز اتباع كل واحد من المجتهدين كالأئمة الأربعة ج ۱، ص ۲۰۵۔

اس عبارت سے پہلے جواب کی بھی تائید ہو گئی کہ مسائل فرعیہ میں اکثر کا اتباع ضروری نہیں بلکہ کسی ایک مجتہد کا اتباع بھی جائز ہے۔ گو اس کا قول اکثر کے خلاف ہو فافہم۔

دہی شق ثانی یعنی جبکہ امور انتظامیہ میں اختلاف ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی امام ہو اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کی اطاعت کر چکی ہو تو امام کا اتباع اور اس جماعت کی موافقت واجب ہے ان سے امور انتظامیہ میں الگ ہونا اور اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر وہ احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کریں تو ایسے کاموں میں ان کی موافقت نہ کی جاوے لانه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق بلکہ خیر خواہی کے ساتھ ایسے امور میں بقدر استطاعت ان کی مخالفت کی جاوے لیکن اس طور پر ان کی مخالفت نہ کی جاوے کہ امام کا مقابلہ کر کے مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ منتشر کیا جاوے ہاں اگر امام اور اس کی جماعت سے کفر صریح کا صدور ہو تو پھر اس کا مقابلہ کرنا اور اس کی جمعیت کو منتشر کرنا بھی جائز ہے۔ بلکہ بقدر استطاعت واجب ہے اور اگر مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو تو فقہاء و عابدین و مسلمین صالحین کے مشورہ سے کسی کا امام مقرر کرنا واجب ہے اس صورت میں رائے خاصہ پر عمل جائز نہیں ہے بلکہ جماعت علماء صالحین و جمہور مسلمین جس شخص پر اتفاق کریں اسی کو امام بنانا واجب ہے۔ کیونکہ امامت اشرف و اعیان و جماعت مسلمین کی بیعت کر لینے سے ثابت ہوتی ہے۔ ایک دو شخص کی بیعت سے کوئی امام نہیں بن سکتا لہذا اس معاملہ میں اہل حل و عقد کی جماعت کے اکثر افراد کا اتفاق معتبر ہے شخص واحد کی رائے معتبر نہیں بلکہ شخص واحد کو جماعت سے اختلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر جماعت علماء و جمہور مسلمین کسی شخص واحد کی رائے پر اس معاملہ کو چھوڑ دیں تو اس صورت میں رائے خاصہ پر عمل جائز ہوگا۔ کیونکہ وہ شخص جماعت مسلمین کا وکیل ہے اس کی رائے گویا سب کی رائے ہوگی۔ اسی طرح اگر خلیفہ سابق اپنے بعد کے لئے کسی خاص شخص کو خلیفہ

بنا جاوے تو اس صورت میں بھی اس کی رائے کا اتباع جائز بلکہ ضروری ہے۔ بشرطیکہ جس کو نامزد کیا گیا ہے نااہل نہ ہو۔

پس اگر مشورہ وغیرہ سے کسی ایک امام پر اتفاق ہو گیا تب تو اس کے احکام وہی ہیں جو شق اول کے احکام ہیں کہ پھر امام اور جماعت مسلمین کی مخالفت امور انتظامیہ میں کسی کو جائز نہیں بتفصیلہ الذی ذکرناہ آنفاً، اور اگر مشورہ سے کسی ایک امام پر اتفاق نہ ہوا بلکہ اختلاف پیدا ہو گیا تو ان سب جماعتوں سے الگ ہو جانا چاہیے اس صورت میں کسی جماعت کا اتباع واجب نہیں، عزلت بہتر ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من رأى من امیرة شیئاً یکرهه فلیصبر علیہ۔ فانہ من فارق الجماعة شبراً فمات الامات مיתה جاہلیة رواہ البخاری فتح الباری ج ۱۳، ص ۵۔

وفي الفتح، قال ابن بطال في الحديث حجة في ترك الخروج على السلطان ولو جاز وقد اجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وان طاعته خير من الخروج عليه لما في ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء وحجتهم هذا الخبر وغيره مما يساعد ولم يستثنوا من ذلك الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح فلا تجوز طاعته في ذلك (الوقت) بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها ج ۱۳، ص ۵۔

وعن عبادة بن الصامت قال دعانا النبي صلى الله عليه وسلم فبايعناه فقال فيما اخذ علينا ان بايعنا على السمع والطاعة (إلى ان قال) وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفراً بواحاً عندكم من الله فيه برهان اه مختصر رواه البخاری كذا في الفتح ج ۱۳، ص ۶۔

وفي الفتح عن عبادة مرفوعاً سيكون عليكم امراء يأمروا لكم بما لا تعرفون و يفعلون ما تنكرون فليس لأولئك عليكم طاعة اه قال الحافظ والذي يظهر حمل رواية الكفر على ما اذا كانت المنازعة في الولاية فلا ينازعه بما يقدح في الولاية الا اذا ارتكب الكفر وحمل رواية المعصية على ما اذا كانت المنازعة فيما عدا الولاية فاذا لم يقدح في الولاية نازعه في المعصية بان ينكر عليه برفق ويتوصل الى

تثبت الحق له بغير عنف ومحل ذلك اذا كان قادراً، والله اعلم
ونقل ابن التين عن الداود قال الذي عليه العلماء في امر الجور انه ان قدر
على خلعه بغير فتنة ولا ظلم وجب والا فالواجب الصبر وعن بعضهم لا يجوز
عقد الولاية لفاسق ابتداءً فان احدث جوراً بعد ما كان عدلاً فاختلقوا في
جواز الخروج عليه والصحيح المنع الا ان يكفر فيجب الخروج عليه، اهـ
ج ۱۳، ص ۶ -

وعن حذيفة في حديث طويل قلت: فهل بعد ذلك الخير من شر
قال نعم: دعاة على ابواب جهنم من اجابهم اليها قذفوه فيها قلت يا رسول
الله صفهم لنا قال هم من جلدتنا ويتكلمون بالسنتنا قلت فما تأمرني ان
ادركني ذلك قال تلزم جماعة المسلمين وامامهم قلت فان لم يكن لهم
جماعة ولا امام قال: فاعتزل تلك الفرق كلها ولو ان تعض باصل شجرة
حتى يدركك الموت وانت على ذلك رواه البخاري وفي الفتح قال الطبري
اختلف في هذا الامر وفي الجماعة فقال قوم هو للوجوب والجماعة السواد
الا عظم وقال قوم المراد بالجماعة الصحابة دون من بعدهم وقال قوم المراد بهم
اهل العلم لان الله جعلهم حجة على الخلق والناس تبع لهم في امر الدين قال
الطبري والصواب ان المراد من الخبر لزوم الجماعة الذين في طاعة اى اجتمعوا على
تأميره فمن نكث بيعته خرج عن الجماعة قال وفي الحديث انه حتى لم يكن للناس
امام فتفرق الناس اخرايا فلا يتبع احداً في الفرقة ويعتزل الجميع ان استطاع ذلك
خشية من الوقوع في الشر اهـ ج ۱۳، ص ۳۱ -

واخرج الطبري وصححه ابن حبان عن ابى هريرة رضى الله عنه قال: قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف بك يا عبد الله بن عمرو اذا بقيت في حثالة
من الناس وقد مرجت عهودهم واماناتهم واختلقوا فصاروا هكذا وشبك
بين اصابعه قال في تأمرني قال عليك بخاصتك ودع عند عوامهم فتح الباري
ج ۱۳، ص ۳۲ -

اس تمام گفتگو کے بعد ان احادیث کا مطلب سمجھنا چاہیے جو سائل نے بیان کی ہیں۔ حدیث

اول جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے اور مجمع الزوائد میں مذکور ہے۔ وہ ہمارے نزدیک ان مسائل شرعیہ پر جن کا حکم کتاب و سنت یا اجماع امت یا قیاس سے معلوم ہو چکا ہے محمول نہیں۔ بلکہ امور انتظامیہ اور امور مسکوت عنہا فی الشرع کے متعلق ہے، پس مسائل حاضرہ میں اس حدیث سے استدلال کر کے مشورہ کو واجب کہنا اور جماعت کثیرہ کے مشورہ پر عمل کو لازم کہنا اس پر موقوف ہے کہ اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ شریعت میں مسائل حاضرہ کے احکام موجود نہیں اس لئے ان میں مشورہ کی ضرورت ہے۔ اور اس کو ہرگز کوئی تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ ہر فریق اپنے مسلک کو دلائل شرعیہ سے ثابت کر رہا ہے۔ یا یہ مان لیا جاوے کہ مسائل حاضرہ کا تعلق محض امور انتظامیہ ہے مسائل شرعیہ کی قسم سے نہیں ہے۔ مگر مسائل اس کو بھی تسلیم نہیں کرتا اگر اس کو تسلیم کر لیا جاوے تو پھر ان علماء کی غلطی یقیناً تسلیم کرنا پڑے گی جو ان تحریکات سے علیحدہ رہنے والی جماعت کو فاسق وغیرہ کا خطاب دیتے ہیں کیونکہ امور انتظامیہ جو محل مشورہ ہیں ان میں مشورہ پر عمل کرنا اس وقت واجب ہے۔ جبکہ مسلمانوں کا کوئی امام مسلم ہو اور مشورہ کی جانب اس کی رائے کی موافقت سے مؤید ہو چکی ہو اور اگر امام نہ ہو تو امور انتظامیہ میں بھی کسی کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ وجوب و فرضیت کا ثبوت دلائل شرعیہ سے ہی ہو سکتا ہے اور دلائل شرعیہ۔ کتاب و سنت اجماع امت و قیاس میں منحصر ہیں۔ مشورہ کو کسی نے دلائل شرعیہ سے بیان نہیں کیا۔ جس سے وجوب عمل کو ثابت کیا جاوے۔ و سیأتی ذلک مفصلاً۔

پس حدیث مجمع الزوائد کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت کسی کو خلیفہ یا امام بنایا جاوے یا امور حرب دیشیں ہوں یا کسی امر میں نصوص سے جانب فعل یا ترک کو ترجیح نہ ہو، اس میں فقہاء و عابدین سے مشورہ کیا جائے، کسی شخص واحد کی رائے اس میں نافذ نہ کی جائے، اور اس پر چند قرآن ہیں۔

اول تو خود اس میں لفظات اور اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ حکم ایسے امر کے متعلق ہے جو محل مشورہ ہے اور محل مشورہ مسائل شرعیہ نہیں۔ اور ایسے امور محل مشورہ کیونکر ہو سکتے ہیں جبکہ نص صریح موجود ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ وما فرطنا فی الکتاب من شیء۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے دین کے متعلق کوئی بات کتاب میں نہیں چھوڑی اور یہ ظاہر ہے کہ صراحت تمام جزئیات کے احکام قرآن میں نہیں اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام صراحتاً ہیں اور بعض دلالت و اشارہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد علماء ومجتهدين نے سمجھا اور فقہ میں بیان کیا جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے لعلمہ
الذین یستنبطونہ منہم جس میں علماء کو قیاس کی اجازت دی گئی ہے الغرض مسائل شرعیہ
کے احکام باسرها شریعت میں موجود ہیں وہ ہرگز محتاج مشورہ نہیں ہیں۔ اور اگر کسی مسئلے
مسائل شرعیہ میں مشورہ ثابت ہو تو وہ محض تطیب قلب یا استمداد کے طور پر تھا ضرورت
کے درجہ میں نہ تھا بلکہ مثل مشورہ امور دنیوی ہیں یا امور انتظامیہ متعلق امامت و خلافت و جہاد
وغیرہ بشرطیکہ حکم شرعی اس کے متعلق دلائل شرعیہ سے معلوم نہ ہوا ہو یا وہ امور ہیں جن سے
شریعت میں سکوت ہے۔ اور قیاس سے کسی جانب کو ترجیح معلوم نہیں ہوتی نہ ترک کو اور
نہ فعل کو اگر معلوم ہو جائے تو پھر وہ بھی محل مشورہ نہیں۔

قال الحافظ فی الفتح وقد اختلف فی متعلق المشاورة فقیل فی کل شیء لیس
فیہ نص وقیل فی الامر الدنیوی فقط: وقال الداودی انما کان صلی اللہ علیہ و
سلم یشاورہم فی امر الحرب من مالیس فیہ حکم لان معرفة الحكم انما
تلتبس منه قال ومن زعم انه کان یشاورہم فی الاحکام فقد غفل غفلة عظيمة
واما فی غیر الاحکام فریمارائی غیرہ اوسمع مالم یسمعه اویرہ کما کان
یستصحب الدلیل فی الطريق اھ ج ۱۳/ ص ۲۸۳۔

وقال البخاری رحمہ اللہ فی صحیحہ: وكانت الائمة بعد النبی صلی اللہ
علیہ وسلم یستشرون الامناء من اهل العلم فی الامور المباحة لیاخذوا
بأسهلها فاذا اوضح الكتاب او السنة لم یعتقد وہ إلى غیرہ اقتداء بالنبی
صلی اللہ علیہ وسلم ورأی ابو بکر قتال من منع الزکوة فقال عمر: کیف تقاتل
وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا
الحديث فقال ابو بکر واللہ لا قاتلین من فرق بین ما جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ثم تابعہ بعد عمر فلم یلتفت ابو بکر إلى مشورۃ اذ کان عندہ حکم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الذین فرقوا بین الصلوة والزکوة وارادوا
تبديل الدين واحکامہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوه
الفتح الباری ج ۳/ ص ۲۸۶۔

وقال الحافظ فی شرح قوله فی الامور المباحة لیاخذوا بأسهلها اذ المیکن

فیہا نص بحکم معین وکانت علی اصل الاباحۃ فمرادہ ما احتمل الفعل والتک
احتمالا واحداً واما ما عرف وجه الحكم فيه فلا اه ج ۱۳، ص ۲۸۵۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مسائل شرعیہ جبکہ ان کا حکم کتاب و سنت اجماع
یا قیاس سے معلوم ہو چکا ہو۔ محل مشورہ ہرگز نہیں ہاں وہ امور جو بوجہ سکوت شارع کے
بطاہر اباحتِ اصلیہ پر ہوں اور ان میں فعل اور ترک دونوں کا احتمال مساوی ہو وہ محل مشورہ
ہیں۔ اور اگر ان میں بھی ایک جانب کا حکم دلیل شرعی سے معلوم ہو جائے تو پھر وہ بھی محل مشورہ
نہیں۔ لہذا مجمع الزوائد کی حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ جب علماء میں کسی مسئلہ شرعی
میں اختلاف ہو تو اہل مشورہ اور جماعت کثیرہ کا قول واجب الاتباع ہے اور جماعت قلیلہ
یا شخص واحد کا قول قابل ترک ہے کسی طرح تام نہیں ہو سکتا پھر ہم بطریق تنزل کہتے ہیں
اس حدیث کو عموم پر ہی رکھا جاتے اور مسائل شرعیہ کو بھی محل مشورہ مان لیا جائے پھر
بھی مستدل کو یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ مشورہ کرنا اور مشورہ میں جس طرف کثرت رائے ہو تو اس
پر عمل کرنا واجب ہے۔ حالانکہ وہ اس کو ہرگز ثابت نہیں کر سکتا، محققین کے نزدیک رائج
یہ ہے کہ مشورہ کا امر آیت قرآنیہ و مشاورہم فی الامر و امرہم شوریٰ بینہم میں استحباب
اور ندب کے ہے۔ پھر اس حدیث کو استحباب پر کیوں محمول نہ کیا جاتے۔ رہی یہ بات کہ
مشورہ میں جس طرف زیادہ جماعت ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے یہ بھی غلط ہے بلکہ اگر کسی عالم
کا اجتہاد سب کے خلاف ہو تو اس کو دوسروں کا اتباع جائز نہیں کیونکہ مشورہ دلائل شرعیہ
سے مثل اجماع و قیاس کے نہیں ہے۔ بلکہ محض معین کے درجہ میں ہے۔

قال الحافظ فی الفتح وعد کثیر من الشافعیۃ المشاورۃ من الخصائص
واختلفوا فی وجوبہا فنقل البیہقی فی المعرفة الاستحباب عن النص وبہ جزم
ابونصر القشیری فی تفسیرہ وهو املرجح ج ۱۳، ص ۲۸۳

وفیہ ایضاً: قال الشافعی انما یومر الحاكم بالمشورة لكون المشیر مینبہہ علی
ما یفعل عنہ ویدل علی ما لا یحضرہ من الدلیل لا یقلد المشیر فیما یقولہ فان
اللہ لم یجعل هذا الامر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اه ج ۱۳، ص ۲۸۵

عہ اس رسالہ میں شافعیہ کے جو اقوال لکھے گئے ہیں وہ قواعد حنفیہ کے موافق ہیں۔ ۱۲ منہ

وفيه ايضاً: عن الشافعي واذا قاس من له القياس فاختلفوا وسع كلاً أن يقول بمبلغ اجتهاده ولم يسعه اتباع غيره فيما اداة اليه اجتهاده ۵۱ ج ۱۳، ص ۲۵۲ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے امر مشورہ کو وجوب پر ہی محمول کیا جاتے تو پھر سائل کو یہ بتلانا چاہیے کہ مشورہ کرنا صرف علماء حاضرین سے واجب ہے یا غائبین سے بھی یقیناً وہ دوسری شق کو ثابت نہیں کر سکتا۔ اور مسائل حاضرہ میں جو مقدس عالم جمہور سے الگ ہیں ان کی بابت یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ان مسائل میں ان علماء سے بھی مشورہ نہیں کیا جو ان کے پاس حاضر تھے ہم کو خوب معلوم ہے کہ انہوں نے ان مسائل میں جو رائے قائم کی ہے وہ علماء حاضرین کے مشورہ کے بعد قائم کی ہے۔ اور دنیا بھر کے علماء کے مشورہ کا وجوب کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ لہذا ان کو حدیث مجمع الزوائد سے کسی طرح مخالف نہیں کہا جاسکتا۔

رہی دوسری حدیث جو ابن ماجہ سے بروایت انس بن مالکؓ سوال میں مذکور ہے یعنی فاذا رأيتم اخلاقاً فعليكم بالسواد الاعظم اور جس کو عزیزی میں ابن ماجہ کے رمز سے نقل کر کے حدیث صحیح کہا ہے اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ حدیث بروایت ابن ماجہ صحیح نہیں ہے۔ اور عزیزی کا ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کر کے اس کو صحیح کہنا غایت تساہل ہے کیونکہ ابن ماجہ کی سند میں ایک راوی ابو خلف اعنی موجود ہے جس کو ابو حاتم نے منکر الحدیث اور ابن معین نے کذاب کہا ہے۔

فقہی تہذیب التہذیب: فی ترجمتہ قال ابو حاتم: منکر الحدیث ليس بقوى الى ان قال نقل ابن الجوزي عن ابن معين انه قال في الاعمى عن انس حازم بن عطاء وانه تغرد بالحدیث الذی أخرجه ابن ماجه ۱۲ ج ۱۲، ص ۷۸، ۸۸

مشکوٰۃ میں اس حدیث کو ابن عمرؓ کی طرف منسوب کر کے دوسرے الفاظ سے نقل کیا ہے لیکن کسی کتاب کا حوالہ نہیں لکھا بلکہ بیاض چھوڑ دی۔ میرک شاہ نے اس میں رواہ ابن ماجہ عن انس ملحق کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بروایت ابن عمرؓ ان کو نہیں ملی اور حدیث انس کا ضعیف ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ لہذا یہ بھی کچھ مفید نہ ہوئی۔ لیکن مقاصد حسنہ میں حدیث لا یجمع امتی علی ضلالة کے طرق جمع کرتے ہوئے حافظ سخاوی نے فرمایا ہے۔ والبولعیم فی الحلیة والحاکم فی مستدرکہ واعلہ واللہ لکائی فی السنۃ وابن مندۃ ومن طریقہ ایضاً فی المختارۃ عن ابن عمر رفعہ ان اللہ لا یجمع هذه الامۃ

على ضلالة ابدًا وان يد الله مع الجماعة فاتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ في النار وهكذا هو عند الترمذی ولكن بلفظ هذه الامة او قال امتی اه ص ۲۱۵

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عمر سے اس حدیث کو ضیاء مقدسی نے بھی مختارہ میں نقل کیا ہے اور اس کے الفاظ قریب قریب مشکوٰۃ ہی کے الفاظ ہیں۔ لیکن اس پر کلام یہ ہے کہ ترمذی نے ابن عمر سے جس سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اس میں ایک راوی سلیمان بن سفیان متفق علیہ ضعیف و منکر الحدیث ہے۔ تہذیب میں کسی سے بھی اس کی توثیق نقل نہیں کی۔ الیٰ ان قال وذكر ابن حبان في الثقات وقال كان يخطئ۔ اور عبد اللہ بن دینار سے تو اس کی روایت خصوصیت کے ساتھ منکر ہے۔ قال ابو زرعة منكر الحديث روى عن عبد الله بن دينار ثلثة احاديث كلها يعنى من اكبر اه (ج ۴، ص ۱۹۴) ترمذی نے حدیث بیان کر کے کہا ہے کہ ہذا حدیث غریب

من هذا الوجه وسليمان المديني هو عند سليمان بن سفيان اه (ج ۲، ص ۳۹) پس اگر ضیاء مقدسی نے بھی مختارہ میں اسی سند سے حدیث کو روایت کیا ہے تب تو وہ ہرگز قابل احتجاج نہیں اور اگر دوسری سند سے نقل کیا ہے تو یہ معلوم نہیں کہ ضیاء مقدسی کے الفاظ کیا ہیں کیونکہ اصحاب اطراف و جامعین طرق کی عادت ہے کہ وہ فی الجملہ مشارکت معنی سے ایک حدیث کو متعدد مخرجین کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ الفاظ ہر ایک کے جدا جدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی جگہ حافظ سخاوی نے اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ ترمذی میں فاتبعوا السواد الاعظم کا لفظ نہیں ہے۔ مگر چونکہ حافظ کو لایجمع امتی علی ضلالة کے طریق کا بیان کرنا مقصود ہے اور یہ مضمون ترمذی میں تھا اس لئے اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کر دیا تو ممکن ہے کہ اسی طرح ضیاء فی المختارہ نے بھی لایجمع امتی علی ضلالة کے مضمون کو بدون لفظ فاتبعوا السواد الاعظم کے روایت کیا ہو۔ اس لئے ضیاء مقدسی کے مختارہ کی طرف اسی حدیث کا منسوب ہونا بلفظ مذکور اس کی صحت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ حافظ سخاوی نے حدیث ابن عمر کو جن الفاظ سے نقل کیا ہے ضیاء مختارہ کے بھی الفاظ ہیں تب بھی یہ حدیث سائل کو مفید نہیں کیونکہ اس میں اختلاف کا ذکر نہیں جس سے یہ مضمون مستنبط کیا جائے کہ اختلاف علماء کے وقت سواد اعظم کا اتباع واجب بلکہ اس سے سواد اعظم کا

عہ: ليس عند الترمذی قوله فاتبعوا السواد الاعظم ۱۲ منہ

وجوب بطریق اطلاق ثابت ہوتا ہے جو ہمارے نزدیک حالت اتفاق پر محمول ہے یعنی جب سواد اعظم یعنی جمیع علماء امت کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں تو اس کا اتباع واجب ہے اور اس سے اجماع کی حجیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اختلاف علماء کے وقت قول جمہور کی حجیت۔ اختلاف کے وقت سواد اعظم کا اتباع ہونا صرف ابن ماجہ کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ جس کا ضعیف ہونا اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ اور حافظ سخاوی نے ابن ماجہ کے ساتھ مسند عبد کی طرف بھی ان الفاظ کو منسوب کیا ہے۔ مگر مسند عبد کی سند معلوم نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ مسند عبد میں بھی یہ حدیث بروایت انس ہے جس سے ظاہر یہ ہے کہ اس میں بھی ابو خلف اعمیٰ موجود ہے۔ کیونکہ دارقطنی نے حدیث انس مذکور فی ابن ماجہ کو افراد ابی خلف سے بتایا ہے۔ لہذا بایں الفاظ یہ حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔ اور بعد تسلیم کے ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ حدیث ابن ماجہ سے بھی سائل کا مدعی حاصل نہیں کیونکہ اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ جب علماء میں اختلاف ہو تو علماء کی جماعت کثیرہ کا اتباع لازم ہے بلکہ اس کا مضمون اس قدر ہے کہ میری امت ضلالت پر مجتمع نہیں ہو سکتی پس جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کا اتباع کرو۔

ہمارے نزدیک سواد اعظم سے صرف علماء مراد ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جب جہلہ امت علماء سے اختلاف کریں تو علماء کا اتباع واجب ہے۔ یہ مطلب اس سے نہیں نکلتا کہ علماء میں اختلاف ہو تو ان کی جماعت کثیرہ کا اتباع لازم ہے۔ بلکہ علماء میں سے ہر واحد کا اتباع جائز ہے خواہ وہ واحد ہو یا جماعت کثیرہ۔ کیونکہ ہم اس سے پہلے زاد المعاد کی عبارت نقل کر چکے ہیں کہ صحابہ کے وقت سے اس وقت تک مخالفت جمہور کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے اور کسی نے کسی امام کا قول یہ کہہ کر رد نہیں کیا کہ یہ قول جمہور کے خلاف ہے اس لئے رد ہے۔ لہذا اس حدیث ضعیف کو اسی معنی پر محمول کرنا واجب ہے جو ہم نے بیان کئے ہیں تاکہ اجماع کی مخالفت لازم نہ آئے فافہم اور علماء کا اسی اختلاف مراد ہو تو اس میں اختلاف فی الفروع مراد نہیں بلکہ اختلاف فی الاصول الاعتقادیات مراد ہے جیسا کہ مرقات سے یہی تفصیل ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ مرقاة میں اس کے بعد سواد اعظم کے چند معنی اور لکھیں ہیں۔

وقیل المراد جمع المسلمین الذین ہم فی طاعة الامام وهو سلطان الاعظم ۵۔

اس صورت میں اختلاف مذکور فی الحدیث سے امور انتظامیہ میں اختلاف مراد ہو گا نہ کہ

مسائل شرعیہ میں۔ اس کے بعد لکھا ہے۔

وقيل كل عالم عامل بالكتاب والسنة في الازهار اتبعوا السواد الاعظم يدل على
ان اعانهم الناس العلماء ولم يقل الاكثر لان العوام والجهال اكثر عددا
ج ۱، ص ۲۰۶

اس سے یہ معلوم ہوا کہ سواد اعظم سے ہر وہ عالم مراد ہے جو کتاب و سنت پر عامل ہو نیز یہ
بھی معلوم ہوا کہ کثرت قائلین معتبر نہیں کیونکہ کثرت توجہاں ہی کی ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے سواد اعظم فرمایا۔ سواد اکثر نہیں فرمایا۔ اور بعض علماء نے سواد اعظم کی تفسیر کو صحابہ کے ساتھ
خاص کیا ہے۔ لہذا اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ حدیث جس کی صحت پر بھی کلام ہے کسی طرح
سائل کو مفید نہیں ہو سکتی۔

رہی تیسری حدیث جو سائل نے ترمذی سے نقل کی ہے۔ علیکم بالجماعة وایاکم والفرقة
اس سے اجماع علی الامام مراد ہے۔ یعنی جب ایک جماعت مسلمانوں کی کسی شخص کو امام تسلیم کر لے
تو ان سے اختلاف مت کرو۔ اس سے بھی امور انتظامیہ میں اتباع جماعت کا امر معلوم ہوا بشرطیکہ
مسلمانوں کا کوئی امام بھی ہو اور دلیل اس مراد کی بخاری کی یہ حدیث ہے۔

من رأى منكم من أميرة شيا يكرهه فليصبر عليه فانه من فارق الجماعة شبرا
فمات الامات ميتة الجاهلية ۱۵ ج ۱۳، ص ۵ فتح الباری۔

اس حدیث میں مفارقت عن الجماعة کی وعید کو صبر علی الامام پر مرتب فرمانا صاف بتلا رہا ہے
کہ جس مفارقت جماعت کی ممانعت ہے وہ امام سے مفارقت ہے پس علیکم بالجماعة وایاکم والفرقة
کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ موافقت امام کا امر ہے۔ اور اس کی مخالفت اور مفارقت سے ممانعت
ہے ہم پہلے فتح الباری کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ طبری علیکم بالجماعة کی اس تفسیر کو صواب
قرار دیا ہے۔ اور بعض علماء نے جماعت سے خاص جماعت صحابہ کو مراد لیا ہے۔ لہذا یہ حدیث بھی
اس مضمون پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی کہ اختلاف علماء کے وقت جماعت کثیرہ کا اتباع واجب ہے
اور جماعت قلیلہ یا عالم واحد کا اتباع جائز نہیں۔

اب میں چند واقعات پر اس بحث کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔
کہ مسائل شرعیہ میں کثرت کی رائے پر حقانیت کا مدار نہیں رکھا گیا۔ بلکہ ہمیشہ قوت دلیل پر مدار
رکھا گیا ہے۔ گو وہ شخص واحد کا قول ہو یا جماعت قلیلہ کا۔

۱۔ : اساری بدر کے واقعے میں حضرت عمرو سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی راتے تمام صحابہؓ کے خلافت اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راتے مبارک بھی عام آرام کے ساتھ تھی مگر وحی سے حضرت عمرؓ کی راتے کے موافق فیصلہ ہوا۔ کثرت راتے پر فیصلہ کا مدار نہیں کیا گیا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی مفصلوں کی راتے فاضل کی راتے سے اصوب ہو سکتی ہے۔ گو اس کو بھی فاضل کا فعل شمار کیا جاتے۔ حدیث پر نظر رکھنے والے اس واقعہ کو خوب جانتے ہیں۔

۲۔ : جنگ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس آدمیوں کو ایک مورچہ کی حفاظت کے لئے متعین فرمایا اور ان سے یہ فرمایا تھا کہ تم کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا خواہ ہم پر کچھ بھی حالت گذر جائے۔ جب مسلمانوں کا لشکر کفار پر غالب آگیا اور اہل مکہ بے تحاشا بھاگنے لگے تو ان پچاس آدمیوں میں اختلاف ہوا اکثر کی راتے یہ ہوتی کہ اب مورچہ پر رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دشمن مغلوب ہو چکا ہے ہم کو بھی غنیمت کا مال لوٹنا چاہیے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا بطور مبالغہ و تاکید کے تھا۔ اور مقصود یہ تھا کہ وقت ضرورت تک یہاں سے نہ ہٹنا۔ اب ضرورت نہیں رہی بعض کی راتے یہ ہوتی کہ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح ممانعت کے بعد ہمیں یہاں سے نہ ہٹنا چاہیے۔ اس اختلاف کے بعد چالیس آدمیوں نے مورچہ چھوڑ دیا اور دس آدمی وہیں جے رہے، وحی سے ان دس آدمیوں کی راتے صائب (درست) قرار دی گئی اور چالیس کی راتے کو معصیت میں داخل کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اختلاف علماء کے وقت جماعت قلیلہ کی راتے بھی حق ہو سکتی ہے۔ بخاری و فتح الباری سے معلوم ہوتا ہے کہ بکر عبد اللہ بن جبیر کے جوان پچاس تیر اندازوں کے افسر تھے اور سب کی بھی راتے ہوتی کہ ہم کو لشکر میں شامل ہو کر غنیمت لوٹنی چاہیے۔

۳۔ : سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اور دفن کے بعد سب سے پہلا کام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول نے یہ کیا کہ لشکر اسامہؓ کو شام کی طرف بھیجنا چاہا جس میں مہاجرین اولین و اجل صحابہؓ شامل تھے تقریباً تمام صحابہؓ نے ان کی اس راتے سے مخالفت کی اور عرض یہ کیا کہ اس وقت قبائل عرب میں اختلاف و ارتداد کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں۔ آپ کو اس لشکر کے مدینہ میں رکھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مگر حضرت صدیق اکبر نے یہ کہہ کر ان کی راتے کو رد کر دیا۔

واللہ لا احل لواء عقدہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ۔

بخدا میں اس جھنڈے کو کبھی نہ کھولوں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہے۔ اور ابن اثیر نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

والذى نفسى بيده لو ظننت ان السباع تحت طغنى لانفذت جيش اسامة لما امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ارج ۲، ص ۱۶۱۔

قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر مجھ کو اس کا بھی یقین ہو جائے کہ اس شکر کے بھیجنے کے بعد مجھ کو درندے پھاڑ ڈالیں گے جب بھی میں حبش اسامہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق بھیج کر رہوں گا۔ چنانچہ شکر روانہ ہوا اور کسی صحابی نے حضرت صدیقؓ سے یہ کہنے کی جرأت نہ کی کہ یہ مسئلہ اختلافی ہو گیا ہے اس میں آپ کو تنہا اپنی رائے پر نہ اڑنا چاہیے۔ جماعت کے مشورہ پر عمل کرنا چاہیے۔ بلکہ بعد میں سب کو اقرار کرنا پڑا کہ حبش اسامہ کے بھیجنے میں حضرت صدیقؓ کی رائے صحیح تھی۔

دیکھو کامل ابن الاثیر ج ۲، ص ۱۶۲۔

۴: اسی طرح حضرت صدیقؓ کی رائے وصال نبوی کے بعد یہ ہوئی کہ جن قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے ان پر جہاد کیا جائے اس میں بھی تمام صحابہ کی رائے ان کے خلاف تھی کہ جب وہ لوگ کلمہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں تو ان سے چند اونٹوں اور بکریوں کے لئے کیونکر جہاد کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی حضرت صدیقؓ کی رائے سے مخالفت کی اور یہ کہا کہ آپ کو اس معاملہ میں نرمی اور تالیف قلوب سے کام لینا چاہیے۔ جس کا جواب نہایت سختی کے ساتھ حضرت صدیقؓ نے ان لفظوں میں دیا۔

”أجبار في الجاهلية وخوار في الاسلام انه قد انقطع الوحي وتم الدين أينقص وأناحي رواة دزين مشكوة ج ۱، ص ۴۷۵۔

اے عمر یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو ایسے زبردست تھے اور اسلام میں اتنے بودے۔ وحی منقطع ہو چکی ہے اور دین مکمل ہو چکا تو کیا میری زندگی ہی میں اس میں نقصان آجائے گا بالآخر صحابہ نے حضرت صدیقؓ کی رائے کے آگے گردنیں جھکا دیں۔ اور کسی نے جرأت کر کے یہ عرض نہ کیا کہ مسئلہ اختلافی ہو گیا ہے اس میں آپ کو جماعت کثیرہ کی رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ تنہا اپنی رائے کو نہ چلانا چاہیے۔ بلکہ بعد میں صحابہ نے اس کا اقرار کیا کہ اگر اس وقت ابو بکر نہ ہوتے تو ہم سب ہلاکت میں پڑ چکے تھے۔

قال عبد الله بن مسعود لقد قمنا بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما كدنا ان نهلك فيه لولا ان الله من علينا بأبي بكر اجمعنا على أن لا نقاتل على ابنه مخاض وابنة لبون ولعبد الله حتى يأتينا اليقين فعزم اليه لابي بكر على قتالهم

الخ۔ کامل ابن الاثیر ج ۲، ص ۱۶۵۔

اس واقعہ سے فقہاء کے اس قول کی تائید ہو گئی کہ خلاف واحد بھی قاذح اجماع ہے کیونکہ اس وقت بجز صدیق اکبرؑ کے اور تمام صحابہ کی رائے تھی کہ مانعین زکوٰۃ سے قتال نہ کرنا چاہیے۔ مگر سب کی رائے غلط تھی اور حضرت صدیق ہی کی رائے صواب تھی۔

نیز ان واقعات سے ان لوگوں کو بھی اپنی غلطی کی اصلاح کرنا چاہیے جو یوں کہتے ہیں کہ اسلام نے جمہوری حکومت کی تعلیم دی ہے۔ وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ ارسال حبش اسامہ و قتال اہل ردّت کے معاملے میں حضرت صدیق اکبرؑ رضی اللہ عنہ نے کس دلیری کے ساتھ اپنی شخصی رائے پر عمل کیا اور تمام صحابہ نے کس اخلاص کے ساتھ اُن کی رائے کا اتباع کیا۔ اسلام میں یہ تعلیم ضرور ہے کہ خلیفہ و امام جماعت مسلمین کے مشورہ سے مقرر ہونے چاہئیں۔ بشرطیکہ خلیفہ سابق نے کسی کو اپنی نیابت و خلافت کے لئے نامزد نہ کیا ہو۔ ورنہ پھر مشورہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خلیفہ کا مقرر کردہ شخص اگر ناکاہل نہ ہو تو سب سے مقدم ہوگا۔ بعد خلیفہ مقرر ہو جانے کے تمام نظم و نسق سلطنت کا اس کی ذاتی رائے پر ہوگا۔ البتہ خلیفہ کو اصحاب علم و فہم سے مشورہ کرتے رہنا مستحب ہے لیکن مشورہ کا قبول کرنا اس کے ذمہ لازم نہیں اگر اس کی رائے مشیرین کی رائے سے موافقت کر جائے تو قبول کر لے ورنہ اپنی رائے پر عمل کرنے کا اسے کامل اختیار ہے۔ اور مسلمانوں کو اس کا اتباع واجب ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی معصیت لازم نہ آتی ہو۔ لَأنّہ لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق و مر ذکرہ سابقاً فتدبر۔

۵۱ حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو مشاجرات ہوتے ان میں تقریباً تمام صحابہ کی رائے تھی کہ صاحب حق کی اعانت کرنا چاہیے چنانچہ جس طرح ان کی ایک بڑی جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔ اسی طرح کثیر جماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی تھی لیکن معدودے چند صحابہ کی یہ رائے تھی کہ دونوں سے الگ رہنا چاہیے، جیسے عبداللہ بن عمر، ابو موسیٰ اشعری، ابو سعید انصاری، ابوبکرہ اور احنف بن قیس مگر کہیں یہ بات ثابت نہیں کہ ان معدودے چند حضرات کو کسی نے مخالفت جمہور کی وجہ سے فاسق و فاجر یا بزدل کا خطاب دیا

عہ یویدہ قولہ تعالیٰ: و شاوہم فی الامر فاذا عزمتم فتوکل علی اللہ لم یقل فاذا عزمتم فذل علی ان الامام یتبد فی العزم بعد الشوری و لیس للمشیرین فی العزم بنصیب ۱۲ منہ

ہو۔ معلوم ہوا کہ مسائل شرعیہ میں جمہور کا قول و فعل حجت ملزمہ نہیں ہے۔ ورنہ یہ معدودے چند صحابہ جمہور کی مخالفت نہ کرتے۔

نیز معلوم ہوا کہ اگر کسی عالم کا قول جمہور کے خلاف ہو تو وہ فاسق و غیرہ نہیں بن جاتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اسی کی رائے صواب ہو اور جمہور کی رائے غلط ہو۔

۶۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بجز عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ و امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تمام صحابہ و تابعین نے یزید کی بیعت قبول کر لی تھی اور اجلہ صحابہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید پر خروج کرنے سے بہت زور کے ساتھ منع بھی فرمایا تھا جبکہ تاریخ دیکھنے والوں سے یہ واقعہ مخفی نہیں۔ پس اگر کثرت رائے پر حق و باطل کا مدار کیا جائے اور مشورہ جماعت کثیرہ پر عمل کو واجب کہا جائے تو نعوذ باللہ حضرت امام سبط رسول کا باطل پر ہونا لازم آئے گا اور اس کو ہرگز کوئی مسلمان قبول نہیں کر سکتا معلوم ہوا کہ قول جمہور حجت ملزمہ شرعیہ نہیں بلکہ اس کی مخالفت جائز ہے۔ اور ممکن ہے کہ جمہور کے خلاف جماعت قلیلہ یا شخص واحد کی رائے صحیح ہو۔

۷۔ مامون الرشید خلیفہ عباسی نے جس وقت خلقِ قرآن کے مسئلہ میں علماء وقت کا امتحان لیا تو بجز احمد رضی اللہ عنہ کے اور سب علماء نے طوعاً یا کرہاً یا توریۃً قرآن کو مخلوق کہہ دیا تھا۔ چنانچہ بجز امام کے اور سب رہا کر دیتے گئے اور حضرت امام بن حنبلؒ کو سا لہا سال حبس اور ضرب کی مصیبت پھیلنا پڑی اگر کثرت رائے پر حق کا مدار ہو تو امام احمد بن حنبلؒ کا قول غلط ہونا چاہیے حالانکہ امت مابعد کا اجماع ہے کہ اس مسئلہ میں امام ہی کا قول صحیح ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر امام بھی قرآن کو مخلوق کہہ دیتے تو ہمیشہ کے لئے ساری امت اسی غلط مسئلہ کی قاتل ہو جاتی۔ معلوم ہوا کہ

مہ قال القاضي الشوكاني في النيل قال في الفتح وقد اجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وان طاعته خير من الخروج عليه لما في ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء ولم يستثنوا من ذلك الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح فلا تجوز طاعته في ذلك بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها كما في الحديث اه ولكنه لا ينبغي لمسلم ان يحط على من خرج من السلف الصالح من العترة وغيرهم على ائمة الجور فانهم فعلوا ذلك باجتهاد منهم وهم اتقى الله واطوع لسته رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن جاء بعدهم من اهل العلم اه ج ۲، ص ۸۴

جمہور کے خلاف قول شخص واحد صحیح ہو سکتا ہے۔

۵: انوار ساطعہ میں عبد السمیع رامپوری نے جواز مولد نبوی بہتیت کذا تیہ مبتدعہ واستحسان قیام بوقت ذکر ولادت شریفہ نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحمیۃ پر علاوہ دیگر دلائل کے ایک دلیل یہ بھی لکھی تھی کہ اس پر جمہور علماء حرمین و مصر و عراق و شام و ہند کا اتفاق ہو چکا ہے۔ لہذا اس کی ممانعت اجماع کی ممانعت ہے۔ اس کے جواب میں حضرت قطب عالم مولانا گنگوہی قدس سرہ نے علاوہ دیگر جوابات کے ایک یہ بات بھی لکھی ہے کہ جن علماء کے اتفاق کا انوار ساطعہ میں حوالہ دیا گیا ہے۔ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری ان کے ہم عصر ہیں اور ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ لہذا یہ اتفاق قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ خلاف عالم واحد بھی قاذح اجماع ہے۔ ملاحظہ ہو براہین قاطعہ۔ معلوم ہوا کہ جمہور علماء کا کسی مسئلہ میں اتفاق کر لینا جبکہ ایک عالم محقق بھی ان کے خلاف ہو محبت نہیں۔ اور شخص واحد کا قول بھی جمہور کے خلاف صحیح ہو سکتا ہے۔

۹: روی البخاری عن عبد اللہ بن عمرو سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لا ینزع العلم بعد ان اعطا المکره انتزاعاً ولكن یتنزعہ منهم مع قبض العلماء بعلمہم فیبقى الناس جہالاً یستفتون فیفتون برائئہم فیضلون ویضلون، اھ فتح الباری ج ۱۳، ص ۲۲۱۔

قال الحافظ فی شرحہ وقد أخرج ابن عبد البر فی کتاب العلم من طریق عبد اللہ بن وہب سمعت خلاد بن سلمان الحضرمی یقول حدثنا راج ابو السمیع یقول یأتی علی الناس زمان یسمن الرجل راحلہ حتی یسیر علیہا فی الامصار یلتمس من یفتیہ بسنة قد عمل بہا فلا یجد الا من یفتیہ بالظن فیحمل علی ان المراد الاغلب بالاکثر فی الحالین ۱۷ ای فی حال وجود المجتہدین المقیدین وبقاء المقلدین الاقربین الی بلوغ درجۃ الاجتہاد المقید كما یفہم من کلامہ سابقاً) وقد وجدہذا شاعراً ثم یجوز ان یقبض اهل تلك الصنعة ولا یبقی الا المقلد الصرف وحينئذ یتصور خلو الزمان عن مجتہد حتی فی بعض الابواب بل فی بعض المسائل ولكن یبقی من له نسبة الی العلم فی الجملة ثم یزداد حیثئذ غلبة الجہل وترئیس اہلہ ج ۱۳، ص ۲۲۳۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں علماء کم ہو جائیں گے اور جہلامرہ ہی زیادہ رہ جائیں گے۔ لوگ جہلامرہ کو سردار بنالیں گے۔ اور ان سے استفادہ کریں گے۔ وہ محض اپنی رائے سے

ان کو جواب دیں گے جس سے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اور حافظ ابن حجر کے قول سے معلوم ہوا کہ یہ حالت اس زمانہ میں ہوگی جبکہ اجتہاد مطلق ختم ہو جائے گا اور اجتہاد مقید باقی رہ جائے گا۔ یا ایسے مقلدین رہ جائیں گے جن میں بعض اجتہاد مقید کے قریب ہوں گے۔ اس زمانہ میں غالب حالت یہی ہوگی۔ جو حدیث مذکور میں ہے۔ گو بعض سنت کے موافق جواب دینے والے بھی ہوں گے۔ پھر بھی ممکن ہے کہ یہ حالت بھی رہے۔ اور بعض ابواب بلکہ بعض مسائل میں بھی اجتہاد کرنے والے نہ رہیں گے بلکہ صرف خالص مقلدین رہ جائیں جن میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو فی الجملہ علم سے نسبت ہوگی۔ اس وقت جہل کا غلبہ زیادہ ہو جائے گا۔ اور لوگ جہلاء کو ہی اپنا سردار بنا دیں گے۔ اھ

میں کہتا ہوں کہ صاحب بصیرت پر یہ بات مخفی نہیں کہ یہ زمانہ اسی حالت کا مصداق ہے جس کو حافظ رحمہ اللہ نے سب سے آخر میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ اجتہاد مقید کے درجہ پر کوئی نہیں بلکہ اس کے قریب بھی نہیں۔ پس اکثر علماء محض مقلد ہیں اور حافظ رحمہ اللہ کے قول کے موافق مشاہدہ ہو رہا ہے کہ آج کل جہلاء کو زیادہ تر سردار بنایا جا رہا ہے۔ جس نے درسیات ختم کر لیں۔ محض وعظ و تقریر کی مشق کر لی اس کو مولانا کا خطاب اور مقتدا کا لقب دے دیا گیا خواہ اس کو قرآن و حدیث کی فہم حاصل ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ بلکہ افسوس یہ ہے کہ آج کل تو بعض ان لوگوں کو بھی مقتدی بنایا جاتا ہے جس کو متنبی اور ابونواس کی طرح عربی لکھنے اور بولنے کی کسی قدر مشق ہو گئی ہو اور ان کا تمام سرمایہ عمر بجز عربی بولنے اور تاریخ لکھ لینے اور معقول و فلسفہ کی باتیں بیان کر دینے کے کچھ نہیں۔ جہلاء تو درکنار افسوس ہے کہ اہل علم بھی ان کے تبحر و ہمہ دانی کے معتقد ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث اور فقہ سے ان کو ذرا بھی مس نہیں۔ اور عمل کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اور اس سے بھی زیادہ افسوس ناک حالت یہ ہے کہ بعض لوگ جن کی ساری عمر انگریزی خوانی میں صرف ہوتی ہے۔ حدیث و فقہ اور تفسیر کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا لیکن فطری طور پر ان کو بیان اور تقریر پر کسی قدر قدرت حاصل ہے ان کو بھی آج کل مقتدی اور پیشوا مانا جاتا ہے عوام تو عوام حیرت یہ ہے کہ بعض اہل علم بھی ان کو فخر قوم، مولانا فلاں کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ اور اپنے قلم سے ان کو مولانا لکھ کر عامۃ المسلمین کو دھوکہ دیتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی پس یقیناً ہی وہ زمانہ ہے جس کی نسبت حدیث میں پیشگوئی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ جہلاء کو سردار بنائیں گے جو اپنی راتے سے مسائل شرعیہ کا جواب دیا کریں گے جس سے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ایسے زمانہ غلبہ جہل میں کسی طرف علماء کی زیادہ تعداد

کا ہونا کیونکہ حقانیت کی دلیل ہو سکتی ہے۔

نابہ قال الحافظ فی شرح البخاری تحت حدیث لا تنزل طائفۃ من امتی الا قلا عن النووی ولا یلزم ان یکنوا مجتمعین فی بلد واحد بل یجوز اجتماعہم فی قطر واحد وافتراقہم فی اقطار الارض ویجوز ان یجتمعوا فی البلد والواحد ان یکنوا فی بعض منہ دون بعض ویجوز اخلاء الارض کلہا من بعضہم ولا فاولیٰ الی ان یبقی الافرقۃ واحدة ببلد واحد ھ ج ۱۳، ص ۲۵۱۔

امام نووی کے قول سے معلوم ہوا کہ کسی وقت ایسا ممکن ہے کہ تمام زمین اہل حق سے خالی ہو جائے۔ اور بجز ایک فرقہ کے جو ایک شہر میں ہو کوئی حق پر نہ رہے۔

اہل انصاف غور فرمائیں کہ جب امت میں ایسی حالت کا ظہور بھی ممکن ہے تو اس وقت کسی طرف جماعت کثیرہ کا ہونا ان کی حقانیت کی دلیل کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس حدیث اتبعوا السواد الاعظم کا اگر وہ مطلب بھی تسلیم کر لیا جاوے جو بعض لوگ بیان کرتے ہیں تو اس کو زمانہ خیر القرون پر محمول کرنا لازم ہے تاکہ دیگر حدیث سے معارضہ لازم نہ آئے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ لایأتی زمان الا والذی بعدہ شرمہ حتی تلقوا ربکم سمعہ من نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو زمانہ آتا ہے اس سے اگلا زمانہ اس سے بدتر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ تم خدا تعالیٰ سے ملاقات کرو۔ میں نے اس کو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ انتہی فتح الباری ج ۱۳، ص ۱۷۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوت سے جس قدر بعد ہوتا جاتا ہے غلبہ شر ہوتا جاتا ہے پھر ایسی حالت میں جس طرف قاتلین کی کثرت ہو اس طرف خیر اور حقانیت ہونے کی کیا دلیل ہے۔ اور جماعت قلیلہ یا شخص واحد کے قول کو محض مخالفت جمہور کی بنا پر غلط کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ جب تک کوئی دلیل شرعی قطعی یا ظنی اس پر قائم نہ کی جاوے محض مخالفت جمہور غلطی کی دلیل نہیں شرعاً۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم وهذا خیر ما اردت ایرادہ فی ہذہ العجالۃ وصلی اللہ علیہ سیدنا محمد خاتم فصّ الرسالة وعلی آلہ واصحابہ رجال الامانۃ ولیوث الیسالۃ والحمد للہ اولاد آخراً وباطناً وظاہراً وانا العبد المفتقر الی رحمۃ الی الصمد عبد المذنب۔

ظفر احمد وفقہ اللہ لتزود لغد وغفرلہ و

لوالدیہ ومشایخہ واخوانہ وأقربائہ وأخلائہ یوملا یجزی والد عن ولد ولا
یعنی احد عن احد فقط۔

تمت۔ یکم ذی الحجۃ الحرام ۱۳۴۰ھ

نقشہ نعل شریف کا شرعی حکم | السؤال ۱۔ نقشہ نعل مبارک جو کہ خدمت والا میں مرسل

ہے ایک رنگونی متمول سیٹھ صاحب نے مستقل طور پر کثیر تعداد
میں چھپوا کر یہاں رنگون میں مسلمانوں میں تقسیم کیا اس غرض سے کہ اس کا ادب و تعظیم بجا لا کر فوائد دین
حاصل کریں۔ غیر مقلدین اور بعض مقلدین نے یہ چرچا دیکھ کر بہت کچھ شور و شغب اور چھڑچھاڑ شروع
کر دی بعضوں نے غلو کر کے یہاں تک کہہ دیا کہ ایک تو یونہی لوگوں کے ایمان میں کمزوری تھی صرف
رائی برابر ایمان باقی رہ گیا تھا اب اس نقشہ مزید قتل و بالوان مختلفہ کی بدولت وہ رہا سہا رائی برابر
ایمان بھی جاتا رہا اس کے علاوہ ان لوگوں نے اپنے اعتراضات کی تقریر بطور ذیل کی اس میں ہدایات مطبوعہ
کے مطابق سروں پر رکھ کر بوسہ وغیرہ دیکر اس سے زیادہ معظم و مکرم چیزیں بھی پڑ گئیں حتیٰ کہ قرآن پاک
و کتب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر آثار و علامت
کی وقعت و عظمت ان کے عمل درآمد سے نظر آنے لگے جو مسلمان ان کی جیسی تعظیم و تکریم بجا نہ لاتے
اس کو بنظر حقارت دیکھیں۔ اس سے چھڑچھاڑ شروع کریں، اس کو بے ادب و گستاخ بتائیں۔

التزام مالا یلزم اور حد و شرعیہ سے تجاوز کا پورا منظر پیش نظر ہو جائے پھر تعجب پر تعجب
ہے کہ یہ لوگ جو کہ اپنے آپ کو متبع سنت اور اہل حق کہہ کر بہت سے امور کو جس کو اہل بدعت بدعات
جس نہ یا شعائر اطہار محبت رسول وغیرہ قرار دیتے ہیں بنا بر مفسد عینیہ کے ناجائز و حرام شرک
و بدعت قبیحہ کہتے ہیں۔ اور نقشہ نعل مبارک کو بایں آب و تاب چھپوا کر ذریعہ نجات بتاتے ہیں
باوجودیکہ عوام کا لالغام کی حالت اور اس کے صدہا امثال و نظائر میں ان کی افراط و تفریط خود بھی مشاہدہ
کر چکے اور کر رہے ہیں۔

نقشہ مذکور کے گرد اگر اشعار و عبارات فضائل وغیرہ ہوتے ہوتے یہ عذر کرنا کہ ہم نے
نقشہ مذکور کے نیچے یہ بھی چھاپ دیا ہے مگر خلاف شرع غلو نہ کریں الخ بالکل لچر ہے خواہشات
نفسانیہ کا غلبہ ہوتے ہوتے اور رفع حاجات دنیوی کا سہل نسخہ ہاتھ آتے ہوتے عوام کا حدود
شرعیہ پر قائم رہنا قطعاً خلافِ ہدایت و مشاہدہ ہے۔ اتنی عبارت کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں
اور نہ اس کا شائع کنندہ مسلمانوں کو ایک نئے فتنے میں پھنسانے کی وجہ سے مواخذہ اخروی سے

بری الذمہ ہو سکتا ہے۔ اس مطبوعہ نقشہ نعلین مبارک میں اثبات مدعا کے لئے کتاب فتح المنعالم فی مدح النعال کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی اثبات مطلوب کے لئے کافی نہیں ہے اھ تقریر المخالفین وفق ما صدر منهم اکثرہ بلسان القول واقلہ بلسان الحال پس جناب والا کی خدمت میں امور ذیل معروض ہیں۔

۱۔ مخالفین کی تقریر مذکور کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک غلط ہے۔

۲۔ نقشہ سمرسلہ کی وجہ سے عوام کا مفاسد میں مبتلا ہو جاتا محتمل قوی ہے یا نہیں۔

۳۔ نقشہ سمرسلہ کو بوسہ دینا و سر پر رکھنا وغیرہ کے مشروع ہونے پر دلیل شرعیہ کیا ہے۔ اگر بطور عمل اور حصول برکت کے لئے جائز کیا جائے تو کیا وجہ ہے کہ رسوم مروجہ، تعزیہ و نقشہ ہاتے مواتے مبارک وجبہ و عمامہ مبارک وغیرہ بے شمار اعمال کے بارے میں اسی وجہ کو کیوں نا کافی سمجھا بلکہ ان میں سے بعض اعمال کو بدرجہ اولیٰ کیوں جائز قرار نہ دیا۔ اور اگر نہیں تو ما بہ الفرق کیا ہے۔

۴۔ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر و زمانہ مجتہدین غظام میں اس طرح بوسہ دینے، سر پر رکھنے وغیرہ کا دستور تھا یا نہیں۔ خاص مواتے مبارک و ملیوسات شریفہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ فیوض و برکات حاصل کرنا امر آخر ہے۔ اور شبیہ دوسری چیز ہے۔ اس لئے یہ امر قابل خیال ہے کہ اس کے ساتھ کسی خاص برتاؤ کا دکھلانا وہی برتاؤ نقل کیلئے ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہوگا۔

۵۔ جبکہ نقشہ نعل شریف اس درجہ واجب التعظیم قرار پائے کہ سر پر رکھ کر اس کے وسیلہ سے دُعا مانگنا باعث قبول و برکت ہو تو دوسری صورت میں اگر کوئی مثل نقشہ نعل چرمی یا چوبی نعل بنوا کر اتباعاً پہننا چاہے جس کا پاک و ناپاک جگہ آمد و رفت میں ملوث ہونا ظاہر ہے کیا حکم رکھتا ہے۔

۶۔ کیا اصل نعلین کے ساتھ کسی صحابی کا یہ معاملہ کرنا ثابت ہے جو اس کی نقل کے ساتھ تجویز کیا گیا ہے۔ فقط

الجواب

قال الحافظ الكبير زين الدين العراقي في الفيه السيرة النبوية على صاحبها افضل الصلوات والسلام ونعله الكريمه المحصونه طوبى لمن مس بها جبينه لها

قابلان بسیر و ہما + سبیتان سبتوا اشعرہما + وطولہا شبر و اصبعان +
 و عرضہا مایلی الکعبان + سبع اصابع و بطن القدم + خمس و فوق ذاقست
 فاعلم + و ہذہ مثال تلك النعل + و دورہا اکرم بہا من نعل + اہم لخصا من
 العزیزی شرح الجامع الصغیر للسيوطی ج ۳، ص ۱۷۲۔

قال الحافظ السيوطی فی حسن المحاضرۃ مترجما للعراقی هو الحافظ الامام الکبیر
 زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمن حافظ العصر عنی بالفن
 فبرع فیہ و تقدم بحیث کان شیوخ عصرہ یبالغون فی الثناء علیہ بالمعرفۃ کالسبکی
 والعلائی وابن الکثیر و غیرہم انتہی ملخصاً۔ ج ۱، ص ۱۵۱۔

قلت و ہو شیخ حافظ ابن حجر۔ اس سے معلوم ہوا کہ مثال نعال نبوی سے اکابر
 محدثین جو غایت متبع سنت تھے سلف عن الخلف شغف رکھتے آتے ہیں۔ اور اس کو اپنے پاس
 رکھنا موجب برکت سمجھتے تھے اس لئے اس کے ساتھ تعظیم و تبرک کا معاملہ شرعاً جائز ہوگا۔
 بشرطیکہ حد شرعی میں ہو۔ اس کی تقبیل بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس کا منشاء محض محبت ہے۔ رہا یہ
 شبہ کہ یہ تو مثال ہے اصل نعل نہیں ہے تو اس کی تقبیل میں کیا محبت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آخر یوم ولادت نبوی جو ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو آتا ہے کیا بعینہ وہ
 دن ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ محض مثال ہے۔ مگر تمام
 مسلمان اس دن کو متبرک سمجھتے ہیں اسی طرح یہاں سمجھو اور تعزیہ وغیرہ کو اس پر قیاس کرنا غلط
 ہے۔ یہی فرق کافی ہے کہ اس کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے علمایا مت سے ثابت نہیں۔ اور
 مثال نعال کے ساتھ۔ حافظ عراقی بہت بڑے محدث ہیں اور متبع سنت ان کا قول مجتہد
 کے قول کے مثل ہے۔ حضرات صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے ساتھ عظمت و محبت
 کا معاملہ بکثرت ثابت ہے۔ نعال نبوی بھی انہیں میں داخل ہیں۔ اس کے لئے صراحت اور تخصیص کی
 کیا حاجت ہے۔ اہل محبت جانتے ہیں کہ محبوب کی تصویر کا بھی دل پر وہی اثر ہوتا ہے جو اس کی
 ذات سے ہوتا ہے۔ باقی اس نقشہ پر چرمی جو تانبہ استعمال کرنا گوشہ شرعاً جائز ہے مگر ادب
 و محبت کے خلاف ضرور ہے۔ باقی ہر عظیم و ادب میں غلو سے بچنا اور حدود شرعیہ پر قائم رہنا ہر مسلمان
 پر لازم ہے۔ اگر کسی جگہ نعل نبوی کے ساتھ عوام غلو کرنے لگیں تو ان کی اصلاح کے لئے خواص کو
 بھی چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ ترک کر دیں جس کی یہ صورت نہیں کہ نعوذ باللہ

ادبی کریں۔ والسلام

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

مقیم خالقہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۴ رجبی الثانی ۱۳۲۵ھ

مسجد میں عورت کے وعظ کہنے کا حکم | سوال ۱۔ محلہ کی مسجد میں ایسے اہتمام و انتظام سے

کہ کوئی مرد داخل مسجد نہ ہو سکے عورتوں کو اجتماع کی

جگہ کے ایک وعظ عورت کا کہلوایا جائے۔ اور عام اعلان کیا جائے کہ فلاں روز فلاں وقت واعظہ

کا وعظ ہوگا۔ حاضرین میں سے جو چاہیں اپنی مستورات کو اجتماع وعظ کی غرض سے بھیجیں یہ اجتماع

واعلان کیا ہے آیا منجملہ حسنات کے ہے یا سیئات کے فقط۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ صورت جائز نہیں گو کیسا ہی اہتمام کیا جائے۔ کسی زنا نہ گھریں وعظ کہنے کا مضائقہ نہیں

بشرطیکہ واعظہ علوم شرعیہ سے واقف ہو اور ناواقف ہونے کی صورت میں نہ مرد کو وعظ کہنے کی

اجازت ہے اور نہ عورت کو۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲ رجب المرجب ۱۳۲۵ھ

تعمیر کے وقت معمار کے ہاتھ سے چیونٹیوں وغیرہ | سوال ۱۔ بچے از محبان کہ از اہل سلوک اُمت

کار معمار می کنند سوائے ایں کار دیگر کار نمیدانند

حیوانات کا مرنا موجب جرم نہیں۔

عیال می دارد خرچہ عیال بریں کسب حلال داشته

است بوقت کندیدن اساس دیوار و پُر کردن آن اساس مورچہا و دیگر حیوان ذی روح مردہ مشود،

بسبب کثرت حیوان پرہیز ناممکن است وصاحب مکان را سوائے ایں مکان دیگر چارہ نیست

وبوقت کہگل کردن صحن مکان وسقف مکان نیز مورچہا بسیار زیر کہگل می آیند و مردہ می سوند

بسبب ایں ضرورت وعدم امکان صورت دیگر ایں جرم معاف است یا خود جرم نیست یا ازیں

کسب توبہ کردہ ترک کردہ آید و عیال اطفال را در فاقہ گذارد مفصل بحزی حوالہ کتاب عنایت

فرمائید۔ عارض مجذخ شش از چوٹی ضلع ڈیرہ غازی خان۔

الجواب

قال في الاشباه : الضرورات تبیح المحظورات وفرع عليها جواز الرمي ای كفارتن سوا بصیان المسلمین ۵۱ (۷۷)، والعلة هی الضرورة ولا یخفی ان مراعاة النملة فی البناء لو كانت واجبة لتعطل البناء ولحضر اصلاً فالظاهر الجواز نعم التقوی والورع ان لا یرتکب قتلها عمداً کما الیه الاشارة فی قوله تعالی لا یحطمنکم سلیمان وجنوده وهم لا یشرعون اخبر بانهم ما کانوا لیفعلوا ذلك عمداً وقد صرح فی العالمگیریة ، بجواز قتل النملة اذا ابتدأت بالاذی والا فیکره (بابا للکراهة) وصرح ایضاً : بجواز احراق الفیله بالشمس للضرورة فانها لا تزول۔
صورت مسئلہ میں اس معمار کو مورچہ و دیگر حیوانات کی رعایت واجب نہیں۔ اگر حیوان کھگل و عمارت سے مرتے ہیں تو اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوگا۔

واللہ اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنه
۱۷ ربيع الاول ۱۴۲۲ھ

مردوں کے لئے چرخہ کاتنے کا حکم | السؤال :- سرشتہ تعلیم کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ پانٹخفالہ اور مکاتیب کے مدرسین چرخہ کی تعلیم حاصل کر کے پانٹخفالہ اور مکاتیب میں بچوں کو تعلیم دیں ہندو مدرسین کو اس میں کوئی عذر نہیں۔ مگر مسلمان مدرسین نے عذر کیا ہے کہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں ہے کہ مسلمان مرد چرخہ کاتیں۔ اس پر افسر سرشتہ تعلیم نے اس امر کا ثبوت طلب کیا ہے۔ لہذا گزارش ہے کہ مہربانی فرما کر اس کی نسبت جو حکم شرعی ہو تحریر فرماویں۔

الجواب

في الدر المختار: غزل الرجل على هيئة غزل المرأة يكره۔ قال الشامي تحت قوله يكره: لما فيه من التشبيه بالنساء وقد لعن عليه الصلوة والسلام المشبهين والمشتبهات لما قدمناه۔ ج ۵، ص ۲۲۱۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی طرح چرخہ کاتنے کا شغل کرنا مردوں کے لئے مکروہ ہے۔ اور

زمانہ قدیم سے یہ کام عورتوں کے ساتھ مخصوص چلا آ رہا ہے۔ اس لئے مردوں کا اسے اختیار کرنا تشبیہ بالنساء ہے۔

البتہ چرخہ کے علاوہ کوئی اور آلہ ایجاد کیا جاوے جو چرخہ سے مشابہ نہ ہو تو اس میں مردوں کو سوت کا تنا بلا کر بہت جائز ہوگا۔ کیونکہ اس میں تشبیہ بالنساء نہ ہوگا۔

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ

السوال :- کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کو بہشت و دوزخ کی سیر کی اور دوزخ میں تین رنگ برنگ عذاب میں لوگوں کو مبتلا دیکھا وہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو شبِ معراج میں عذاب میں مبتلا دیکھا تھا ان میں مسلمان بھی تھے یا نہیں۔ اور اس روایت کے منکرین کا کیا حکم ہے

لوگ اپنی امت کے تھے یا غیر۔ وہ عذاب واقعی تھا یا نمونہ۔

الجواب

یہ عذاب عالم برزخ میں دیکھا جو عالم آخرت اور دنیا کے درمیان واسطہ ہے۔ اور یہ معذبین بعض اس امت کے بھی تھے اور پہلی امتوں کے بھی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۶ شعبان ۱۳۴۲ھ

السوال :- نہایت مودبانہ التماس ہے کہ مسئلہ پوسٹ کارڈ دو چار روز قبل بندہ کو موصول ہوا ہے۔ اور بندہ کو اچھی طرح معلوم

ان کارڈوں کا حکم جن میں مکتوب الیہ کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ بھی اس کی نقل دوسروں کو لکھیں

ہے کہ اس قسم کے خطوط لوگوں میں عام طور پر مروج ہیں۔ مگر یہ پہلا موقع کا خط ہے کہ مجھے ایسا خط دیکھنے کا اتفاق ہوا یہ کس حد تک جائز ہے۔ یا ناجائز ہے۔ براہ مہربانی مفصل طور پر جواب تحریر فرمائیں۔ اور اگر ناجائز ہے تو بندہ کا ارادہ ہے کہ اس خط کو اور آنجناب کے جواب دونوں کو ایک دو اخباروں میں شائع کروایا جاتے تاکہ مسلمانوں کے پیسے کم از کم اس زائد

خرچ سے محفوظ رہیں۔ گناہ تو درکنار۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک نعبہ دایا ک نستعین۔ اهدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین ۱۶

مکرم بندہ

اگر ممکن ہو سکے تو آپ بھی چار عدد کارڈ اپنے دوست و احباب کو تحریر فرمادیں کیونکہ جیسے ذات ربی نے مجھے اپنی مہربانی و عنایت سے خوشیاں بخشی ہیں آپ کو بھی ویسے ہی راحت و خوشی نصیب ہو (آمین)

والسلام

الراقم بندہ شیر محمد سیکند کلرک برٹش
قونسلٹ سٹیان ڈاکخانہ میر جاوید بلوچستان

الجواب

۱۔ کارڈ مرسلہ دیکھا شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ بوجہ چند ایسے کارڈ لکھنا جائز نہیں۔
۲۔ اس میں اعتقاد ہے اس امر کا کہ ایسے کارڈ لکھنے سے راحت و خوشی نصیب ہوگی۔ اور یہ اعتقاد بے دلیل ہے۔ بے دلیل امر کا اعتقاد جائز نہیں۔

۳۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس کارڈ کی نقل اپنے احباب کے پاس نہ بھیجیں گے تو ہم کو کوئی ضرر پہنچے گا۔ کسی بات میں بلا وجہ ضرر کا اعتقاد ناجائز ہے۔

۴۔ اکثر لوگ اس کو تو دین کا کام سمجھتے ہیں۔ اور جو بات شریعت میں بے اصل ہو اس کو دین اور ثواب سمجھنا بدعت محرمہ ہے۔

۵۔ اس میں بلا وجہ کارڈوں کا صرف ہے جو داخل اسراف ہے اور اسراف شرعاً حرام ہے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خالقہ امدادیہ

۴ شعبان ۱۴۲۵ھ

چولہے میں اسپرٹ جلانا جائز ہے | السؤال : ما قولكم ايها العلماء رحمكم الله تعالى
في هذه المسئلة - کہ یہ جو اسپرٹ برقی چولہے میں استعمال
کیا جاتا ہے مشہور ہے کہ اس میں شراب کے ساتھ اور چیز بھی ملی ہوتی ہے۔ ضرورت کے مقام
پر سہولت کی غرض سے اس کو استعمال کرتے ہیں۔ حسب شرع کوئی ناجائز عمل تو نہیں۔
بینوا توجبروا۔

المستفتی

احقر محمود حسن ڈھاکوی

طالب علم مدرسہ دارالعلوم دیوبند ۱۵ شعبان

الجواب

یہ اسپرٹ جو چولہے میں جلاتی جاتی ہے گھٹیا قسم کی ہے۔ جو خمور اربعہ کی روح ہرگز نہیں ان
کے سوا کسی اور معمولی خمر کی روح ہوگی اور اس وقت عموم ابتلا کی وجہ سے گھٹیا اسپرٹ
کے استعمال کی اجازت پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ رنگ اور پڑیا بہت سی اشیاء میں اس
کی آمیزش ہے۔ جس سے احتراز بہشوار ہے۔ جب ابتلا عام کی وجہ سے گھٹیا اسپرٹ کو مباح
الاستعمال قرار دیا گیا تو ہر جگہ اس کے لئے حکم حلت و اباحت و طہارت کا ہوگا۔

الشیء اذا ثبت تبت بلوازمہ :

البتہ بلا ضرورت استعمال سے جہاں تک ہو سکے پچنا اولیٰ و افضل ہے۔ پس اگر چولہے
کی اسپرٹ میں شبہ اسپرٹ ہی کی وجہ سے تھا تو اس کا جواب تو ہو گیا اور اگر دوسری شے کی
وجہ سے شبہ ہے تو جب تک دوسری شے کی حقیقت واضح نہ کی جاوے اس وقت تک جواب

عہ : طبی جوہر مطبوعہ اشرف المطابع ص ۱۶۰ جدید پر تصریح ہے کہ اسپرٹ کی تین قسمیں ہیں۔ اور ہندوستان
میں گھٹیا قسم کی اسپرٹ بنتی ہے جو آلو۔ بیر۔ گیہوں۔ جو وغیرہ کی شراب سے بنتی ہے۔ اور اعلیٰ
اسپرٹ ولایت میں بنتی ہے جسے انگور، سیب، آنا۔ منقہ۔ کی شراب کی روح ہے اور اعلیٰ قسم
کی اسپرٹ قیمتی ہے جو دواؤں میں ڈالی جاتی ہے ۱۲ منہ

نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۸ شعبان ۱۴۲۹ھ

استفتاء مشتمل پر چند سوالات مختلفہ | السؤال :- جس وقت جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی تو راستہ میں ایک عورت کے

گھر سے گزرے یعنی ام معبد بنت خالد کے مکان سے گزرے ان کی ایک بکری جو دودھ ہرگز نہ دیتی تھی آپ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیر دیا۔ وہ دودھ سے بھر گئی۔ اس واسطے آنجناب سے گزارش ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا کہ نہیں۔ دیگر اونٹ کا بولنا۔ بھیڑیا کا جنگل میں بولنا، ابو جہل کے ہاتھ میں پتھروں کا بولنا۔ یہ حدیث صحیح بھی ہے۔ اور حضرت سے مسکرانے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سوتی پر ولینا آیا حدیث ہائے صحیح ہیں یا کیونکر۔ جواب جلدی تحریر فرماویں۔

السائل

مستری حافظ احمد بخش ملتان شہر

اندرون حرم گیٹ۔ ملتان

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کے وقت خبار ام معبد پر گزرنا اور اس کی دودھ کی بکری کے تھنوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ دوھنا حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے اور اس کو متواتر صحیح الاسناد کہا ہے۔ واما الذہبی فقد تکلم علی الاسانید من حیث الصحۃ ولم ینکر التواتر۔ (ج ۳، ص ۱۰)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹوں کا کلام کرنا خصائص کبریٰ ج ۲، ص ۵۶ تا ۵۸ میں طرق متعددہ سے مذکور ہے۔ پس یہ بھی بے اصل ہرگز نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھیڑتے کا ایک شخص سے کلام کرنا اور اس کا مسلمان ہو جانا۔ نیز بھیڑتے کا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنا خصائص کبریٰ میں (ج ۲، ص ۶۲) بطریق متعددہ مذکور ہے۔ جس میں پہلے قصہ کی تصحیح بھی حاکم و بیہقی وغیرہ سے مذکور ہے۔ اور کنکریوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں بولنا پھر ان کو ابو بکر، عمر، عثمان کے ہاتھ میں رکھ دیا ان کے ہاتھوں میں بھی بولنا۔ چند طرق

خصائص کبریٰ ج ۲، ص ۲۵، میں مذکور ہے۔ اور ایک طریق کی بہیسی نے بھی تخریج کی ہے اور وہ موضوعات کی روایت کبھی نہیں کرتے۔ فقد التزام ان لا یروی موضوعاً ذکرہ السیوطی فی اللالی۔ الخ

اور آپ کے منسنے سے بیوی صاحبہ کا سوئی پر ولینا روایت میں نہیں ملا ہے ہاں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے وقت تین دفعہ گھر میں نور کا روشن ہونا خصائص ج ۲، ص ۲۵ میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خالقہ امدادیہ

۱۰ رمضان ۱۴۲۵ھ

السوال :- آیت تخنیر کے

بعد آیا سردار دو جہاں نے کسی عورت کو

طلاق دی۔ کسی روایت سے لوکان ضعیفاً

سے اس کا پتہ چلتا ہے اگر نہیں تو جس کتاب میں یہ مسئلہ اس کے متعلق خیال عالی مطلع فرماویں۔

الجواب

فی الدر المنثور: اخرج ابن سعد عن عمرو بن سعيد عن ابيه عن جده قال لما خير رسول الله صلى الله عليه وسلم نسائه بدار بعائشة رضي الله عنها قال ان الله خيرك فقالت: اخترت الله ورسوله ثم خير حفصة فقالت جميعاً اخترت الله ورسوله غير العامرية اختارت قومها فكانت بعد تقول انا الشقية وكانت تلقط البعرتبعية وتستاذن على ارجاء النبي صلى الله عليه وسلم وتقول: انا شقية واخرج ابن ابي حاتم عن سعيد بن جبیر رضي الله عنه قال: امر الله تعالى نبيه صلى الله عليه وسلم أن يخير نسائه في هذه الآية فلم تختار واحدة منهن نفسها غير الحميرية۔

واخرج ابن جرير وابن المنذر وابن ابي حاتم: عن قتادة والحسن رضي الله عنهما كان تحته يومئذ تسع نسوة خمس من قريش عائشة وحفصة وام حبيبة

وسودة بنت زمعة وأم سلمة. وكانت تحتها صفية بنت حيي الخيبرية وميمونة بنت الحارث الهلالية وزينب بنت جحش الاسدية وجويرية بنت الحارث المصطلقه وبداء بعاشة رضي الله عنها. فلما اختارت الله ورسوله ودار الآخرة.

روى الفرج في وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم فتتابعن كلهن على ذلك فلما خيرهن اخترن الله ورسوله ودار الآخرة. وشكرهن الله على ذلك ان قال لا يحل لك النساء من بعد ولا أن تبديل بهن من أزواج ولوا عجيبك حسنهن فقصة الله تعالى عليهن وهن التبع الا أني اخترن الله ورسوله اه (ج ۵، ص ۱۹۵)

وفي الصحيح: عن عائشة: بعد قولها ففي اي هذا الستامرا البوي فاني اريد الله ورسوله والدار الآخرة قالت ثم فعل أزواج النبي صلى الله عليه وسلم مثل ما فعلت اه

قال الحافظ في الفتح واستدل به بعضهم على ضعف ما جاء أن من الأزواج حينئذ من اختارت الدنيا فتزوجها وهي فاطمة بنت الضحاك لعموم قوله ثم فعل الى آخرة اه ج ۸، ص ۲۰۲ -

وفي الاصابة في ترجمة فاطمة بنت الضحاك الكلابية قال: ابن الحق تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد وفات ابنته ونخيرها حين نزلت الآية التخيير فأختارت الدنيا. قال أبو عمر هذا عندنا غير صحيح لأن ابن الشهاب يروي عن أبي سلمة وعروة عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حين خير أزواجه بداء بها فاختارت الله ورسوله وتتابع أزواجه رسول الله صلى الله عليه وسلم كلهن على ذلك. وقال قتادة وعكرمة كان عنده حين خيرهن تسع نسوة وهن الاثني توفى عنهن وكذا قال جماعة ان الاثني كانت تقول أيا شقية وهي التي استعادت واختلف في المستعيذة اختلافاً كثيرة. وقد قيل: ان الضحاك بن سفيان عرض عليه ابنته فاطمة وقال انها لم تصدع قط فقال لا حاجة لي بها. قال الحافظ: اخرجه في الصحيح وقد قيل انه تزوجها سنة ثمان اه ج ۸، ص ۱۶۲ -

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بعض ضعیف روایات میں یہ آیا ہے کہ وقت نزول آیت تخيير کے ایک بیوی نے جس کو بعض نے کلابیہ کہا ہے اور بعض عابریہ اور حمیریہ اور نام فاطمہ بنت ضحاك بیان

کیا ہے۔ دنیا کو اختیار کیا۔ اس لئے ان پر طلاق واقع ہو گئی۔ کما هو الحكم في تخيير الازواج انهن اذا اخترن انفسهن وقع عليهن تطليقة بالسنة۔ لیکن بعد میں پھر ان سے نکاح ہو گیا اور وہ ان ازواج کے علاوہ ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ کر وصال فرمایا۔ پس اگر ان سے وہی نکاح ہوا تو ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کا وصال ہو گیا ہوگا۔ مگر یہ روایت نہایت ضعیف ہے۔ صحیح روایت کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے قابل اعتماد نہیں صحیح یہ ہے کہ نزولِ تحفیر کے وقت حضور کی وہی نوازواج تھیں جن کو چھوڑ کر آپ نے وصال فرمایا۔ اور ان میں سے کسی نے دنیا کو اختیار نہیں کیا اور نہ کسی پر تختیر کی وجہ سے طلاق واقع ہوگی۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

التنبیہ علی الخطای من : مصنف برحلتہ المصطفیٰ | السؤال : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کتاب رحلت مصطفیٰ : مؤلف عبدالرزاق ملیخ

آبادی ص ۹۷ میں مندرجہ ذیل عبارت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تقریر بحوالہ ابن سعد درج ہے۔ پھر کہا لوگوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح بگڑ جاتے گا جس طرح تمام آدمیوں کا بگڑ جاتا ہے۔ رسول اللہ بلا شک وفات پا چکے۔

ص ۹۲ پورے ڈیڑھ دن اور ایک رات لاش رکھی رہی صحابہ کو آپ کی وفات میں شک تھا۔ پھر احتیاط بھی اسی میں سمجھی گئی کہ دفن میں دیر کی جاوے تاکہ موت پوری طرح یقینی ہو جاوے۔ نیز یہ بھی وجہ تھی کہ سب مومنین کو نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت نصیب ہو غرض کہ لاش رکھی رہی یہاں تک کہ شکم مبارک پھول گیا۔ اور چھنگلیا میں کچی دکھائی دی۔ ناخنوں کا رنگ تبدیل ہو کر سبز ہو گیا۔ حوالہ ابن سعد۔

ان امور کے متعلق گزارش ہے کہ حضرت عباسؓ کا یہ خطبہ اور یہ الفاظ ابن سعد نے کہاں سے لئے۔ جبکہ حدیث صحیحہ میں اس کا ذکر نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا رنگ متغیر ہونا اور شکم مبارک کا پھولنا احادیث کے مخالف ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔

حرام علی الارض ان یا کل اجساد الانبیاء وغیرہ وغیرہ حضرت قاضی شمس الدین پتی

تفسیر منطہری میں زیر آیت ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ الایہ۔ کہ شہداء اُحد کے اجساد مبارک امیر معاویہ کے حکم سے چالیس سال بعد نکلوائے گئے جب کدال حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاتے مبارک پر لگا تو خون بہنے لگا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی نعش کو چھ ماہ بعد نکالا تو جسم بعینہ تر و تازہ پایا گیا جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے۔ اب گزارش یہ ہے حضور انور علیہ التحیہ والتسلیم کے جسم مبارک میں کیوں تغیر پیدا ہوا۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو ایسے الفاظ فرمائے کہ ہر دو امر شان نبوت۔ حیات نبی حدیث صحیحہ کے مخالف تو نہیں۔

فقط و سلام
احقر حکیم سید احمد حسن میونسپل کمشنر
۱۱ نومبر ۱۳۲۷ھ

جواب

اس مصنف کا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ایسی روایت جو حدیث صحیحہ کے خلاف ہے لکھنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نہیں ہے۔ اور اگر سلف میں سے کسی نے اگر ایسا کیا ہے تو ان کا مقصود محض روایات کا بٹما ہوا جمع کرنا تھا۔ کیونکہ محدث کا منصب ہے کہ ہر بات میں تمام روایات صحاح و سنن و صفات بلکہ بعض دفعہ موضوعات تک بیان کر دیتا ہے پھر اس کا ضعف وغیرہ ظاہر کرتا ہے یا طبعاً علم کے فہم پر اعتماد کر کے سکوت کرتا ہے۔ لیکن اس مصنف کا مقصود تو فن حدیث کی کتاب مدون کرنا نہ تھا بلکہ واقعہ حلت لکھنا تھا تو اس کو لازم تھا کہ حدیث کی تحقیق کر کے لکھتا ورنہ صحاح کی روایت پر اکتفا کرتا۔ کیونکہ اس کی یہ کتاب عوام کے ہاتھ میں پہنچے گی۔ اور ایسی روایت سے ان کے عقائد میں تزلزل کا اندیشہ ہے۔ اس تمہید کے بعد جواب عرض ہے۔

۱۔ حدیث اول میں تو حدیث صحیحہ کی مخالفت کچھ بھی نہیں ہے ہاں اس مصنف کے ترجمہ سے مخالفت کا وہم ہو سکتا ہے۔ کنز العمال میں یہ روایت تخریج ابن سعد مذکور ہے حدیث طویل ہے جس میں سے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا جاتا ہے۔

عن عکرمۃ توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا انما عرج بروحہ کما عرج بروح موسیٰ وكان عمر خطیباً یوعد المنافقین وقال ان رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم لم يميت وانما عرج بروحه كما عرج بروح موسى ولم ينزل عمره تكلم
حتى ازبد شد فاه فقال العباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يا سن كما يا سن
البشر وان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد مات فادفنوا صاحبكم ايميت احد
كم اماتة ويميته اماتتين هو اكرم على الله من ذلك - فان كان كما تقولون فليس
على الله بعزیز ان يبحث عنه التراب فيخرجه ان شاء الله الحديث ابن سعد

(ج ۲، ص ۵۳)

اس کا مطلب بیان کر دینے سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری ہے۔ کہ اس روایت میں علت
انتقطع تو ظاہر ہے کیونکہ عکرمہ نے حضرت عمر و حضرت عباس رضی اللہ عنہما و عنہم کو نہیں پایا۔ اور
بقیہ سند کا حال بھی معلوم نہیں کہ اس کے بقیہ رواۃ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ اور آیا ابن سعد نے یہ روایت
اپنے استاد واقدی کے ذریعہ سے روایت کی ہے۔ جو مجہول ہیں ضعفار کے ساتھ روایت کرنے
میں متہم ہیں اور خود بھی مجروح و مشکم فیہ ہیں۔ یا کسی اور سے روایت کی ہے۔ جب تک سند
معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک یہ روایت قابل اعتماد نہیں۔ اور علامہ سیوطی کا اس کو جمع الجوامع
میں نقل کرنا اسی امر پر مبنی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ فطیقہ محدث یہ ہے کہ وہ تمام روایات کو جمع کر دے
إلا ان يكون التزم الصحة فلا يخرج غير الصحيح۔ اس کے بعد الفاظ پر گفتگو کرتا ہوں اس
حدیث میں حضرت عباسؓ کا یہ قول ہے۔ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يا سن كما يا سن
البشر وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد مات۔ جس کا ترجمہ مصنف مذکور نے یہ کیا
ہے کہ لوگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھی بگڑ جاتے گا جس طرح تمام ادھیوں کا بگڑ جاتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اھ لیکن ہمیں اس ترجمہ میں کلام ہے۔ کیونکہ اس کے
معنی لغت میں دو ہیں۔ ایک دوران و غشی کے اور دوسرے تغیر کے ملاحظہ ہو مجمع البحار ج ۱،
ص ۳۲۔ جس میں اول یہ معنی لکھے ہیں رمیت طبياً فأسن فمات ای اصابہ دوارا وہی
الغشی اس کے بعد تغیر کے معنی بیان کئے ہیں پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں یا سن کا معنی اول ہے
اور اس وقت یہ جملہ حضرت عمر کے اس قول کو تسلیم کر کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غشی ہو گئی ہے
جملہ آئندہ کے لئے بمنزلہ تمہید کے ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بے ہوش بھی ہو سکتے ہیں۔ جبکہ آدمی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

اور واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے۔ اور تغیر کے معنی لیتے جاتیں

تو اس سے کہاں یہ لازم آتا ہے کہ آپؐ کا جسم بگڑ جائے گا۔ کیونکہ اس کے لئے بلاوجہ حذف لفظ جسم کا قاتل ہونا پڑتا ہے بلکہ مراد مطلق تغیر ہے مطلب یہ ہے جس طرح اور آدمیوں میں تغیرات ہوتے ہیں کہ آج حیات ہے کل ممات اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی متغیر ہو سکتے ہیں۔ اور چونکہ ان کی جو حالت بزمانہ محیات ہوتی ہے وہ ظاہر میں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور حالت ممات اس کے اعتبار سے ایک تغیر عظیم ہے۔ اس لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو یا اس سے تعبیر فرمایا ہے اور اگر یا سن کا معنی تغیر جسم کے لئے جاتیں جیسا کہ مصنف نے لیا ہے۔ تو یہ روایت اس پر محمول کی جائے گی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حدیث حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض۔ اس وقت تک پہنچی ہوگی۔ اس واسطے یہ بات ان کی زبان سے نکل گئی۔ اور چونکہ صحابہ اس وقت پریشان و صدمہ میں تھے۔ اس لئے کسی نے اس پر التفات نہ کیا کہ انکار کیا جاتا مگر تغیر جسم پر اس کو محمول کرنا بعید ہے۔ کیونکہ حضرت عباس پر اس حدیث کا مخفی رہنا زیادہ بعید نہیں۔ کیونکہ ان کا اسلام متاخر ہے۔ مگر قدر بعد سے خالی نہیں۔ دوسرے کثر العمال میں حضرت عباسؓ کا یہ قول بھی مذکور ہے عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ ان علیا غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعباس یصیب الماء وأسامۃ وشقران یحفظان الباب فلما فرغوا قال العباس مخزنۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ادفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراب ولكن اعد له صندوقا واجعله فی بیتی فاذا اکرم بنی امر نظرت الیہ فقال علی عباس امارأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدفن اولادہ ثم تلا هذه الآية منها خلقناکم وفيہا نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخرى۔ الحدیث وعزاه الی ابن معزوفی۔ ج ۴، ص ۵۶

اگر حضرت عباس کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم دوسرے آدمیوں کی طرح بگڑنے والا ہوتا تو وہ صندوق میں رکھنے اور بوقت پریشانی دیدار و زیارت کرنے کا خیال ظاہر نہ فرماتے۔ مجھے اس دوسری حدیث کی سند بھی معلوم نہیں جس طرح ابن سعد کی روایت مذکور کی سند معلوم نہیں، اس لئے اس کا معارضہ اس سے کرنا درست ہے پس احتمالی بن اولین

اولیٰ ہیں۔

۲: دوسری روایت کے متعلق عرض ہے کہ یہ حدیث صحیحہ کے خلاف ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

غسلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ فجعلت النظر ما یكون من المیت فلم از شیاً وکان طیباً حیاً ومیتاً صلی اللہ علیہ وسلم اخرجہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط شیخین وافرہ علی ذلک الذہبی فی تلخیصہ وقال علی شرح م (ج ۳، ص ۵۹)

وقال الملا علی القاری فی شرح ہذا الحدیث وقد وردی عن علی کرم اللہ وجہہ انہ حین غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح بطنہ فلم یجد شیاً فقال طبت حیاً ومیتاً۔

وفی روایۃ ما ح ریح المسک فی البیت کما فی بطنہ وقیل وانتشر فی المدینۃ قال وسطعت منہ ریح طیبۃ لم یجد مثلھا قط انتھی کذا فی شرح الشفاء واخرجہ فی کنز العمال نخوہ بمعناہ وغیرا الی ابن سعد اھ (ج ۲، ص ۵۶)

پس ابن سعد کی روایت تو صحیح روایت کے موافق ہے اور جو روایت مصنف رحلت نے نقل کی ہے وہ ان روایات کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر میں تغیر آگیا تھا جو میت کے جسم میں عادتاً آجاتا ہے۔ نیز انتفاح بطن کے بعد عادتاً خوشبودار ہوا کا نکلنا بعید ہے کیونکہ جسم کا تغیر ہوا کے تغیر کو بھی عادتاً مقتضی ہے حالانکہ علیؑ نے صحیح روایات میں اس کی بالکل نفی فرمائی ہے۔ لیکن ابن سعد کی یہ روایت جو مصنف رحلت نے نقل کی ہے۔ حدیث ان اللہ حرم اجساد الانبیاء علی الارض ان تا کلھا، کے منافی نہیں کیونکہ یہ تغیر بوجہ انتفاح ریح وغیرہ کے ہوا کرتا ہے ارض کے فعل کو اس میں دخل نہیں۔ حدیث۔ ان اللہ حرم الخ کا مقتضی تو حرف اتنا ہے کہ زمین انبیاء کے اجسام کو نہیں کھاتی سکتی۔

رہا یہ کہ ہوا وغیرہ سے بھی تغیر نہیں ہوتا اس سے وہ حدیث ساکت ہے لیکن سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حاکم کی روایت اور ابن سعد کی وہ روایت جو کنز العمال سے ہم نے نقل کی ہے خاص طور پر یہ بتلاتی ہے کہ آپؐ کے جسم میں ہوا وغیرہ سے بھی کوئی تغیر نہیں

ہوا۔ اور آپ کے جسم میں معمولی مردوں کی طرح کوئی بات نہیں پائی گئی بلکہ اس کے خلاف ریح طیبہ کا مہکنا اور مشک کی خوشبو غسل کے وقت پھیلنا متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ پس ابن سعد کی یہ روایت انتفاع بطن وغیرہ کا ذکر بزرگ مصنف مذکور ہے ہرگز قابل التفات نہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس میں بھی مصنف مذکور نے ترجمہ الفاظ حدیث میں غلطی کی ہو۔ جیسا کہ پہلی حدیث میں وہ کر چکا ہے۔

واللہ اعلم
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
ازھتہانہ بھون

۱۸ جمادی الاول ۱۲۶ھ

حرام و حلال مخلوط مال کا حکم | السؤال :- تین مہینے ہوتے کہ ہمارے مدرسہ میں ایک طالب علم آیا ہے۔ ہے تو غریب مگر اس کے پاس کچھ مال ہے بعض اس میں سے ایسا ہے کہ اس کا باپ جب زندہ تھا تو کہیں روپیہ رکھا تھا اور اس نے دو چار چرالئے۔ اور بعض قبر زیارت وغیرہ کر کے جمع کر لیا۔ مالک نصاب ہونے کے بعد بھی زکوٰۃ و صدقات واجبہ لیتا رہا اور روپیہ پاس ہوتے ہوتے سوال کر کے بھی روپیہ جمع کیا۔ یہ جانتا تھا کہ یہ سب ذرائع ناجائز ہیں۔ اور کچھ روپیہ حلال مال میں سے بھی ہے۔ مگر حرام و حلال مخلوط ہو گیا ہے۔ ایسے روپیہ سے کتابیں بہت خریدی۔ اور کپڑا وغیرہ بھی اس وقت نقد سو روپیہ ہے اب اس پر خوف خدا غالب ہوا ہے کہ اس سے رہائی اور نجات کی فکر ہوتی۔ اب پریشان ہے کہ ان اشیاء اور روپیہ کو کیا کروں وہ چاہتا ہے کہ سب کو صدقہ کر دیں مگر ایک تردد یہ ہوا کہ پانچ بھائی ہیں اب وہ لوگ بھی اس کی کمائی میں شریک ہوں گے۔ یعنی باپ کی کمائی میں صدقہ کرتے وقت اگر ان سے اجازت لے لے تو وہ اس پر راضی نہ ہوں گے۔ اور بے پوچھے کیسے تصرف کرے۔ البتہ زیادہ زور دینے پر مجبوراً راضی ہوں گے۔ نیز یہ کہ باپ سے کتنا روپیہ چرایا تھا وہ معلوم نہیں وہ تو ورثہ کو حصہ رس تقسیم کرنا ہوگی مگر مقدار یاد پڑنے سے مشکل پڑا اور ایک قرآن مجید ۱۱ روپے کا ہے آٹھ روپیہ ایک شخص نے دیا تھا اور تین روپیہ اپنی جیب سے دیا تھا۔ مگر وہ تین روپیہ بھی مال مشتبہ میں سے ہے اور روپے والے نے کہا کہ تم ہی پڑھنا کسی دوسرے کو نہ بیچنا۔ اب اس قرآن شریف کو کیا کروں۔ اب حضرت والا ارشاد فرماویں

کہ اس کی نجات کیسے ہوگی۔ جو اپنے کسب کا ہے اور مشترکہ ہے اس کا کیا کریں۔ اور جواب
سے لیا تھا اس کو کیا کریں۔

اساتل

اطہر علی مدرسہ جامعہ ملیہ صدر مکلا

الجواب

حرام و حلال مخلوط ہونے سے یہ سب مال اُس شخص کی ملک ہو گیا۔ مگر ملکِ خبیث
ہے اس لئے اگر اہل حقوق کے حقوق کا بدلہ ادا کر دیا جائے تو یہ سب حلال ہو جائے گا۔ جس
کی صورت یہ ہے کہ باپ سے جتنا روپیہ چرایا تھا۔ اس کا تخمینہ سے اندازہ کریں۔ اور تخمینہ سے
جو اندازہ ہوا اس کو سب ورثاء کا حق سمجھیں اور اس میں سہام شرعیہ معلوم کر کے سب
ورثاء کو اطلاع کر دیں کہ آپ کا میرے ذمہ اتنا اتنا روپیہ ہے یا معاف کر دیا وصول کر لو۔
اگر معاف کر دیں بشرطیکہ وہ سب بالغ ہوں تو ان کے حقوق سے بڑھی ہو جائے گا۔ اور نابالغ
کی معافی لغو ہے۔ اس کا حق ادا کرنا لازم ہے۔ اگر وہ معاف نہ کریں تو ان کے حق کو ادا کر دے
خواہ دفعۃً واحدہ یا تدریجاً۔ اسی طرح اندازہ کر کے زکوٰۃ و صدقات واجبہ کا کتنا مال لیا
ہے۔ اور یاد کر لے کہ کن کن لوگوں سے لیا ہے اگر وہ آدمی معلوم ہوں تو ان کو یہ مقدار ادا کر دے
اگر معلوم نہ ہوں تو ان کی طرف سے بنیت زکوٰۃ یہ رقم فقراء پر تقسیم کر دے۔ خواہ دفعۃً اس کی
استطاعت ہو یا تدریجاً ادا کرنے میں مشغول ہو جائے۔ اور جو مال سوال کر کے حاصل ہوا ہے
اور زیارت قبر سے حاصل کیا ہے وہ اس کی ملک ہو گیا ہے۔ مگر ملکِ خبیث ہے اس کا بھی
اندازہ کر کے فقراء کو دیدے خواہ دفعۃً ہو یا تدریجاً۔ اگر اس وقت سے ادا حقے حقوق میں لگ
جاتے گا۔ اور جتنا ادا کر سکتا ہے ادا کرتا رہے گا تو اس مال مخلوط من الحلال والحرام
سے انتفاع اس کو جائز ہو گا۔ اور اس قرآن میں تلاوت بھی جائز ہے۔

واللہ اعلم

حسبہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از کھانا بھون خالقہ اشرفیہ

۱۸ / رجب ۱۴۲۶ھ

دو بالغ مرد ایک چارپائی پر ایک ہی
لحاف میں سو سکتے ہیں یا نہیں؟

السؤال :- دو بالغ مردوں کو ایک چارپائی پر
ایک ہی لحاف اوڑھ کر بضرورت یا بلا ضرورت سونا
کیا ہے۔ بحوالہ کتاب ارشاد فرماویں۔

السائل۔

بندہ احمد بن غفرلہ
متعلم مدرسہ کنز العلوم قصبہ بانڈہ ضلع فیض آباد
جمعہ، ۳ شعبان ۱۳۲۶ھ

الجواب

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مروا ابناءکم بالصلوۃ اذا بلغوا سبعاً
واصندوا علیہا اذا بلغوا عَشراً و فرقوا بینہم فی المضاجع رواہ البوداؤد
ودارقطنی وغیرہما والسند حسن کما فی الاعلاء۔

اس سے معلوم ہوا کہ دس برس کے بعد ایک خوابگاہ میں دو لڑکے نہ سوتیں۔ جب مراہق کے
واسطے یہ امر ہے تو بالغ لڑکوں کے واسطے یا مردوں کے واسطے کس طرح اس کی گنجائش ہوگی
ولان فی ذلک فتنۃ ہیجان الشہوة والاحتراز منہ لازم ومقدمۃ الواجب واجب۔
واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
ان خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
۷ شعبان ۱۳۲۶ھ

السؤال :- حضرت میرا نام عبدالصبار ہے اور لفظ صبار
میں مجھے کچھ شک ہے یعنی دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا لفظ

صبار عبد کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟ بظاہر معنی تو یہ ہے کہ عبدالصبار یعنی صابر کا بندہ
لہذا مجھے مطلع فرمایا جاوے کہ آیا یہ نام شرعی دائرہ میں ہے یا نہیں۔

نیز یہ کہ اگر اس نام میں نقص ہو تو دوسرا نام بدل کر رکھنا چاہتے یا نہیں۔ فقط
فقط محمد عبدالصبار۔ گورنمنٹ ٹیکنیکل اسکول گورکھپور۔

الجواب

قال القاری: فی شرح حدیث اسماء اللہ الحسنی قیل: ما من اسم من الاسماء التي فی هذا الباب إلا وقد ورد به الكتاب والسنة الصحيحة غیر لفظ الصبور، فانه ما وجد الا فی هذا الحديث وفي قوله صلى الله عليه وسلم ما احد أصبر على اذى يسمعه من الله اه والحديث قال الترمذی غریب اه ج ۳ ص ۲۳ مرۃ علماء نے فرمایا ہے کہ اسماء الہیہ توقیفی ہیں اور صبور کا اطلاق حق تعالیٰ پر کہیں کتاب و سنت میں وارد نہیں صرف ایک حدیث میں صبور کا اطلاق وارد ہے اس لئے عبد الصبار نام اچھا نہیں ہے۔ عبد الصبور کر دیا جاوے یا جو جی چاہے اسماء حسنی میں سے اختیار کر لیا جائے۔ واحبها الى الله عبد الله وعبد الرحمن۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰ شعبان ۱۳۳۶ھ

مکڑی مارنا جائز ہے یا نہیں | السؤال: کیا مکڑی کا مارنا اس لئے ناجائز ہے کہ اس نے ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت غار کے منہ پر جالاتان کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی جیسا کہ مولانا ذوالفقار علی صاحب کی کتاب عطر الوردہ سے مفہوم ہوتا ہے۔

السائل -

احمد عبد الحکیم۔ اشرف منزل کرنل گنج

کاپنور۔ ۱۳ فروری ۱۹۲۰ء

الجواب

ہاں عنکبوت کے لئے یہ فخر تو بے شک ہے کہ اس نے افضل الخلق پر تسبیح کیا مگر اس سے نوع عنکبوت کا قتل حرام نہیں ہوتا۔ خاص وہی فرد مکرم ہوا اور اس کی نوع کو فی الجملہ فخر ہوا۔ وفي مراسيل ابوداؤد: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن العنكبوت شيطان فاقتلوه۔ وفي كامل ابن عدي: عن ابن عمر مرفوعاً وهو حديث ضعيف

کذا فی حیوة الحیوان ج ۲، ص ۱۲۳۔

واللہ اعلم

تفراحمده عفا اللہ عنہ

۲۲ شعبان ۱۳۲۶ھ

استفتاء مکرر برائے تصحیح حوالہ استفتاء مذکورہ | السؤال: میں نے حرمتِ

عنکبوت کا حوالہ اشاعت اسلام

مؤلف حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عم فیضہم سے دیا ہے جو کہ میری غلطی ہے براہ کرم اس عریضہ کی نقل کی گئی ہو تو اس میں تصحیح فرمادیکجئے۔ اصل یہ ہے کہ مولانا ذوالفقار علی صاحب نے شرح قصیدہ بردہ (عطر الوردہ) کے صفحہ ۲۵ مطبوعہ مجتباتی پر تحریر فرمایا ہے کہتے ہیں کہ کبوتران حرم محترم اس جوڑے کی نسل سے ہیں برکت دے تے نبوی تا قیام قیامت صدمہ شکاریاں سے محفوظ ہیں اور مکڑی کے مارنے کی بھی ممانعت ہو گئی ہے۔ انتھی بلفظ۔ مولانا مغفور نے یہ مضمون بذیلی شرح ظنوا الحمام وظنوا العنکبوت علی، خیر البریۃ لم تنسج و لم تحم۔

وقایۃ اللہ اغنت عن مضاعفۃ من الدروع وعن کال من الاطم
خلاصہ قصہ ہجرت میں تحریر فرمایا ہے۔

السائل

احمد عبدالحلیم۔ مذکورہ۔

اس کا جواب مذکور نہیں بلکہ وہ پہلے والا ہی ہے۔

السؤال: زید کتابوں کے انتخاب
کونسل مونسپل بورڈ کمیٹی وغیرہ کے ممبروں کے فرائض
اور اس میں کوتاہی کرنے کے متعلق چند سوالات
کی کمیٹی کا یا مونسپل بورڈ کا یا کونسل
کا یا کسی اور کمیٹی کا ممبر ہے۔ اس کو

گورنمنٹ نے یا قوم نے اس لئے منتخب کیا ہے کہ وہ نیک نیتی سے سچی راتے دے گا۔ اگر اس نے اپنے نفع کے خیال سے یا اپنے کسی عزیز یا دوست کے خیال سے یا کسی کی خاطر یا دباؤ سے سچی راتے نہ دی تو وہ گنہگار ہو گا یا نہیں۔

۲: زید کسی کمیٹی کا صدر ہے وہ اپنے اثر سے اور ممبروں کو کسی معاملہ میں ناجائز طور پر اپنی رائے کے موافق بنانے کی کوشش کرے تو یہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں۔ اگر اس اثر سے کوئی کام ہو جاتے جس سے اس کے کسی عزیز یا دوست کو یہ جائز نفع پہنچے تو ایسا نفع اس عزیز کو جائز ہو گا یا نہیں۔

۳: جو لوگ کسی کمیٹی کے ممبر یا صدر ہوتے ہیں انھیں گورنمنٹ یا قوم امین سمجھ کر مقرر کرتی ہے۔ ان کی حیثیت شرعاً امین کی ہوتی ہے یا نہیں۔ ان کو نیک نیتی سے شرعاً اس کمیٹی کے قواعد کی پابندی لازم ہے یا نہیں اگر وہ اس کی پابندی نہ کریں تو شرعاً وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں۔

۴: خالد اپنے عزیز دوست زید سے جو کمیٹی کا ممبر یا صدر ہے اس بات کی خواہش کرتا ہے کہ وہ خلاف دیانت کسی معاملہ میں اس کے موافق رائے دیکر اس کو نفع پہنچاتے خالد کو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر اس طریقہ سے خالد کو نفع پہنچا تو وہ نفع شرعاً اس کے لئے حلال ہو گا یا حرام۔

۵: عمر ایک کمیٹی کا ممبر ہے اس نے زید کی خاطر سے جو رائے کمیٹی کا صدر ہے اپنی اصلی رائے کو چھپا کر غلط رائے دیکر زید کا ساتھ دیا تو عمر بھی گنہگار ہو گا یا نہیں۔

۶: زید ایک کمیٹی کا ممبر ہے۔ اور اس کمیٹی کو کسی ایسے کام کے تجویز کرنے کا اختیار ہے۔ عام لوگ نفع حاصل کر سکیں اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اگر کسی شخص خاص کی کوئی عمدہ چیز ہو تو وہ سفارش کرے کہ یہی چیز استعمال کی جاوے۔ زید نے بغیر اس کے دوسری چیز اس کے مقابل کی اس کے سامنے کرے اور بغیر اس کے کہ وہ چیز اس تجویز کے مطابق ہو خالد کو اس کے ذاتی تعلق کی وجہ سے نفع پہنچانے کی غرض اس کی چیز کلینے یا استعمال کرنے کی سفارش کرے دوسرے لوگوں کو اس کے جائز نفع سے محروم رکھے۔ ایسی صورت میں زید گنہگار ہو گا یا نہیں۔ اور خالد نے جو اس سے نفع حاصل کیا وہ اس کے لئے حلال ہو گا یا حرام۔

۷: زید کمیٹی کا ممبر ہے اور اس کے اختیار میں ہے کہ چند چیزیں جو اس کے پاس آئیں۔ ان میں سے جو بہتر ہو اس کو منتخب کر کے اور ممبروں کے سامنے پیش کرے۔ زید اچھی چیز کو ممبروں کے سامنے پیش نہ کرے اور اپنے کسی دوست یا عزیز کی کسی خراب چیز کو اچھی ظاہر کر کے محض اس کو نفع پہنچانے کے لئے پیش کرے اور کمیٹی نے اس کو منظور کرے۔ اس صورت میں زید گنہگار ہو گا یا نہیں اور اس کا دوست یا عزیز خالد جس نے اس سے جو نفع حاصل کیا تو یہ نفع اس کے لئے جائز ہو گا یا نہیں۔

۸۔ زید کمیٹی کا صدر ہے۔ کمیٹی نے ایک تجویز کی جس سے عام لوگ نفع اٹھا سکتے تھے زید نے اپنے اثر سے خالد کو نفع پہنچانے کے لئے اور لوگوں کو نفع حاصل کرنے سے روکا اور لوگ اس خیال سے رک گئے کہ اگر ہم نے زید کے خلاف کیا تو وہ ہمارے اور کاموں میں ختم انداز ہو جاتے گا اور ہمیں نقصان پہنچے گا۔ اس حالت میں زید گنہگار ہو گیا یا نہیں؟ اور خالد جو اس کے اس اختیار سے نفع حاصل کرتا ہے یہ نفع اس کیلئے مجائز ہو گیا یا نہیں۔

۹۔ زید جو کمیٹی کا ممبر ہے یا صدر ہے اس نے بکر سے کچھ روپے اس غرض سے لئے کہ بکر اس کی فرمائش کے مطابق ایک کتاب تیار کرے اور وہ کمیٹی میں منظور کر دے گا۔ تو بکر نے اس کے کہنے کے مطابق تیار کیا۔ زید نے اس وجہ سے کہ ممبران کمیٹی کی خواہش کے مطابق تھی کمیٹی میں منظور کرادی۔ اس صورت میں زید نے جو وہ روپیہ لیا اس کے حق میں رشوت ہو گیا یا اپنی رائے دینے کا حق ہو گا۔ اگر وہ روپیہ رشوت ہے تو بکر بھی گنہگار ہو گیا یا نہیں ایسی صورت میں بکر کو اس کتاب سے منتفع ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

۱۰۔ زید نے بکر سے اس روپیہ کی بابت یہ کہا تھا کہ اس وقت ہمیں ضرورت ہے تم دیدو۔ تمہاری کتاب جو تم تیار کرو اگر وہ نہ منظور ہو تو اس روپیہ کو بطور قرض سمجھنا میں اس کو ادا کر دوں گا ورنہ میری اس رائے کا معاوضہ ہو گا۔ بکر نے اس خیال سے یہ روپیہ دیدیا کہ اگر میں نہ دوں گا تو زید دوسروں سے معاملہ کرے گا۔ اور مجھ سے ناخوش ہو کر مجھے اور بھی نقصان پہنچائے گا۔

۱۱۔ اگر ۹، ۱۰ کے معاملہ میں زید اور بکر گنہگار ہیں تو اب ان کو کیا چارہ کار اختیار کرنا چاہئے۔ کہ مواخذہ عقبیٰ سے بچیں۔ اگر زید خالد کے اصرار سے فسح نہ کرے تو خالد کو اپنے مواخذہ عقبیٰ سے بچنے کیلئے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے۔ اور اگر زید روپیہ واپس کر سکے اور مواخذہ عقبیٰ سے بچنا چاہے تو اس کو کیا چارہ کار اختیار کرنا چاہئے۔ یہ سب معاملات جس اصل شرعی پر مبنی ہوں ان کو ظاہر فرمایا جائے۔ اور کتاب و سنت اور فقہ سے پورے ثبوت کے ساتھ اس کا جواب تحریر فرمادیں تاکہ تعلیم یافتہ حضرات کو چون و چرا کا موقع نہ ملے۔

السائل

جلال الدین جعفری از مطبع انوار احمدی الہ آباد

الجواب

اول قاعدہ ملاحظہ ہو ۔

۱۔ جس کو کوئی منصب یا عہدہ دیا جاتا ہے اس کو اس کا اہل سمجھ کر دیا جاتا ہے پس اس عہدہ اور منصب کے حقوق کی رعایت شرعی حدود میں رہ کر اس کے ذمہ شرعاً واجب ہے۔ البتہ اگر عہدہ یا منصب کا کوئی حق خلاف شرع ہو تو اس کی رعایت لازم نہیں۔ بلکہ اپنی قدرت کے موافق اس کی موافقت لازم ہے۔ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔ و لاطاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ و من رأى منکراً فیلغیرہ بیدہ او بلسانہ او بقلبہ الحدیث۔

۲۔ امین کو خیانت جائز نہیں و فی الحدیث فی علامات النفاق۔ اذا اتقن خان۔

۳۔ جس شخص کو صحیح رائے دینے کیلئے نمائندہ بنایا گیا ہو وہ شرعاً بھی امین ہے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام المستشار مؤتمن۔ اور اس پر لازم ہے کہ رائے دیتے ہوئے شرعی حدود کی رعایت کرے رائے دینے سے پہلے یہ سوچ لے کہ رائے خلاف شرع تو نہیں۔

۴۔ جس شخص کو غلط رائے دینے سے اس سے کسی دوست کو نفع مالی پہنچے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دوست کو بلا معاوضہ نفع پہنچے دوسرا یہ کہ معاوضہ نفع پہنچے مثلاً اس شخص نے رائے دی کہ فلاں شخص کا مال اچھا ہے اور اس کی رائے کی وجہ سے دوست کا مال فروخت ہو گیا۔ اس صورت میں جو نفع دوست کو ہوا وہ مباح ہے مگر رائے دینے والا غلط رائے دینے کی وجہ سے گنہگار ہوا مگر اس کو عقد بیع میں داخل نہیں اس لئے عقد بیع موافق اصول شرعیہ ہوا اس لئے اس سے توبہ کرنا دونوں کو لازم ہے۔

اب جو اباب سوالات معروض ہیں

جواب اول۔ اس صورت میں سچی رائے دینا واجب ہے۔ غلط رائے دینا حرام ہے۔ بشرطیکہ رائے شریعت کے موافق ہو۔ اور غلط رائے دینے سے

کسی عزیز یا دوست کو مالی نفع پہنچ جائے تو اس کے جواز و حرمت کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

۲: دوسرے ممبروں کو ناجائز طور پر غلط رائے کے موافق بنانا جائز نہیں ہے۔ اور عزیز یا دوست کو نفع پہنچنے کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

۳: ہاں یہ لوگ شرعاً امین ہیں ان کو نیک نیتی سے سچی رائے دینا اور کمیٹی کے قواعد کی پابندی کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ قواعد شریعت کے خلاف نہ ہوں واللہ اعلم۔

۴: خالد کو ایسا کرنا جائز نہیں اور خالد کو جو نفع پہنچا اس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔

۵: ہاں عمر بھی گنہگار ہوگا۔

۶: زید کا یہ فعل ناجائز ہے۔ جس سے اس کو گناہ ہوگا۔ اور خالد کو بھی ایسا کرنا جائز نہیں کہ اپنے خراب مال کو اچھا ظاہر کرے اور نفع کے بابت اوپر تفصیل گزر چکی ہے۔

۷: مکرر مثل جواب۔ ۸: یہاں بھی وہی حکم ہے۔

۹: زید کا یہ فعل ناجائز ہے۔ جس سے اس کو گناہ ہوگا۔ اور خالد کو بھی اس تحریک سے گناہ ہوگا۔ اور نفع کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

۱۰: رائے کا معاوضہ لینا حرام ہے۔ رائے کوئی مال متقوم نہیں جس کا معاوضہ لیا جائے اس لیے زید کا بکرے روپیہ لینا رشوت میں داخل ہے۔ جس کا بکرہ کو واپس کرنا واجب ہے۔ اور بکرہ کو بھی رشوت دینے کا گناہ ہوگا اگر تحصیل منفعت کیلئے رشوت دی ہو۔ اگر ضرر سے بچنے کی خاطر دی ہو اور ضرر شدید کا اندیشہ ہو جس کا تحمل نہ ہو سکے تو بکرہ کو گناہ نہ ہوگا۔

۱۱: بکرے کے ذمہ صرف توبہ واجب ہے اگر اس نے تحصیل نفع کیلئے رشوت دی ہو اور زید کے ذمہ بکرہ کی رقم واپس کرنا واجب ہے اور توبہ کرنا بھی لازم ہے

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۱۰ اشوال ۱۳۴۶ھ

کیا حضرت عائشہؓ اپنی اخیر عمر تک اسی کمرہ میں رہتی تھیں | سوال :- کیا فرماتے
جس میں بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق اور ہیں علماء دین اس بارے
حضرت عمر مدفون ہیں یا اس کو چھوڑ دیا تھا اور کب چھوڑا | میں کہ حضرت رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایسا ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد
حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد تک حضرت بنی عائشہؓ اپنی اخیر عمر تک اسی حجرہ میں رہتی
تھیں جس میں حضرات ثلاثہ مذکورین مدفون ہیں یا وہ حجرہ چھوڑ کر کہیں اور قیام
فرمایا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے جو اس حجرہ کی سقف مرمت فرمائی تھی اس وقت بھی
بنی عائشہ رضی اللہ عنہا اس حجرہ میں قیام فرماتی تھیں یا نہ۔

السائل

شیر محمد از گھوٹکی۔ ضلع سکھر سندھ

الجواب

قال العلامة السمهودی والابن زبالة عن عائشة رضي الله
عنها قالت: ما زالت اضع خماری وانفصل في ثيابي حتى دفن عمر
رضي الله عنه فلم ازل متحفظة على ثيابي حتى بنيت بيبي وبين
القبور جداراً و عن المطلب كانوا يأخذون من تراب القبر فأمرت
عائشة رضي الله عنها بجدار ف ضرب عليهم وكانت في الجدار كوة
فكانوا يأخذون منها فأمرت بالكوة فسدت۔

وفي طبقات ابن سعد: اخبرني موسى بن داود: قال:
سمعت مالك بن انس يقول: قسم بيت عائشة باثنين قسم كان فيه
القبر وقسم كان تكون فيه عائشة۔ وبينهما حائط وكانت
عائشة ربما دخلت حيث القبر فضاد (أي في ثياب الفضل) فلما
دفن عمر رضي الله عنه لم تدخله الا وهي جامعة عليهما ثيابها

(ص - ۱۳۵)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عمرؓ کے دفن
تک اور اس کے بعد بھی اسی حجرہ میں رہتی تھیں اور ان کے گھر کے دو حصے کر دیئے

گئے تھے۔ ایک حصہ میں قبریں تھیں اور ایک حصہ میں خود رہتی تھیں اور دونوں حصوں کے درمیان ایک دیوار تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ شوال ۱۴۲۶ھ

السوال :- زید مدرسہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا صدر مدرس ہے اور مکان مدرسہ بھی بورڈ کا ہے بورڈ مکان مدرسہ کی مرمت مدرس کی معرفت کرانا چاہتا ہے اور زید بھی مرمت تو یہ رقم اس کیلئے حلال ہے یا نہیں۔

بورڈ کے منظور کردہ تخمینہ میں اگر مدرس بجائے ٹھیکیدار کے خود با کفایت کام کرے اور کچھ رقم منظور شدہ تخمینہ سے پس انداز کر لے تو یہ رقم اس کیلئے حلال ہے یا نہیں۔

کام ٹھیکیدار کے مقابلہ میں اچھا اور کفایت سے کرتا ہے۔ تخمیناً منظور شدہ سے بعد کرانے کام کے جو رقم بچ جاتی ہے اس کو حق المحنت خیال کر کے اپنے صرف میں لاتا ہے تو کیا زید کے واسطے یہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو یہ رقم بورڈ کے مد میں داخل کرنے سے ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں۔

قاعده : مرمت کا یہ ہے کہ بورڈ اپنے قواعد کے موافق کام کا تخمینہ کر کے مدرس کو رقم اور تخمینہ پہنچا دیا جاتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ مدرس اس رقم سے اس کام کو کرادے۔ اگر تخمینہ سے زیادہ خرچ ہوتا ہے تو بورڈ یقین ہونے پر زیادہ رقم دیتا ہے۔ اور اگر بقیہ رقم مدرس بورڈ کو واپس کرنا چاہے تو بورڈ قبول کر لیتا ہے۔ اس طرح کام کرنے والے کو امانی کا کام کہا جاتا ہے۔

ع : زید بورڈ کے مدرسہ کا مدرس ہے اور پونڈ بھی بورڈ کا ہے زید نے مدرسہ کی حالت میں موافق حکم ڈسٹرکٹ بورڈ پونڈ کی انچارجی کرتے ہوئے راسان پونڈ کو خوراک نہیں دی یا کم خوراک دی اور خوراک پوری وصول کر کے اپنے صرف میں لایا کیا یہ بھی حق العباد ہے تو اس کی ادائیگی کی کیا سبیل ہے۔

اب یہ معلوم نہیں کہ کون کون راسان کس کی تھی اور نہ یہ معلوم ہے کہ کس قدر کمی خوراک میں ہوئی ہے اس کی ادائیگی یا معافی کی جو صورت توبہ واستغفار وغیرہ ہو تو ارقام فرماویں۔ فقط والسلام۔

موقضیٰ علی۔ مدرس اسلامیه ڈسٹرکٹ بورڈ سہارنپور

الجواب

قاعدہ کے بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ بورڈ اس رقم کو مدرس کی ملک نہیں کرتا بلکہ اپنی ہی ملک سمجھتا ہے۔ اور مدرس کو محض امین کے طور پر رقم کے صرف کرنے کا حق ہے۔ لہذا اس صورت میں باقی ماندہ رقم کا واپس کرنا لازم ہے۔ اور اس کو اپنے تصرف میں لاتا جائز نہیں۔ اور جو صرف ہوئی ہے اس کو واپس بورڈ میں داخل کرنا لازم ہے۔

ع ۲: ہاں یہ ہے حقوق العباد، راسان کی خوراک میں کمی کرنے کا گناہ توبہ و استغفار سے معاف ہو جاوے گا۔ اور بچی ہوئی رقم اندازہ کر کے اپنے ظن غالب سے بورڈ کو واپس کر دی جاوے۔ اور اندازہ ایسا لگایا جاوے جس سے دل گواہی دے دے۔ کہ بچی ہوئی رقم ادا ہو گئی۔ اور اس کے ساتھ تمام گناہوں سے توبہ و استغفار بھی کیا جائے۔ کیونکہ حقوق کے تلف کرنے میں حق کے تلف کرنے میں حق اللہ بھی تلف ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۸ شوال ۱۳۴۶ھ

حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت متعلق نحوست پر شبہ کا جواب | **السوال :-** حجۃ البالغہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ عورت، گھوڑا اور مکان میں نحوست ہے۔ حالانکہ اسلام میں کسی چیز میں نحوست کہنا شرک ہے۔ اگر نحوست کے معنی بد عادات ہیں تو یوں تو بد عادات، بد خصلت اور برائی ہر چیز میں ہو سکتی ہے۔ ہر سہ اشیاء مندرجہ بالا میں نحوست کی خصوصیت کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

الجواب

آپ نے حجۃ اللہ البالغہ کو سمجھا ہی نہیں۔ مہربانی کر کے اس کی عبارت مع حوالہ و جلد لکھ بھیجیے۔ پھر جواب دیا جاوے گا۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ

خالہ کے حقوق اور بلا تصور بیوی کو طلاق | **السوال :-** ایک حقیقی خالہ اپنے بھانجے دینے کے متعلق ایک استفتاء کا جواب | کو اس کے والدین سے بھی زیادہ اور بہتر

طریقہ سے پرورش کرتی رہی اس کی ناز برداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔
جوان ہونے پر اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی بھی اس سے کر دی یہ لڑکی بھی شوہر کی نہایت
مطیع ہے۔ اور خالہ بھی دونوں کے اخراجات کی کفیل ہے۔ اور اس کی مادرانہ
شفقتیں روز افزوں ہیں لیکن بھانجہ بجائے اس کے کہ پسرانہ خدمات سے حقوق
مادری ادا کرتا انتہائی ایذا رسانی پر کمر بستہ ہے بلکہ وہ صورت اختیار کرنا چاہتا
ہے کہ ہچکچموں میں اس کی خالہ کی سخت توہین اور بے آبروئی ہو (یعنی طلاق دینے
پر آمادہ ہے) حالانکہ بیوی اور خالہ کی طرف سے کوئی امر خلاف شرع و عقل و
شرافت سرزد نہیں ہوا۔ ایسے احسان فراموش مرنی کش کیلئے شریعت کیا حکم دیتی
ہے۔ اور واقفینِ حال کو اس کیساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ بینوا تو جبروا۔

الجواب

صحیح احادیث میں خالہ کو بمنزلہ ماں کے فرمایا گیا ہے۔ جو حقوق ماں کے ہیں
وہ حقوق خالہ کے بھی ہیں خصوصاً جبکہ اس نے پرورش بھی کی ہو تو حق تربیت
سے اس کے حقوق میں اور بھی اضافہ ہو جاوے گا۔ اور بلاوجہ بدوں کسی خطا و
قصور کے بیوی کو طلاق دینا۔ حق تعالیٰ کو سخت ناگوار اور بہت ہی مبغوض ہے
پس جو شخص اپنی حقیقی خالہ کو ایذا دے اور اس کو ذلیل کرے وہ اس وعید کا
مصدق ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ ومن لم یؤقر کبیرنا فلیس
منا۔ جس نے اپنے محسن کا احسان نہ مانا اس نے اللہ کا احسان نہ مانا یعنی وہ خدا کا
ناشکر ہے۔ اور جو اپنے بڑے اور بزرگ کی تعظیم نہ کرے وہ مسلمانوں میں شمار
نہیں۔ یعنی اس کا یہ فعل مسلمانوں کے افعال میں سے نہیں یہ دونوں حدیثیں
صحیح ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور جو لوگ اس کے حال سے واقف ہیں وہ اس سے قطع تعلق
کر دیں جب تک وہ توبہ نہ کرے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ رمضان ۱۴۲۴ھ

دوسرے آدمی کو بلا محصول ادا کئے مال لانے | **السوال :-** عرض حال خدمت میں
کو کہا وہ شخص پکڑا جائے تو مقدمہ کے اخراجات
کس کے ذمہ ہوں گے یعنی ملزم یا آمر کے ذمہ

بوری مصری پر محصول کمیٹی مبلغ ہے ہوتا تھا میں نے اپنے بھائی سے بوری بلا
محصول لانے کو کہا اس نے پون میل سے کرایہ ایک روپیہ فی بوری کہا میں نے
منظور کیا۔ اب کمیٹی کرنا ل نے میرے بھائی پر دعویٰ عدالت میں دائر کیا ہے
اب خرچہ موافق قانون شرع کے کس کے ذمہ ہوگا۔ نہایت مہربانی۔

جان محمد تیلی

۱۳ رمضان ۱۳۴۷ھ

الجواب

قاعدہ سے مقدمہ کا خرچہ اسی شخص پر ہے جس پر کمیٹی نے دعویٰ
کیا ہے۔ صاحب مال پر خرچہ نہیں ہے۔ مگر مروت کا مقتضی یہ ہے کہ صاحب
مال اس صورت میں اپنے بھائی کی امداد کرے اور کچھ خرچہ خود بھی برداشت
کرے۔ کیونکہ یہ بلا اسی کے کہنے سے اُس پر واقع ہوئی ہے۔ یہ اس کے
ذمہ واجب تو نہیں مگر ایسا کرنا بہتر ہوگا کہ بھائی کی دلجوئی ہو۔

قلت و ليس هذا مما يضمن فيه الملتسب ايضا كما لمباشر لكون
الضمان بغير حق من اصله و لكون المباشرة قد رضی بالقاء
نفسه في الخطرة باغلاء الاجر والله تعالى اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۴ رمضان ۱۳۴۷ھ

دس مختلف سوالات پر مشتمل ایک استفتاء | **السوال :-** تقری زیور کی زکوٰۃ

دس تولہ چاندی ہوتی ہے جس کی قیمت آجکل چہ ہے اگر روپیہ سے زکوٰۃ ادا کی
جاوے تو عنہ دینا چاہیں تو وہ دس تولہ ہیں یا چہ ۔

ع : مسجد کا فرش خشب اور پتھر کا تھا۔ اس کو اگر اکھڑوا کر ٹائل لگوا دیا گیا مسجد

میں ضرورت نہیں کہ کہیں اس عین کو لگایا جائے۔ خریدار خریدنے میں تامل کرتے ہیں کہ گھر میں لگوانے میں بے ادبی ہے اور جو ایسا کرے گا فلاح نہ پاوے گا۔ اب اس کو کیا کیا جاوے کہ نقصان بھی ہے۔ اور جگہ بھی گھری ہوئی ہے۔

۳: ایک شخص سرکاری مطبع میں ملازم ہے جہاں اسٹامپ کے کاغذ طبع ہوتے ہیں اور اس میں چھوٹی چھوٹی تصویریں ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو اس کا چھاپنا اور ایسی ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

۴: عورت کو ایام حیض ختم ہونے پر کرسف بے داغ معلوم ہوتا ہے۔ مگر فرج میں انگل ڈالنے سے سرخی معلوم ہوتی ہے۔ گو یا دم حیض اندر رک جاتا ہے جو دوسرے دن خارج ہوتا ہے۔ اس حالت کو حیض سمجھا جائے یا طہر۔

۵: زید نے اپنے حج بدل کی وصیت کر کے انتقال کیا مگر ثلث میں صرف پچاس روپیہ نکلتے ہیں۔ باپ اس کا اپنے پاس سے پیسے دیکر حج بدل کراتا ہے تو کیا یہ حج فرض ہوگا اور تمام شرائط حج بدل کی پورا کرتی ہوں گی یا یہ حج نفل ہے ایصالِ ثواب کے درجہ میں۔ اور باپ حج بدل کرانے کیلئے قرآن یا تمتع کی اجازت دیدے تو صحیح ہے یا نہیں۔ نیز حج بدل کرنے والا روپیہ لینے کیلئے میت کے وطن گیا اور نیت سفر کر لی مگر اس کو اپنے گھر واپس آنا ضروری ہے تو گھر آنے سے سفر کی نیت باطل ہو جائے گی یا نہیں۔ اور کیا ضروری ہے وہیں سے سیدھا بمبئی کو روانہ ہو جائے۔

۶: حاجی صاحب مال ہے کہ فرض ادا کر چکا ہے نفل کیلئے اپنے روپیہ سے جاسکتا ہے۔ اس کیلئے اپنے روپیہ سے حج کرنا افضل یا دوسرے کے پیسے سے حج بدل کرنا۔

۷: اب تو حجاز میں بھی بغیر تصویر کے پاسپورٹ کہیں نہیں ملتا۔ بس کوئی شخص محض سیاحت کیلئے مہر جائے یا زیارت کیلئے مسجد اقصیٰ تو اس کو تصویر کھینچوانا جائز ہے یا نہیں۔

۸: اشتہار میں ایک کتاب کی قیمت شائع کر دینے کے باوجود کیا مالک کو اختیار ہے کہ اس کتاب کی قیمت کسی سے زائد لے لے۔

۹ : غیر کیلئے غائبانہ سلام پہنچانا مثلاً کسی کا کہنا کہ مدینہ منورہ جاؤ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرنا۔ جائز ہے یا نہیں۔
 ۱۰ : سفر میں شیخ کے مزار پر حاضری کی نیت شامل کرنا صحیح ہے یا نہیں فقط۔

جوابات

۱ : نقدی زیور کی زکوٰۃ روپوں سے دی جائے تو دوسری جنس بھی ملا دی جائے تو صحیح ہے۔

۲ : نہیں بے ادبی کچھ نہیں بلکہ گھر میں برکت ہوگی۔ البتہ پانخانہ کے مقام پر نہ لگائیں۔

۳ : چھاپنے میں تو گنجائش ہے جب تصویر صغیر ہو۔ البتہ کتابت یا فوٹو لینا جائز نہیں کہ تصویر میں داخل ہے۔

۴ : اگر ادخال صبح سے خون جاری ہو جائے تو حیض ہوگا۔ اگر دس دن کے اندر ہو اگر دس دن سے زیادہ ہو جائے تو استحاضہ ہے۔

۵ : جس قدر ثلث میں نکلا ہے اس کو الگ حج بدل کرنے والا محفوظ رکھے اور مکہ سے عرفات تک آمد و رفت اسی میں سے کرے۔ اس کا حکم توجج فرض کا حکم ہے۔ باقی کا حکم تبرع کا حکم ہے۔ اس لئے مامور کو تمتع یا قرآن کی اجازت وارث نہیں دے سکتا۔ اگر باپ یہاں سے کسی کو نہ بھیجتا تو یہ واجب ہوتا کہ پچاس میں جہاں سے حج ہو سکے وہاں سے کرایا جائے۔ اور اس کا حکم بھی حج فرض کا ہوگا۔ اگر باپ یہاں سے بھیج دے یہ اور اچھلے ہے کہ اس میں میت کا حج بلا اختلاف ادا ہو جائے گا۔ رہا روپیہ لینے کیلئے میت کے وطن سے جانا تو اس میں احوط یہی ہے کہ مامور جب گھر سے بالکل جدا ہونا چاہے اس وقت آمر کے وطن جائے اور وہیں سے انشاءً سفر کرے اور گنجائش صورت مسئلہ میں اس کی بھی ہے۔ کہ میت کے وطن سے انشاءً سفر اس طرح کرے کہ انشاءً سفر میں اپنے وطن سے دور کی بھی اجازت ہے۔

۶ : حج بدل کا ثواب اپنے حج سے سات گنا زیادہ ہے۔

۷ : مگر ادخال صبح اس غرض کیلئے مکروہ ہے ۱۲ منہ

کماروی عن ابن عباسؓ وعملوه بكون نفعه متعد یا او غنیہ ص ۱۸۱
مگر شرط یہ ہے کہ حقوق العباد میں گم غنہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو جس کی بہتر صورت
یہ ہے کہ وارث میت سے اس مال کی اباحت حاصل کرے اذالم یکن فیہم
صغیراً او کان ولم یحجوه بحصۃ کہ یہ مال سفر جج بدل کیلئے بطور
اباحت کے تمھاری ملک کر دیا گیا ہے کہ جس قدر تم سفر میں خرچ کرتے جاؤ گے
وہ تمھاری ملک ہو جائے گا۔ اور تمہیک بطور اباحت مبطل جج بدل نہیں ہے۔
کیونکہ انفاق سے پہلے وہ رقم ملک آمر ہے۔ اور بعد انفاق کے وہ ملک مأمور ہوگی
ولا باس بہ اس صورت میں مأمور ہے بھی حق العبد کا مطالبہ بالکل نہ ہوگا۔ اور
نہ اندیشہ حق العباد کی حالت میں اپنی ہی رقم سے جج کرنا اولیٰ ہے۔

۷: معمولی ضرورت مجوز تصویر کش نہیں ہو سکتی۔

۸: ہاں جائز تو ہے مگر خریدار سے اس امر کو ظاہر کر دیا جائے کہ قیمت
مشترکہ سے زائد لے رہا ہوں۔ تاکہ وہ بائع سے بدظنی نہ کرے۔ کہ مجھ کو ناوا قف
جان کر زیادہ دام لے لیے۔ و فی الحدیث اتقوا مواضع التھم۔
۹: غیر نبی کو خطاب کر کے سلام نہ پہنچایا جائے۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں
کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے عرض کرے کہ اللھم بلغ روح شیخنا هذا
سلاماً من خادمہ فلان۔

۱۰: ہاں کچھ حرج نہیں۔ لاجنّاح علیکم ان تبّغوا فضلاً من
ربکم فاذا افضتھم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر
الحرام۔ والسلام مسک الختام۔ واللہ اعلم۔

۲۲ رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ

سامان تعزیر میراث میں مل جائے | سوال: زید تعزیر بناتا تھا مگر اس کے
تو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے | ورثاء نے ترک کر دیا لیکن پہلے کے بعض

سامانوں کو کسی حیلہ سے کیا بلکہ ورثاء کے ایماء سے اس جگہ کے دوسرے تعزیر
داروں نے لے لیا اور ہمیشہ اس کو کام میں لایا کرتے ہیں ایسی صورت زید کے
مورث پر اس کا گناہ بھی ہو گا یا نہیں۔ ان چیزوں کے لینے میں مقدمہ فوجداری

کا بھی احتمال ہے اس حالت میں ورثاء کو کیا کرنا چاہئے۔

الجواب

یہ سامان تعزیه بھی زید کی ملک تھا اس لئے اس کے سب ورثاء میں اس کی تقسیم کے بعد نقد قیمت کی تقسیم لازم تھی اگر بالغ وارثوں نے یہ سامان دوسرے کو دیدیا ہے اور اس میں نابالغوں کا بھی حق تھا تو نابالغوں کے حق کا ادا کرنا بالغوں کے ذمہ ہے اور سب ورثاء پر لازم تھا کہ اس سامان کو تعزیه داری کے کام میں نہ خود لاتے اور نہ دوسروں کو اس کام کے واسطے دیتے۔ دوسروں کو تعزیه بنانے کیلئے دینے کا گناہ تو زید کو نہیں ہوا۔ اگر اس نے وصیت نہ کی تھی۔ ہاں بالغ ورثاء کو ہوا پس اگر وہ واپس لے سکیں لے لیں۔ ورنہ اس گناہ سے توبہ واستغفار کریں۔ واللہ اعلم۔

نظر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ

باب بیٹے کو کس طرح پکارے | سوال :- فقیر کے تین لڑکے ہیں مثلاً پس بلاتے

وقت بڑامیاں، منجامیاں، چھوٹامیاں کر کے بلاؤں یا اس کا نام لیکر۔ عبد اللہ وجیہ اللہ، محفوض اللہ مثلاً خاص نام سے پکاروں۔ غرض صحیح بلانے کے دستور مطلوب ہیں۔ نہ کہ بڑامولوی، منجامولوی، چھوٹامولوی۔

ملک: میاں کا لفظ ہمارے دیار میں اکثر نام کے پیچھے ہمارے لوگ استعمال کرتے ہیں یہ خلاف سنت ہے یا نہیں۔ عرض گزار

محمد ابراہیم۔ مدرس مدرسہ محمدیہ

الجواب

باپ کو جائز ہے کہ لڑکے کو نام لیکر پکارے۔ یا بڑامیاں، چھوٹامیاں کر کے پکارے۔ اور میاں کا لفظ لگا دینا سنت کے خلاف بایں معنی نہیں کہ ممنوع نہیں۔ باقی سنت سے اس کا ثبوت بھی نہیں۔ غرض باپ بیٹے کو اس طرح پکارے کہ جس میں نہ اس کی تعظیم ہو اور نہ تذلیل ہو۔ نام لیکر پکارنے میں کچھ تذلیل نہیں ہاں تعظیم بھی نہیں۔ مگر باپ کے ذمہ اولاد کی تعظیم نہیں بلکہ اولاد کے ذمہ اس کی تعظیم ہے۔

البتہ اگر اولاد عالم ہو اور باپ جاہل ہو تو اس صورت میں بھی باپ کے ذمہ اولاد کی تعظیم واجب نہیں مگر علم کا ادب بہتر ہے۔ واللہ اعلم

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون۔ ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

پلیٹ فارم لینے بغیر اسٹیشن کے اندر جانا | سوال :- ریل گاڑی آنے کے وقت پلیٹ فارم پر جانے کیلئے ایک آنہ کا ٹکٹ لیکر جانے کا قانون ہے۔ اگر کوئی شخص بلا ٹکٹ پلیٹ فارم پر جاتے یہ درست ہے یا نہیں۔

الجواب

اسٹیشن بابو سے دریافت کر کے جاتے تو جائز ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰ محرم ۱۴۲۹ھ

ہندوؤں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم اگر ہمارے بری ہونے کی کوشش کرو تو ہم تمہیں مسجد کیلئے زمین دے دیں گے اور بطور اطمینان چار سو روپیہ کی تحریہ دیدی کہ بوقت انکار ہم سے وصول کر لو مقدمہ میں مسلمانوں کی سعی سے برے ہونے کے بعد ہندو لوگ زمین دینے سے انکار کر دیں تو یہ روپیہ مسلمانوں کیلئے لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال :- ایک موضع ضلع میرٹھ میں ایک چبوترہ خام تھا۔ جس پر مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے مسلمانوں نے اس چبوترہ کو پختہ مسجد بنانا چاہا۔ مگر زمینداروں نے جو غیر مسلم تھے مسلمانوں کے ساتھ مقدمہ لڑایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو تعمیر مسجد کی اس چبوترہ پر نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اور وہ چبوترہ غیر مسلموں نے توڑ دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے اسی موضع میں ایک قطع زمین ایک غیر مسلم سے چار روپیہ میں خرید لیا۔ مسلمانوں نے اس اراضی پر تعمیر مسجد شروع کر دی۔ اس اراضی کے باغ کا ایک لڑکا تھا۔ دوسرے غیر مسلم باشندگان موضع نے اس لڑکے کا کہنا کہ اس مضمون کا عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ اراضی ہماری جدی ہے میرے باپ کو اس کی بیع کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (اہل ہندو میں اگر ایک شخص مر جائے تو اس کی اولاد ذکور اور اولاد ذکور کی اولاد ذکور کو وراثت

ایک دم ملتی ہے) نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان مقدمہ ہار گئے اور بیعتنامہ منسوخ ہو گیا اور مسلمانوں پر مرجہ اور خرچہ کی ڈگری ہو گئی اس لڑکے نے یہ روپیہ مسلمانوں سے وصول کر لیا اس کے بعد مسلمان بالکل مجبور ہو گئے۔ اتفاقاً باشندگان غیر مسلم اس موضع میں دو فریق ہو گئے اور آپس میں مقدمات فوجداری چل گئے۔ ایک فریق کے آٹھ آدمیوں کو سزا ہونے کو تھی انہوں نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ تم کوشش ہمارے بری ہو جانے کی کرو تو ہم تمہیں زمین مسجد کے واسطے دیں گے۔ اور تم اگر ہم سے مطمئن نہ ہو تو ایک رقعہ چار سو روپیہ کا ہم تم مسلمانوں کو تحریر کر کے حوالہ کرتے ہیں۔ اگر ہم اس وعدہ سے پھر جائیں تو تم چار سو روپیہ ہم سے وصول کر لو۔ چنانچہ مسلمانوں نے کوشش کی وہ لوگ بری ہو گئے۔ اور اس کوشش میں مسلمانوں کے شتر روپے خرچ میں آئے۔ اس کے بعد جب مسلمانوں نے ان لوگوں کو ایفاء عہد کا کہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور سب باشندگان جن میں یہ تنازع ہوا تھا سب متفق ہو گئے۔ اور جس فریق نے یہ رقعہ تحریر کیا تھا یہ فریق ان میں سے نہیں ہے جس نے پہلے زمین مسلمانوں کو چار سو روپے میں فروخت کی تھی۔ اور یہ روپیہ بھی مسلمانوں کا وصول نہیں ہوا۔ خلاصہ یہ کہ رقعہ کار روپیہ مسلمان وصول کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور اس لڑکے نے جس نے مسلمانوں سے مقدمہ لڑایا تھا اس میں تمام باشندگان غیر مسلم نے چندہ دیا تھا۔

الجواب صحیح

قال فی الخلاصة عن النوازل: رجل قال لدلال بع ضیعتی علی ان لك من الاجر كذا فلم يقدر هو علی الا تمام فباعها دلال آخر لیس للأول شیء وبه اخذ الفقیه ابو اللیث قال فی المحيط: والاستحسان وعلیه الفتوی. وفي النوادر ابن سماعه: رجل شیئاً فقال للانسان بعینه ان دلتنی علیہ فلك درهم فان دله من غیر مشی معه لا یتحق للاجر وان مشی معه فله اجر مثله.

رجل بیع شیئاً فی السوق فاستحان من امل السوق فاعانه

عليه ثم طلب منه الاجر المعتبر في ذلك عادة ابل السوق فان كانوا لا يعينون إلا باجر يجب اجر المثل. وان كانوا يعينون في مثل ذلك بغير الاجر لا شئ عليه قلت: انما ورد في الجواب لغرض المسئلة فيما اذا استحان ولم يبين الاجر ج ٣، ص ١٢٦

رجل رفع جاريته مريضة الى طبيب وقال له عالجهما لما لك وما يزداد قيمتها بالصحة فالزيادة لك فبرأت يجب اجر المثل و ثمن الادوية وانفقة والكسوة ان اعطاهاها ج ٣، ص ١٢٩. قلت هذا كله من باب الاستيجار على العمل والاستصناع ويقال له الجعالة وللاجر الجعل في عرف اهل الحجاز قال الموافق المغني ان الجعالة في رد الضالة والابق وغيرهما (كخياطة الثوب وبناء الحائط ومداواة المريض وبيع الضيعة والوكالة بالخصومة ونحوها) جائزة وهذا قول ابي حنيفة ومالك والشافعي ولا نعلم فيه مخالفاً. والاصل في ذلك قول الله عز وجل لمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم. وروى ابو سعيد: ان رجلاً من الصحابة: رقى لابقاً من احياء العرب على قطع شياه اخذ به البخاري ولان الحاجة تدعو الى ذلك فان العمل قد يكون مجهولاً. كرد الابق والضالة ونحو ذلك. ولا تنعقد الاجارة فيه والحاجة داعية الى ردهما وقد لا يجد من تبرع به فدعت الحاجة الى اباحة بذل الجعل فيه مع جهالة العمل لانها اى الجعالة غير لازمة لكل واحد منهما الرجوع فيه قيل حصول العمل لكن ان رجع الجاعل قيل التلبس بالعمل فلا شئ عليه وان رجع بعد التلبس به فيه للعامل اجرة مثله لانه انما عمل بعوض وان فتح العامل قيل اتمام العامل فلا شئ له لانه اسقط حق نفسه ويصير كعامل المضاربة اذا فتح قيل ظهور الريح

بخلاف الاجارة الا ترى ان الاجارة لما كانت لازمة
 افتقرت الى تقدير مدة والعقود المجائزة كالشركة والوكالة
 لا يجب تقدير مدتها ولان المجائزة من العقود لكل واحد
 منهما تركها فلا يؤدي الى ان يلزمه مجهول عنده بخلاف
 الازمة قال ولا بد ان يكون العوض معلوماً لان الحاجة تدعو
 الى كون العمل مجهولاً ولا حاجة الى جهالة العوض ولان العمل
 لا يصير لازماً فلو يجب كونه معلوماً والعوض يصير لازماً بتمام
 العمل فوجب كونه معلوماً قالوا اذا جعل الامير جعلاً لمن
 يد له على او طريق سهل وكان الجعل من مال الكفارة جاز
 ان يكون مجهولاً تجارية بعينها للحامل اه ملخصاً ج ٢٦ ص ١٥٠ - ١٥١
 وبالجملة فقد اتفقوا على جواز الاستيجار على العمل مع
 جهالته وفرقوا بين الجعالة والاجارة وفي الصورة المستولة
 لم يررض المسلمون بالعمل مجاناً وانما بذلوا جهدهم واموالهم
 استخلاص القوم على جعل معلوم فالعقد صحيح ويجب على
 القوم الاجر المسمى ويجوز للمسلمين اخذه منهم - والله تعالى اعلم
 صبح الجواب
 اشرف على ٢٥ ج ٢٥ هـ
 حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه
 ١٣ جمادى الاولى ١٣٥٥ هـ

النفع البرزۃ

فی تحقیق قطع الشجرة

شجرۃ الرضوان کے بارے میں اخبار منادی دہلی میں شائع شدہ ایک مضمون کے جواب میں۔

الجواب المجمل

شجرۃ الرضوان کے متعلق طبقات ابن سعد میں جو نافع کا ایک اثر وارد ہے
قال كان الناس يأتون الشجرة التي يقال لها شجرة الرضوان
فيصلون عندها قال فبلغ ذلك عمر بن الخطاب فاعدهم
فيها وامر بها فقطعت اه

اس سے بعض علماء نے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اسے
تبرک درخت کو خوف فتنہ کی وجہ سے کہ عوام اس درخت کی تعظیم میں حد سے بڑھنے
لگیں گے کٹوا دیا تو ان مآثر و مزارات اور قبوتوں کو کیوں نہ ڈھایا اور مٹایا جاتے
جو اصل سے ہی خلاف شرع بنائے گئے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔ نہی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم عن تجصيص القبور وان يكتب عليها وان
يبني عليها۔ رواه مسلم وابوداؤد وترمذی وزادان توطا
مراقی الفلاح والطحاوی ۳۵۶۔ ولعن الله اليهود والنصارى
اتخذوا قبور انبيائهم مساجد متفق عليه۔

اور بعض مآثر تو بالکل ہی مخترع ہیں۔ تاریخ صحیح اور حدیث معتبر سے
ان کی کچھ اصل نہیں ملتی۔ گو فی نفسہ کچھ اصل ہو۔ مگر ان کی وجہ سے عوام میں
فتنہ برپا ہو رہے ہیں۔ کہ ان پر مجاور رہنے لگے اور اس پر غلاف اور نذریں

سہ سئل ابو عبد الله (احمد بن حنبل) عن الرجل يأتي هذه (باقی صفحہ) — پر

چڑھاتے حالانکہ ابوداؤد کی حدیث میں جس کی اسناد حسن ہیں لا تتخذوا قبوری عیداً۔ اور بعضے طرق میں لا تتخذوا قبوری و بیتی عیداً بھی ہے۔ جو کثرت مخارج کی وجہ درجہ حسن میں ہے ملاحظہ ہو اقتضاء صراط المستقیم ص ۱۵۲، ص ۱۵۵۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان و قبر کو عید بنانا ممنوع ہے تو دوسرے مآثر کا حکم اس سے ظاہر ہے۔ پس ان علماء کا مقصود کچھ اثر نافع پر مفقود نہیں تھا کیونکہ انہوں نے ان شریکات و بدعات کی تردید میں آیات الہیہ اور صدہا احادیث صحیحہ و اقوال ائمہ اربعہ سے استدلال کیا ہے اور محض تائید کے درجہ میں اثر نافع کو بھی بیان کر دیا ہے۔ مگر بعض مضمون نگاروں نے ایک رئیس المبتدعین کے اخبار میں تمام دلائل کو چھوڑ کر اور آیات الہیہ و احادیث صحیحہ و اقوال ائمہ اربعہ سے منہ موڑ کر صرف اثر نافع کی تردید پر سارا زور ختم کر دیا۔ اور ان لوگوں کو جو اس اثر کو محض تائید کے درجہ میں پیش کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ناپاک اتہام لگانے والا اور ملاحدہ و جہال کا لقب دیا اور یہ کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے وسیع الخیال و حکیم امت کو پست خیال ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور ان کے دامن عدل پر دھبہ لگاتے ہیں۔

گو مضمون نگار نے ظاہر میں اپنا مخاطب فرقہ نجدیہ یا سرداران نجدیہ جماعت غیر مقلدین کو بنایا ہے مگر درحقیقت اس میں علماء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ اور حضرات محدثین بالخصوص اثر کے راوی حضرت نافع اور ان کے بعد والے رواۃ سب کو ملحدہ جہاں کا لقب دیا ہے۔ اور سب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بد ناپاک اتہام لگانے کا مجرم بنایا ہے۔ کیونکہ نافع کے اس اثر کو محض نجدیہ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) المشاہد التي بالمدينة وغيرها يذهب اليها ترمي ذلك قال علي حدیث ابن امر مکتوم انه سأل النبي صلى الله عليه ان يصلي في بيته حتى يتخذ ذلك مصلى وعلى ما كان يفعل ابن عمر يتبع مواضع النبي صلى الله عليه وسلم و اثره فليس بذلك بأس أن يأتي لأجل المشاهد إلا ان الناس قد افرطوا في هذا جدا واكثروا فيه اه (من الاقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية ص ۱۸۴)

دل قوله إلا ان الناس قد شرطوا الخ على المنع منه اذا ترتب عليه فتنة ۱۲۔

سردارانِ نجد یہ ہی پیش نہیں کرتے بلکہ جملہ مذاہبِ اربعہ کے علماء اور محدثین نے اس کو پیش کیا اور نقل کیا ہے اور صحیح مانا ہے۔

علماءِ شافعیہ میں سے خاتمۃ الحفاظ المحدثین حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس اثر کو نقل کرتے ہوئے اس کی تصحیح کی ہے۔ قال ثم وجدت ابن سعد

باسناد صحیح عن نافع ان عمر بلغه ان قومًا يأتون الشجرة الخ (ج ۲ ص ۳۳۵)

اور علماءِ حنفیہ میں سے خاتمۃ المحققین علامہ عینی نے شرح بخاری میں اس اثر کو نقل کرتے ہوئے صحیح مانا ہے۔ قال وفي رواية ابن سعد باسناد

صحیح عن نافع ان عمر بلغه الخ (ج ۸ ص ۲۸۴)

اور علماء مالکیہ میں سے امام محمد بن وضاح نے جو حافظ حدیث ہونے کے علاوہ محدث الاندلس کے لقب سے ممتاز ہیں۔ اپنی کتاب میں سند صحیح سے اس اثر کو بیان فرمایا ہے ملاحظہ ہو (انما تہ العنان لابن المقیم ص ۱۸۵)

اور علماء حنابلہ میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرائی اور حافظ ابن القیم نے اس اثر کو بیان کر کے اس سے احتجاج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۸۵ لابن تیمیہ۔

اور انما تہ العنان لابن القیم ص مذکور۔

پس اگر اس اثر کو بیان کرنا اور اس کو صحیح ماننا اور اس کو استدلال میں پیش کرنا اتحاد اور جہل ہے۔ اور حضرت عمرؓ پر ناپاک اتہام لگانا اور ان کے دامنِ عدل پر دھبہ لگانا ہے۔ تو اس کے مجرم صرف جماعتِ نجدیہ یا سردارانِ نجدیہ ہی نہیں بلکہ ایک طرف سے تمام اہل سنت والجماعت اور جملہ مذاہبِ اربعہ اس جرم کے مرتکب ہوں گے نعوذ باللہ منہ۔

کیونکہ اس مبتدع مضمون نگار کے اس مضمون سے تمام اہل سنت کے دامنِ عصمت پر ایک غلیظ الزام اور بدنامی داغ لگتا تھا اس واسطے ضروری ہوا کہ مختصراً اس کا جواب دیدیا جائے۔ تاکہ عوام غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

مضمون نگار نے اولاً بخاری کی روایات سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ درخت بیعتِ رضوان کے اگلے ہی سال تمام صحابہ کی نظروں سے غائب ہو گیا تھا

اور اس کیلئے حضرت عبداللہ بن عمر کا قول رجعنا من العام المقبل فی اجتماع من
اثنان علی الشجرة التي بايعنا تحتها كانت رحمة ۱۶

اور حضرت مسیب بن حزن کے قول فلما خرجنا من العام المقبل
نسیناها فلم نقدر علیہا سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ صیغہ جمع متکلم کا
استعمال عموم کو بتلاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدم عرفان شجرہ اور اس کو
بھول جانا فقط عبداللہ بن عمر و مسیب بن الحزن کیلئے خاص نہ تھا۔

مگر اس سے کوئی پوچھے کہ صیغہ جمع متکلم کا عموم پر دلالت کرنا یہ کون سا
قاعدہ معانی و اصول سے ثابت ہے۔ صیغہ جمع متکلم حقیقت کے اعتبار سے ایک
سے زائد پر دلالت کرتا ہے کیونکہ عربی زبان میں دو کے واسطے بھی جمع متکلم کا صیغہ
ہی وضع کیا گیا ہے۔ جو میزان پڑھنے والے بھی جانتے ہیں۔

پس مسیب بن الحزن کے قول میں دو سے نہ یادہ پر دلالت کی کوئی
دلیل بیان کرنا چاہیے کیونکہ ان کے کلام میں کوئی قرینہ ارادۂ تثنیہ یا جمع پر
قائم نہیں بلکہ قتادہ کی روایت میں مسیبؓ کا قول نسیناها فلم اعرفها۔
یہ بتلاتا ہے کہ وہاں جمع سے واحد ہی مراد ہے۔ کیونکہ مجازاً کبھی واحد کو بھی جمع
سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں جا بجا حق تعالیٰ نے اپنے لئے صیغہ جمع ارشاد
فرمایا ہے۔ اور یہ محاورہ ہر زبان میں شائع ہے۔

پس مضمون نگار کو اس مجاز کے مراد نہ ہونے پر بھی دلیل قائم کرنا چاہیے
جس کا قرینہ دوسری روایت میں موجود ہے اور ابن عمرؓ کے قول میں ارادہ معنی
جمع پر گو قرینہ ہے۔ مگر اس میں بھی عموم و استغراق پر کوئی دلیل نہیں! اس سے
یہ کیونکہ ثابت ہوا کہ تمام صحابہ اس درخت کو بھول گئے اور اس کی تعیین سے
عاجز تھے۔ پھر ابن عمرؓ اور مسیبؓ کے قول سے اُن کا عدم عرفان و نسیان ہی مفہوم
ہوتا ہے۔ نظروں سے گم ہو جانا جس سے غیبی طور پر اس کا اخفاء و ارتفاع مفہوم
ہو رہا ہے۔ کس لفظ سے سمجھا گیا۔ کیا کسی چیز کو نہ پہچاننا اور بھول جانا اس پر بھی
دلالت کرتا ہے کہ وہ نظروں سے گم ہو جائے۔ ہرگز نہیں۔

اگر مضمون نگار اس بات کا مدعی ہے تو دلیل قائم کرے اور اگر اس نے

اس روایت کے تمام طرق کو جمع کیا ہوتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت مسیبؓ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ درخت ہی اصل سے مخفی و غائب ہو گیا۔ بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ وہ درخت موجود تھا مگر ہم کو اس کی تعیین میں اشتباہ ہو گیا۔ چنانچہ عفان کی روایت میں حضرت مسیبؓ کے یہ الفاظ ہیں فعمی علینا مکاتہا۔

(فتح الباری فی شرح البخاری۔ ج ۷، ص ۳۴۴)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے الفاظ تو بہت صاف ہیں کہ وہ تو اتنا ہی فرماتے ہیں کہ ہم میں سے دو آدمی بھی اس درخت پر اتفاق نہ کر سکے۔ جس سے صراحت ہی معلوم ہو رہا ہے کہ وہ صرف اپنا تعیین نہ کر سکا بتلا رہے ہیں۔ نہ کہ درخت نظروں سے غائب اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مضمون نگار نے حضرت مسیبؓ

کے قول اِن اصحاب محمد لم یعلمواھا و علمتھا انتم فانتم اعلمو سے استدلال کیا ہے۔ کہ جمع مضاف بقاعدۃ معانی و اصول مفید استغراق ہے پس حاصل یہ ہوا کہ عموماً اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے یہ درخت علی سبیل التعین غائب ہو گیا تھا۔ اس مضمون نگار نے جمع مضاف کے مفید استغراق ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس کو قاعدۃ معانی و اصول بتلایا ہے۔ مگر اس سے کوئی پوچھے کہ یہ قاعدہ کہاں لکھا ہے ذرا وہ عبارت کتاب مع حوالہ صفحہ و باب نقل کرے پھر یہ بھی ثابت کرے کہ جمع معرف بالام یا جمع مضاف کا استغراق کیلئے ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ یا مختلف فیہ اگر اس نے نور الانوار ہی پر طہی ہوتی تو معلوم ہو جاتا کہ عموم کیلئے استغراق کا لازم ہونا مختلف فیہ ہے چنانچہ فخر اسلام عموم استغراق کو شرط نہیں کرتے اور اہل معانی نے جمع معرف بالام کا مفید استغراق ہونا ضرور بیان کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کی دو قسمیں بھی کی ہیں۔ استغراق حقیقی اور استغراق عرفی اور استغراق

پس اس لفظ سے بھی کسی طرح مضمون نگاریہ ثابت نہیں کر سکتا کہ صحیح ہے
 اس درخت کو بھول گئے اور اس کے پہچاننے سے عاجز تھے اور اس کا غائب ہو جانا
 تو کسی لفظ سے بھی مفہوم نہیں ہوتا اور یہ ایسی بات ہے جس کا غلط ہونا خود
 مضمون نگار کے ضمیر کو معلوم ہے مگر وہ دیدہ و دانستہ سعید بن المسیبؓ کے قول
 میں اصحاب محمدؐ کو استفراق حقیقی پر محمول کرنے کی غلط کوشش کر رہا ہے۔ کیونکہ
 وہ جانتا ہے کہ بخاری میں حضرت جابرؓ کا یہ قول بھی موجود ہے۔ لو كنت ابصر
 اليوم لاريتكم مكان الشجرة۔ اگر میں آج بینا ہوتا تو تمہیں درخت کی جگہ
 بتلا دیتا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ کو مکانِ شجرہ کا علی
 سبیل التعین علم تھا۔ اور جب وہ درخت غیبی طور پر دنیا سے اٹھایا نہیں
 گیا تو یقیناً جب تک وہ اپنی جگہ پر قائم رہا اس وقت تک وہ درخت کو پہچانتے
 تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ اس درخت کو اور اس کی جگہ کو نہ بھولے تھے۔
 مگر مضمون نگار دیدہ و دانستہ اس حقیقت پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے
 اور نہایت جرأت سے کہتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے مکانِ الشجرہ فرمایا ہے بعینہ
 الشجرہ نہ فرمایا۔ جبکہ ظاہر ہے کہ اصل درخت کی شناخت اور ہے اور اس
 جگہ کی پہچان اور ہے الخ۔

جس شخص کے سر میں دماغ اور دماغ میں شعور ہے وہ جانتا ہے کہ جو
 شخص کسی درخت کو یا کسی مکان کی جگہ کو پہچانتا ہو گا وہ یقیناً اس درخت
 اور مکان کے بقاء تک کو پہچانے گا اور مکان بھی ضرور پہچان لے گا۔

اور یہی وہ بات ہے جس کو حافظ ابن حجر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول سے سمجھا ہے۔
مگر مضمون نگار حافظ کی سیدھی اور صحیح بات کو ایک احتمالِ رقیق کہہ کر اڑا
دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور محض مکانِ شجرہ

اس کا جواب اوپر کی تقریر سے ناظرین نے سمجھ لیا ہو گا کہ ان حضرات کے اقوال
سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ درخت نگاہوں سے غائب اور آنکھوں سے
اوجھل ہو گیا تھا۔ بلکہ وہ صرف اپنا نہ پہچاننا اور جگہ کا یاد نہ رہنا اور اس
درخت کا دوسرے درختوں سے مشتبہ ہونا بتلاتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ
کرامت کے طور پر درخت دنیا سے اٹھالیا گیا یا آنکھوں سے غائب اور اوجھل
کر دیا گیا محض مضمون نگار کا خیال آفرینی ہے۔ اور اپنی طرف سے ایک نئی
بات کا اختراع ہے۔

حضرات صحابہ نے ہرگز ان باتوں کا دعویٰ نہیں کیا تھا اگر کسی کو دعویٰ
ہے تو اس پر صریح دلیل قائم کرے۔ جب تک اس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اس
وقت تک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بات کار و کرنا آفتاب پر تھوکا اپنے منہ پر
لینا ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ بعض صحابہ اس درخت کو اور اس کے تباہ ہونے کے
بعد اس کی جگہ کو جانتے اور پہچانتے تھے۔

اب تو بخاری کی روایت سے یہ ثابت ہو گیا کہ سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے قول
میں اصحاب محمد میں جمع مضاف عموم اور استغراق کیلئے نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو
اصحاب عرفی مراد ہے نہ کہ حقیقی۔ اس کے بعد مضمون نگار کہتا ہے کہ اگر حضرت
جابر کی روایت کو عبداللہ بن عمر اور مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے تعارض ہوتا بھی تو حضرت

عبداللہ بن عمر کی روایت کو بہر صورت ترجیح و تقدیم ہوتی۔ اس لیے کہ وہ آثارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت جویان تھے اور اُن مقامات کی حضوری سے برکت حاصل کرتے تھے۔ ۱۶

مگر یہ ایسی بات ہے جو اسی شخص کی زبان سے نکل سکتی ہے جس کو علم سے ذرا مس نہ ہو کیونکہ سب حدیث پڑھنے والے اس قاعدہ کو جانتے ہیں کہ جاننے والا نہ جاننے والے پر مقدم ہے اور مثبت نافی پر مقدم ہے۔ پس اس قاعدہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح ہے۔ اور جو وجہ ترجیح مضمون نگار نے بیان کی ہے اس کو علماء حدیث وفقہ سے اسباب ترجیح میں شمار نہیں کیا۔ دوسرے یہ ماننا کہ حضرت عبداللہ بن عمر آثارِ رسول اللہ کے بہت جویان تھے مگر حدیث پڑھنے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صغار صحابہ میں یعنی کمسن اور تھوڑی عمر والے تھے۔ اُن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا علم بلا واسطہ کم ہوتا تھا۔ وہ بہت سے آثار کو اجل صحابہ کرام سے دریافت کر کے معلوم کرتے تھے۔

چنانچہ دخول بیت اللہ اور اس میں نماز پڑھنے کی کیفیت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے معلوم کی۔ (بخاری ج ۱، ص ۲۱۶)

اسی طرح قباء میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور وہاں کی مسجد میں آپ نے نماز پڑھی اور انصار حالتِ نماز میں آپ کو سلام کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ سے اُن کو جواب دیتے تھے۔ یہ کیفیت بھی اُن سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوئی تھی۔ (ابوداؤد ج ۲، ص ۹۷)

پھر باوجود اس قدر تتبع آثار کے عبداللہ بن عمر بعض دفعہ کسی بات کو بھول بھی جاتے تھے چنانچہ بخاری میں موجود ہے کہ ابن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ ماہِ رجب میں بیان کیا جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار فرمایا اور کہا کہ عبداللہ بن عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر عمرہ میں تھے لیکن رجب میں آپ نے کوئی عمرہ نہیں فرمایا۔ (بخاری ج ۱، ص ۲۳۹)

کیا بعید ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر شجرۃِ رضوان کو بھی بھول گئے ہوں

پھر کیا وجہ ہے کہ اُن کی نسیان و عدم معرفت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علم و معرفت پر ترجیح دی جاتے۔ یہ نیا طریقہ و ترجیح مضمون نگار کے دماغ نے ایجاد کیا ہے۔

اس کے بعد مضمون نگار نے عمدة القاری کی عبارت کا حوالہ دیکر کہا ہے کہ علامہ عینی محدث نے بھی اس درخت کا بعیۃ استتار و اخفاء کا ذکر کیا ہے جیسا کہ میں نے عبارت نص سے سمجھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ عینی محدث نے اس کے باوجود اثر نافع کو بھی صحیح کہا ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اور اس اثر کو قول ابن عمر و مسیب و سعید کے خلاف سمجھ کر رد نہیں کیا جیسا مضمون نگار نے کیا ہے۔ اور نہ اس کو حضرت عمر پر ناپاک اتہام کہانہ اس کے راویوں اور ماننے والوں کو ملاحدہ و جہال کہا۔ لیکن مضمون نگار کے نزدیک اس اثر کو ماننے والے اور پیش کرنے والے سب ملاحدہ و جہال ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ناپاک اتہام لگانے والے جن میں خود علامہ عینی محدث بھی داخل ہو گئے۔ اول تو مضمون نگار اس الزام سے علامہ عینی محدث کو بری کرے اور اپنے خود ساختہ جرم کو اُن پر سے دفع کرے پھر ہم بھی اُن کے قول کا مطلب حل کر دیں گے۔ اس کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کیا انہوں نے اس میں بھی فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر کی اس رقیق توجیہ پر نہایت تعجب فرمایا اس کے متعلق اولاً صحیح سند کا مطالبہ ہے کہ مضمون نگار سند صحیح متصل اس فتاویٰ مطبوعہ کا شاہ صاحب کا فتاویٰ ہونا ثابت کرے اور بتائے کہ اس کو شاہ صاحب نے جمع کیا ہے یا کسی اور نے اور جامع ثقہ ہیں یا نہیں اور آجکل کے مطابع کا کسی کتاب کو طبع کر کے کسی کے طرف منسوب کر دینا حجت نہیں۔ اس فتاویٰ کو جس کسی عالم نے بھی دیکھا ہوگا وہ جانتا ہوگا کہ اس میں کس قدر رطب و یابس کو بھرا گیا ہے۔ اور اگر بالفرض یہ فتاویٰ شاہ صاحب کا ہی ہے تو اب حافظ ابن حجر اور شاہ صاحب کی جلالتِ شان کا موازنہ کر کے اہل علم سے فیصلہ کر دیا جائے کہ حدیث کے علم میں حافظ کا مرتبہ عالی ہے یا شاہ صاحب کا۔ پس یہ دلیل بھی لغو ہوئی۔

اس کے بعد مضمون نگار بہت برأت سے دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا شجرہ رضوان کو کٹوا دینا بالکل بے سرو پا افسانہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ بخاری کی روایت صحیح کے خلاف ہے اس سے تو اس کا اخفاء و استتار ثابت ہوتا ہے۔ پھر قطع و برید کے کیا معنی ہونگے۔ الخ

اس کا جواب ہماری تقریر بالا سے بالکل ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری سے درخت کا نظروں سے اوجھل ہو جانا اور غائب ہو جانا اور نہ پہچان سکنا اور جگہ میں اشتباہ ہو جانا ثابت ہے۔ اور قول سعید بن المسیب کو استغراق عربی پر محمول کیا جائے تو بہت سے بہت مدینہ کے اکثر صحابہ کا بھول جانا اور نہ پہچاننا ثابت ہو جائے گا۔ اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ عام طور پر تمام صحابہ خصوصاً مکہ اور حدیبیہ اور حرم کے رہنے والے صحابہ بھی اس درخت کو بھول گئے۔ اور پہچان نہ سکتے تھے۔ یا وہ درخت ہی دنیا سے غائب ہو گیا تھا یہ محض مضمون نگار کی نرالی فہم ہے جو کہ سرتایا غلط ہے۔ اس لئے یہ اثر بخاری کی روایت کے خلاف ہرگز نہیں اس کے بعد کہتا ہے کہ ثانیاً اگر جابرؓ کے قول کے وہ معنی بھی لیں جو حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ ان کی آخر عمر میں نابینائی تک وہ درخت بعینہ باقی تھا یعنی ۳۸ھ کے لگ بھگ تک تب بھی قطع و برید محال ہے اس لئے کہ حضرت عمرؓ کا انتقال ۲۳ھ میں ہوا ہے الخ

اس کا جواب بجز اس کے کیا دوں کہ ”چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد“ یا یوں کہوں کہ دروغ گور حافظہ نہ باشد۔ یا یوں کہوں کہ مضمون نگار کی عقل آئہ شافعیہ، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی شان میں گستاخی کرنے کی وجہ سے مسخ ہو گئی ہے۔ کیونکہ حافظ نے ہرگز نہیں کہا کہ وہ درخت حضرت جابرؓ کی آخری عمر نابینائی تک باقی تھا۔ وہ تو اس کے خلاف تصریح فرما رہے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ وفيه دلالة على انه كان يعرفها بعينها لان الظاهر انها حسن مقالتہ کانت هلك اما بحفاف أو بخيره واستمر هو يعرف موضعها بعينه ثم وجدت عند ابن سعد باسناد صحيح الخ (ج ۴، ص ۳۴۳، ۳۴۵)

اس میں صاف تصریح ہے کہ حافظ کے نزدیک حضرت جابر کی بینائی کے وقت وہ درخت ہلاک ہو گیا تھا۔ تب ہی تو حضرت جابر نے یہ فرمایا کہ اگر میں بینا ہوتا تو درخت کی جگہ بتلا دیتا۔ اگر اس وقت درخت بعینہ موجود ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ تم کو دکھلا دیتا پس اس اعتراض کی لغویت اور مضمون نگار کی فہم کا حال معلوم ہو گیا۔

اس کے بعد مضمون نگار کہتا ہے۔

ثالثاً جس نے اس حکایت کو پیش کیا ہے وہ طبقات ابن سعد سے پیش کیا ہے اس جمع سے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن سعد کاتب واقدی کی روایت بخاری کی روایت کے سامنے قابل قبول نہیں چنانچہ اس لیے اس نے آخر میں کہا ہے کہ اب سمجھنا چاہیے کہ کجا امام محمد بخاری و کجا کاتب واقدی شتان بینہما۔

مگر میں کہتا ہوں کہ یہ بات تو مضمون نگار کو اس وقت زبان سے نکالنی چاہئے تھی جب کہ وہ اس اثر کو روایت کے معارض ثابت کر دیتا۔ حالانکہ ہم دکھلا چکے ہیں کہ اس نے کسی دلیل سے بھی اس کا معارض ہونا ثابت نہیں کیا، محض خیالی ڈھکوسلوں سے وہ اس کو معارض سمجھتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ کاتب واقدی کی طرح مجروح و مطعون نہیں ہے۔ بلکہ اس کو تمام محدثین نے حافظ، ثقہ عدل و متحری مانا ہے۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب (ج ۹، ص ۱۸۲)

• محمد بن سعد بن منیع الهاشمی مولا ہوا ابو عبد اللہ البصری المتحررین قال الخطیب و محمد عند من اهل العداۃ و حدیثہ یدل علی صدقہ فانہ یتحرری فی کثیر من روایاتہ اھ
تیسرے ہم مضمون نگار کو اس کی قلت نظر پر تنبیہ کرتے ہیں کہ اس اثر کو سب نے طبقات ابن سعد ہی سے پیش نہیں کیا بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم نے اس کو کتاب محمد بن وضاح سے نقل کر کے پیش کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزشتہ چکا۔ اور محمد بن وضاح کا حال طبقات مالکیہ لابن فرحون جس کا نام الدیباج المذہب ہے۔ اس طرح مذکور ہے۔ وہ یبقی بن مخلد صارت الاندلس دار حدیث و کان اماماً ثبتاً عالماً بالحدیث بصیراً بہ متکلماً علی

علاقہ ۱ھ (ج - ص ۲۳۰، ۲۳۱)

اس کے بعد مضمون نگار نے نہایت دلیری سے اس اثر کے راویوں پر کلام شروع کیا ہے۔ کہ اس میں عبدالوہاب بن عطاء، ضعیف ہے جس کو بخاری نے لیس بالقوة کہا ہے۔ اور تقریب میں صدوق ربما اخطا کہا ہے۔ یہی وجوہات ہیں کہ امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہ کی اور نہ مسلم نے ادھر توجہ کی انہی

اس کا جواب یہ ہے کہ مضمون نگار کو ایسی سند پر کلام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے حافظ ابن حجر و علامہ عینی جس اسناد کو صحیح فرما چکے ہیں کیونکہ تہذیب التقریب کے مصنف خود حافظ ابن حجر ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ کون سے جرح سے راوی ضعیف ہوتا ہے اور کس سے نہیں ہوتا۔ اور ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر و علامہ عینی دونوں نے اس اسناد کو اسناد صحیح فرمایا ہے۔ اس کے بعد مضمون نگار کو یہ معلوم کر کے اپنی قلت بضاعت پر رونا چاہئے کہ امام محمد بن وضاح نے اس روایت کو بواسطہ عیسیٰ بن یونس روایت کیا ہے جو صحیح بخاری و مسلم دونوں کے رواۃ ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں ان کی سند میں عبدالوہاب بن عطاء کے متعلق کہتا ہے کہ نہ مسلم نے اس طرف توجہ دی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مسلم نے عبدالوہاب کی روایت کو صحیح مسلم میں نہیں لیا۔ حالانکہ تہذیب و تقریب۔ دونوں میں امر مبہم سے اور کتاب الجمع میں الرجال الصحیحین للمقدسی میں صراحت کے ساتھ ان کا رجال مسلم سے ہونا مذکور ہے۔ اس کے بعد مضمون نگار نے اس پر زور دیا ہے کہ یہ اثر بقاعدہ محدثین منقطع ہیں۔ کیونکہ نافع نے حضرت عمر کو نہیں پایا اور منقطع قابل اعتماد و استناد نہیں ہوتا۔ اس کے بعد یا سردارانِ بخدیہ کی دیانت پر حملہ کیا ہے کہ یہ لوگ اپنے عقیدہ فخریہ کو ثابت کرنے کیلئے رطب و یابس کی تمیز بھی نہیں کرتے۔ لیکن مضمون نگار کو اس کی خبر نہیں کہ یا سردارانِ بخدیہ سے پہلے خود اس کے مسلم علماء عینی اور حافظ جیسے محدثین جو بخدیہ یا وہابی نہیں۔ بلکہ حنفی اور شافعی مقلد ہیں اس اثر کو نقل کر کے اس کی اسناد کو صحیح کہہ چکے ہیں۔ تو کیا ان کی بھی رطب و یابس کی

تمیز نہ تھی۔ پس اس کو پہلے اپنے گھر کی خبر لینا چاہیئے۔ پھر پاسدارانِ نجدیہ کو الزام دینا زیبا ہوگا۔

۵۔ حملہ بر خود می کنی۔ اے سادہ مرد، بچوں آں شیر کہ بر خود حملہ کرد۔ نیز ان کو اپنے مذہب کے اصول کو بھی پڑھنا چاہیئے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ حنفیہ کے یہاں قرونِ ثلاثہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا منقطع بھی حجت ہے وہ اس کو صرف ہم نہیں کہتے ملاحظہ ہو نور الانوار ص ۱۸۵، ۱۸۶ التقسیم الثانی فی الانقطاع وهو نوعان ظاہر و باطن اما الظاہر فمرسل من الاخبار ان کان من الصحابی فمقبول بالاجمال ومن القرن الثانی والثالث مقبول عند الحنفیة۔

اور اہلِ نجد اپنے کو حنبلی کہتے ہیں اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی حنفیہ کی طرح منقطع حجت ہے۔ ملاحظہ ہو اعلام الموقعین لابن القيم ج ۱ ص ۱۸۰ اور پاسدارانِ نجدیہ کے نزدیک منقطع ضعیف ہے تو مطلقاً ضعیف نہیں بلکہ وہ منقطع ضعیف ہے جس کا ارسال کرنے والا ثقہ و غیر ثقہ ہر ایک سے ارسال کرتا ہو اور اگر ارسال کرنے والے صرف ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہو یا وہ امام متفق علیہ ہو تو اس کا ارسال و انقطاع محدثین کے یہاں مقبول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلغات مالک ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ اور بخاری کی تعلیقات مجزومہ بھی بحکم موصول صحیح ہیں۔ اور اصول حدیث میں پاسدارانِ نجدیہ محدثین ہی کے متبع ہیں اب دیکھنا چاہیئے کہ نافع کا ارسال کس قسم میں داخل ہے تو ظاہر ہے کہ نافع متفق امام و ثقہ ہیں جب کوئی وجہ نہیں کہ مالک کا بلاغ حجت خط ہو اور نافع کا بلاغ و ارسال حجت نہ ہو۔ حالانکہ امام مالک نے جس سند کو اصح الاسانید کہا ہے وہ نافع کے واسطے سے ہے اور دوسرے نافع کا صحیح الروایۃ ہونا اور ان کی روایت میں خطانہ ہونا بھی ایک مسلم امر ہے۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب (ج ۱۰، ص ۴۱۴)

وقال الخلیلی نافع من أئمة التابعین بالمدینۃ امام فی العلم متفق علیہ صحیح الروایۃ ولا یعرف له الخطاء فی جمیع ما رواہ اہل ملخصا۔

اس تصریح کے بعد نافع کے ارسال و انقطاع کے مقبول ہونے میں کیا کلام ہے حیرت ہے کہ احمد بن حنبل اور بخاری اور مالک وغیرہ کسی بات کو جزم کے ساتھ بلا نما یا تعلیقات بلا سند بیان کریں تو ان کا نام جزم و حجت ہو اور نافع جیسے امام التابعین متفق علیہ ثقہ صحیح الروایۃ کا جزم حجت نہ ہو۔ اس کو کوئی محدث تسلیم نہ کریگا۔ علاوہ ازیں کہ جن پاسداران بخدیہ نے مقابر و قبب کے قابل اہتمام ہونے کی تائید میں نافع کا یہ اثر پیش کیا ہے ان کا مدعی صرف اسی پر موقوف نہیں بلکہ اس کو تو محض تائید کے درجہ میں وہ پیش کرتے ہیں اور منقطع سے تائید کرنا اتفاقاً سب کے نزدیک درست ہے۔ اور ان کا اصل مدعا احادیث مرفوعہ صحیح سے ثابت ہے۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمودے کے بختہ کرنے اور ان پر عمارت بنانے اور چراغان کرنے سے منع فرمایا ہے پس اگر مضمون نگار کو ہمت ہے تو ان احادیث کا جواب دے کہ اپنی مبتدع جماعت کی دستگیری کرے محض اثر نافع کی تردید میں اتنا زور کیوں دکھلایا جاتا ہے۔ جس سے پاسداران بخدیہ اتنا کہہ سکتے ہیں اور پھر سبکدوش ہو سکتے ہیں کہ اس کو تو ہم نے محض تائید میں بیان کیا تھا۔ اور ہمارا اصل اعتماد احادیث مرفوعہ صحیحہ پر ہے۔

اس کے بعد مضمون نگار علم دین کے میدان سے نکل کر نئی (مغربی) روشنی کی پناہ لیتا ہے جو غالباً اس کا اصلی مذاق ہے اور پہلا رنگ محض بختہ کاران اسلام کو دھوکہ دینے کیلئے اختیار کیا گیا تھا وہ کہتا ہے۔ (خاکش بدہن) ملاحدہ و جہال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وسیع الخیالی کی پست خیالی ثابت کر نیکی لئے اس قسم کی باتیں اس جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ آثار قدیم و مہتم بالشان یادگاروں کو مٹاتے تھے کتب خانہ اسکندریہ جلا دیا اور تبرک آثار رسول کو مٹا دیا پھر کہتا ہے کہ آثار قدیمہ کی حفاظت کا مسئلہ اس زمانہ میں مسلم الثبوت ہو گیا ہے۔ اور ناموران ملک و ملت کا اسٹیچور مجسم) نصب کیا جاتا ہے اور اس کے نصب کرنے میں مسلمان لیڈران بھی فراخ دلی سے شرکت کرتے ہیں۔ اور تصویر کے جواز پر رسالہ لکھا جاتا ہے۔

مگر ذریاتِ نجد یہ جب آثارِ انبیاء کو اور آثارِ سلف صالحین کو مسمار کرتے ہیں تو اس کو سنت فاروقی و مشرب شافعی و مسلک حنبلی بنا کر اس عمل کو مستحسن بناتے ہیں اس کے بعد پھر علم دین کی پناہ میں آکر کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو آثارِ انبیاء کی ایسی قدر کرتے تھے کہ مقامِ ابراہیم جہاں حضرت ابراہیم کے قدم مبارک کے نشان تھے اس کو مصلیٰ بنانے کی تمنا کرتے تھے۔ حالانکہ بت پرستی کا خوف تو مقام میں تو بہت زیادہ تھا کیونکہ اس کے پوچھنے والے وہاں بہت باقی تھے۔ اس کے بعد واقع رمل کا ذکر کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ میں رمل کیا تھا تاکہ مشرکین قوتِ اسلامی کو دیکھ لیں پھر حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں فرماتے ہیں کہ اب تو اس کی ضرورت نہیں رہی یہاں نہ مشرکین ہیں نہ مخالفین لیکن یہ ہمارے حضور کا فعل ہے ہم تو اسے نہ چھوڑیں گے بے ضرورت شئی کو قائم رکھنا فقط آثارِ رسول کی قدر دانی تھی پس ایسے بزرگ کو شجرۃ الرضوان کا قاطع بتانا قطعاً بہتان و افتراء ہے اور ایسے آثار پر مسجد بنانا اور وہاں نماز پڑھنا اگر حضرت فاروق کے نزدیک ایک ناجائز و منہم شرک تھا تو سب سے پہلے اپنے فرزند کو تنبیہ فرماتے جن سے بروایت صحیحہ یہ باتیں ثابت ہیں۔ الخ ملخصاً۔

اس خبطِ عشواء اور کفر و اسلام سے مرکب کلام کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے شک وسیع الخیال تھے مگر اسی حد تک جہاں تک اسلام میں اور شریعت میں وسعت ہو اور جن باتوں سے اسلام و توحید میں رخنہ پڑنے کا خطرہ ہوتا ان کے مٹانے میں وہ تمام صحابہ سے زیادہ شدید تھے۔ اسی لیے شیطان ان کے سایہ سے بلکہ نام سے بھی بھاگتا تھا۔ مضمون نگار کے نزدیک تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وسیع الخیال اس وقت ہوتے جبکہ وہ اپنے زمانہ کے بہادر اور دلیر صحابہ کا مجسمہ تیار کراتے جیسے حضرت خالد بن ولید و ضار بن ازر و ذوالطلع حمیری وغیرہم۔ بلکہ پورے وسیع الخیال تو جب ہوتے کہ دشمنان اسلام میں بھی جو نامور اور بہادر تھے جیسے ابو جہل وغیرہ ان کے مجسمے تیار کراتے یا کم از کم ان کی قبروں کو پختہ ہی بنا دیتے تاکہ آجکل کی محافظ آثارِ قدیمہ کمپنی

کی معلومات میں اضافہ ہوتا جو فرعون کی لاش کو بھی بڑی احتیاط سے عجائب خانہ میں رکھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تو خزانہ فارس سے حضرت دانیال پیغمبر علیہ السلام کا جسم مبارک آیا تھا آپؑ نے اس کو بھی اسی طرح دفن کیا کہ آج تک کسی کو پتہ نہ چلا کہ ان کی قبر کس جگہ ہے۔ کیونکہ آپؑ نے دن میں تیرہ قبریں کھودوا کر رات کو ایک قبر میں ان کا جسم مبارک دفن کر کے سب پر مٹی برابر کر دی ذرا سا نشان بھی تو نہ بنایا جو مبتدع مضمون نگار کی جماعت کے لیے سجدہ گاہ بنانے میں معین ہوتا اور شاید مقدمہ میں اضافہ کا سبب بن جاتا۔

دیکھو انما ثلثة اللہمان لابن القیم (ص ۱۹)

جس میں سند صحیح کے ساتھ یہ واقعہ مذکور ہے۔ اور حضرت خالد جیسے بہادر و شیر دل کا مجسمہ تو کیا تیار کراتے یا ان کی قبر کو پختہ و عالی شان تو کیا تیار کرتے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ان کو قیادت عساکر سے بھی معزول کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے نزدیک وسیع الخیال کس طرح ہو سکتے ہیں۔ بس ایسی وسیع الخیال مضمون نگار اور اس کے فراخ دل بیباک لیڈروں کو ہی مبارک ہو۔ جو اسٹیجوں نصب کرنے میں شرکت کرتے اور جواز تصویر کی کوشش کر کے توحید اسلامی کو مٹانا چاہتے ہیں۔

اور ہاں مضمون نگار کے نزدیک جب ایک مبارک درخت کا کاٹنا تنگ خیالی اور اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا تنگ خیالی ثابت کرتا ہے تو یقیناً ان مصاحف قرآنیہ کو نیست و نابود کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھے گئے تھے۔ یا ان صحابہ کے مصاحف کو دھلوا کر چاک کر دینا جو ترتیب نزول وحی پر انہوں نے لکھے تھے۔ مضمون نگار کے نزدیک بہت بڑی تنگ خیالی ہوگی مگر تاریخ و احادیث شاہد ہیں کہ حضرت عثمان نے قرآن کو بترتیب موجود پر مرتب کر کے بقیہ مصاحف کو نیست و نابود کر دیا تاکہ بعد میں امت کے اندر فتنہ رونما نہ ہو بس مضمون نگار کو سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرات صحابہ کی نظر میں آثار قدیمہ سے زیادہ احکام و اعتقادات کی حفاظت ضروری تھی وہ اس کی حفاظت کیلئے آثار قدیمہ کی زیادہ پرواہ نہ کرتے تھے۔

رہا واقعہ رمل و قصہ مقام ابراہیم تو اس سے مضمون نگار کا مدعا کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ ضروری آثار کا باقی رکھنا بھی جائز نہیں یا ان کی زیارت ممنوع ہے۔ اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرقہ نجدیہ یا پاسداران نجدیہ کا یہ گمان ہے کہ وہ تمام آثار نبویہ کو مٹایا کرتے تھے بلکہ ان کا دعویٰ (ملاحظہ ہو اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ص ۱۸۵، ۱۸۶ جس میں بہت تفصیل کے ساتھ اس بحث کو بیان کیا گیا ہے) صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضروری آثار کو باقی رکھتے تھے اور غیر ضروری کو مٹا دیا کرتے تھے۔ جبکہ ان کے ساتھ ضروری آثار جیسا معاملہ کیا جاتا۔ اور ضروری آثار وہ ہیں جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً توجہ فرمائی ہو یا ان کے متعلق امر فرمایا ہو۔ یا نص میں اسکی عظمت کی طرف اشارہ ہو۔ چنانچہ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب اور ممبر کی جگہ محفوظ رکھی گئی۔ وہ ستون محفوظ رکھا گیا جس کی آڑ میں آپؐ بالقصد نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح مقام ابراہیم کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلیٰ بنانا چاہا۔ کیونکہ رسول اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اس کا احترام ظاہر فرمایا تھا۔ ادھر نص قرآنی میں ہے فیہ آیات بینات مقام ابراہیم۔ نازل ہو چکا تھا۔ اور اس کے پوجنے والے وہاں بہت باقی تھے۔ محض افتراء و بہتان ہے۔ وہ کسی معتبر تاریخی کتاب یا حدیث سے بھی اس کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ مشرکین عرب مقام ابراہیم کی پرستش کرتے تھے۔ مشرکین جن بتوں کی پوجا کرتے تھے فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو خانہ کعبہ سے نکال کر پھینک دیا تھا مقام ابراہیم کسی قبیلہ کا بت نہیں تھا۔ اور اگر محض احترام کا نام عبادت ہے تو احترام تو مشرکین کعبۃ اللہ اور حجر اسود کا بھی کرتے تھے۔ جب خدا و رسول نے کعبہ و حجر اسود کے احترام کو بت پرستی کا سبب یا ذریعہ نہ سمجھا تو حضرت عمر مقام ابراہیم ہی میں ایسا خطرہ کیوں کرتے۔

اور واقعہ رمل میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کی طرف عمداً توجہ فرمائی تھی۔ اور نہ صرف توجہ فرمائی بلکہ صحابہ کو اس کا امر فرمایا تھا پھر حکم کے

ہوتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو کیسے موقوف کر دیتے۔ البتہ ان کو بعد میں یہ شبہ ہوا تھا کہ شاید یہ حکم اس وقت کیلئے مخصوص ہو۔ کیونکہ اس وقت اس کی ضرورت تھی اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی اور قاعدہ ہے الضرورة تنقذ بقدر الضرورة۔ جو کام کسی ضرورت سے کیا جاتا ہے وہ ضرورت ہی کے ساتھ مقید ہوتا ہے تو اب شاید اس حکم کا باقی رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود کے خلاف ہو۔ پھر آپ کے ذہن میں کوئی دوسری بات آگئی جس سے اس حکم کا اسی وقت کیلئے مخصوص ہونا واضح ہو گیا۔ اس لئے حکم ظاہری عموم پر رکھا۔ اور اجتہاد سے اس کو مخصوص نہیں کیا۔ بہر حال ضروری آثار کے ابقاء میں ان افعال و امکنہ کی حفاظت میں کسی کو کلام نہیں جنکی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالقصد توجہ فرمائی یا ان کی عظمت و حرمت کی طرف اشارہ فرمایا یا ان کے متعلق حکم فرمایا ہو۔

گفتگو ان غیر ضروری آثار میں ہے جنکی طرف حضور نے بالقصد توجہ نہیں فرمائی نہ ان کی عظمت و حرمت کی طرف اشارہ فرمایا نہ ان کے بارے میں کوئی حکم فرمایا۔ مثلاً سفر میں اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ قیام فرمایا۔ یا نماز کا وقت ہو جانے کی وجہ سے نماز پڑھی ہو یا سایہ کی غرض سے کسی درخت کے نیچے بیٹھے ہوں۔ ایسے اتفاقی آثار کے متعلق حضرت عمر کی تاکید تھی کہ ان کو ان آثار کی طرح نہ بنایا جائے جنکی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص توجہ و ارادہ ثابت ہے۔ اور ان مقامات کا نماز وغیرہ کیلئے خصوصیت سے قصد نہ کیا جائے۔ ملاحظہ ہو اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ص ۱۸۵۔

جس میں سنن سعید بن المنصور سے بسند صحیح یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

حد ثنا معاویة حد ثنا الاعمش عن المعرو بن سعید عن عمر رضی اللہ عنہ قال خرجنا معه فی حجة جھما فقرأ بنا فی الفجر بالمع ترکیف فعل ربك باصحاب الفیل وشیلاف قریش فی الثانية فلما رجع من حجة

سہ: مثلاً یہ کہ رمل میں اظہار شوق و رغبت ہے جو طاعات میں دائماً مطلوب ہے ۱۲ ظفر احمد

ابن عمر رضی اللہ عنہ لمریو افقہ علیہ احد من الصحابة فلو
 ينقل عن الخلفاء الراشدين ولا غيرهم حتى المهاجرين
 والا نصار انه كان تجردى قصدا الامكنة التي نزلها النبي صلى
 الله عليه وسلم والصواب مع جمهور الصحابة لان متابعه
 النبي صلى الله عليه وسلم تكون بطاعته امره وتكون
 في فعله بان يفعل مثل ما فعل على الوجه الذي فعله .
 فاذا قصد العبادة في مكان كان قصد العبادة فيه متابعته
 له واما اذا نزل في مكان بحكم الاتفاق فكونه صارف
 وقت النزول او غير ذلك مما يعلم انه لم يتجر ذلك
 المكان فانا اذا تحرينا ذلك المكان لم يكن متبعين له
 فان الاعمال بالنيات اه (ص ۱۸۵)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس
 فعل میں تمام جمہور صحابہ سے منفرد تھے۔ حضرات صحابہ کا عموماً ہرگز یہ طریقہ
 نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا اہتمام کے ساتھ تتبع و قصد کریں۔
 پھر علامہ ابن تیمیہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ صواب جمہور صحابہ ہی کے ساتھ ہے۔ کیونکہ
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ آپ کے امر کا اتباع
 کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ آپ کے فعل کا اتباع اسی طرح کیا جائے جس طرح
 حضور نے وہ فعل کیا ہے اگر حضور نے کسی خاص جگہ کی عبادت کیلئے قصد کیا
 ہو وہاں کا قصد کرنا ہمارے لئے بھی عبادت ہے۔ اور جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم نے عبادت کیلئے قصد نہ کیا ہو بلکہ اتفاقاً وہاں نماز پڑھی ہو یا قیام فرمایا ہو
 تو اس کا اہتمام کرنا اس میں قصد کر کے جانا یا نماز پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم کا اتباع نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام یا قصد نہ کیا تھا
 باقی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے غلبہ محبت میں جو کچھ کیا ہے صرف اتنا
 کہا جاسکتا ہے کہ اگر غلبہ محبت میں کوئی ایسا کرے اور حدود سے تجاوز نہ کرے
 تو اس کا یہ فعل جائز ہے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک معلوم ہو گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آثار نبویہ کے بارے میں حضرت عمر کا مسلک اپنے صاب جزاء سے الگ تھلگ تھا۔ تو اب مضمون نگار یہ بتلائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شجرہ رضوان کا قاطع بتانا بہتان کدھر سے ہے۔ بلکہ یہ منصف اس کہنے پر مجبور ہو گا کہ اس واقعہ کی نسبت حضرت عمر کے مسلک کے موافق اور ان کے طریقہ اجتہاد کے عین مطابق ہے۔ اور واقعہ رمل اور واقعہ مقام ابراہیم سے مضمون نگار نے جو استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آثار انبیاء ایسی قدر و منزلت کرتے تھے کہ مقام ابراہیم کے قدم مبارک کا نشان تھا اس کو مصلیٰ بنانے کی تمنا کرتے تھے۔ خیال کرنے کی جا ہے کہ جو حضرت ابراہیم کے مقام کی یوں عزت کرے وہ مقام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر برباد کر سکتا ہے۔ بت پرستی کا خوف تو مقام ابراہیم میں بہت زیادہ تھا کیونکہ اس کے پوجنے والے وہاں بہت باقی تھے اور ابھی اسلام بالکل تازہ تھا۔ اسی طرح رمل کے بارے میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ میں رمل کیا تھا کہ تاکہ مشرکین قوت اسلامی کو دیکھ لیں اور مسلمانوں کو ضعیف اور کمزور نہ سمجھیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں فرماتے ہیں کہ اب تو اس کی ضرورت نہ رہی ہمارے لیے حضور کا فعل ہے ہم تو اسے نہ چھوڑیں گے الخ

اس کا جواب اوپر کی تقریر پر غور کرنے سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ گفت گواں آثار انبیاء میں ہے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا کسی بنی کا اتفاقا وہاں گزر ہو گیا ہو۔ یا انہوں نے اتفاقاً وہاں قیام کیا ہو۔ یا اتفاقاً نماز پڑھی ہو کہ ان کا اہتمام و قصد و تحری کرنا کیسا ہے۔ اور مقام ابراہیم اس بحث سے خارج ہے۔ کیونکہ بناء کعبہ میں حضرت ابراہیم کا کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر کرنا اتفاقاً نہ تھا بلکہ یہ پتھر خاص جنت سے اس کام کیلئے بھیجا گیا تھا۔ جس میں آیات بیانات تھیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں متعدد روایات اس کے متعلق نقل کی ہیں جن سے اس پتھر کا جنت سے آنا ثابت ہوتا ہے۔

(ج ۱، ص ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶)

پس مقامِ ابراہیمؑ کی قریب قریب وہی شان ہے جو اسود کی ہے۔ اور جو ایسے آثارِ انبیاء میں سے ہوں جن کا خود انبیاء نے اہتمام و قصد کیا ہو ان کی عظمت و اہتمام کی حق تعالیٰ نے تاکید کی ہو جیسا کہ فیہ آیات بینات کے مقامِ ابراہیمؑ اشارۃً معلوم ہو رہا ہے۔ ان کے اہتمام و تعظیم اور قصد سے کوئی منع نہیں کرتا۔ نہ وہابی نہ نجدی نہ حنفیہ متبع سنت اور مضمون نگار کا یہ کہنا کہ مقامِ ابراہیمؑ میں بت پرستی کا خوف زیادہ تھا اور اس کے پوجنے والے وہاں بہت باقی تھے۔ ۱۲

یہ بالکل غلط و لغو مضمون ہے۔ وہ کسی معتبر سند سے ہرگز اس کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ کہ مشرکین عرب نے حجرِ اسود و مقامِ ابراہیمؑ میں سے کسی کو اپنا معبود بنایا ہو، یا ان کو بت کی طرح پوجا ہو کعبہ میں مشرکین نے سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے۔ جن کی وہ پرستش کرتے تھے مگر حجرِ اسود یا مقامِ ابراہیمؑ کی پرستش کرنا کسی طرح ثابت نہیں ہے اور بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو جو لوگ مقامِ ابراہیمؑ کو پوجتے ہوں گے وہ حجرِ اسود کو بھی ضرور پوجتے ہوں گے اور کعبہ کو بھی پوجتے ہوں گے تو جب خدا و رسول نے حجرِ اسود و کعبہ کی پرستش کی پرواہ نہ کی اور دونوں کو بدستور قبلہ نماز بنا دیا تو حضرت عمرؓ کو مقامِ ابراہیمؑ میں اس کی رعایت کی کیا ضرورت تھی۔ اور اس واقعہ رمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اتفاقی طور پر نہ تھا۔ بلکہ عمداً اور قصداً تھا۔ اور صرف فعل ہی نہ تھا بلکہ امر بھی تھا۔ حضور نے عمرۃ القضاء میں مسلمانوں کو صیغۂ امر سے رمل کا حکم فرمایا تھا۔ پس یہ بھی بحث سے خارج ہے خصوصاً جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں صحابہ کو رمل سے منع نہیں کیا بلکہ حضور نے خود اور صحابہ کرام نے آپ کے سامنے حج ووداع میں بھی رمل کیا حالانکہ عمرۃ القضاء میں جو اس کی علت تھی وہ حجۃ الوداع میں باقی نہ رہی تھی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو اس کا باقی رکھنا منظور ہے اس لیے حضرت عمرؓ اس کو کیونکر موقوف کر سکتے تھے۔ بہر حال مقامِ ابراہیمؑ اور رمل کے واقعہ کو ذکر کر کے مضمون نگار نے خلط بحث کیلئے دوسرے جو لوگ ایسے آثار و شاہد کی جن پر اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہو گیا ہو زیارت وغیرہ سے منع کرتے ہیں وہ کب کہتے ہیں کہ ان کی عظمت دل سے بھی نکال دی جائے۔ یا معاذ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کی عظمت نہ تھی۔

وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ان آثار سے محبت ضرور کی جائے مگر زیارت کا قصد و اہتمام نہ کیا جائے کہ اس میں حد سے تجاوز اور دین میں غلو ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تعدی ہے۔ اور اگر محض زیارت ہی کی حد تک بات رہتی تو مضائقہ نہ تھا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ لیکن اب تو لوگ حد سے بڑھنے لگے۔ اور ان آثار کو عبادت گاہ بنانے لگے اور ایسی حالت میں حضرت عمر نے اپنی دور بین سے نگاہ سے دیکھ کر ان آثار کے قصد و اہتمام سے منع فرمایا تھا۔ اس کے بعد شرط خامس کی تحقیق بھی اثر نافع میں دکھلانا چاہتا ہوں۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مرسل و منقطع کے مقبول ہونے کی پانچویں شرط یہ ہے کہ ارسال کرنے والا کسی مجہول یا ضعیف سے ارسال نہ کرتا ہو۔ بلکہ ثقہ سے ارسال کرتا ہو۔ جیسے کہ سعید بن المسیبؓ میں کہتا ہوں کہ نافع بھی اسی درجہ کے ارسال کرنے والے ہیں۔ تہذیب التہذیب (ج ۱، ص ۴۱۴) میں حافظ خلیلی صاحب الارشاد کا قول ملاحظہ ہو۔

قال الخلیلی نافع من ائمة التابعین بالمدینة امام فی العلم متفق علیہ۔ صحیح الروایۃ منہم من یقدم علی سالم ومنہم من یقارنہ بہ ولا یعرف بہ خطأ فی جمیع ما رواہ اھ اس میں چند باتیں ہیں۔ نمبر ۱ نافع متفق علیہ امام ہیں۔ ۲: صحیح الروایت ہیں ۳: ان کی تمام مرویات میں کوئی خطا نہیں پہچانی گئی۔ اس تصریح کے بعد نافع کے ارسال و انتفاع کے مقبول ہونے میں کیا کلام ہے۔ حیرت یہ ہے کہ امام مالک کی بلاغات تو حجت ہوں امام محمد بن حسن الشیبانی کی بلاغات حکم میں سند ہوں اور امام بخاری کی تعلیقات صحیح ہوں اور نافع مولا ابن عمر کا بلاغ حجت نہ ہو۔ جو امام مالک کے شیخ اور اعلیٰ درجہ کے استاذ ہیں۔

حتیٰ کہ محدثین نے مالک عن نافع عن ابن عمر کو اصح الاسانید میں شمار کیا ہے۔ نافع کے سوا امام مالک کا اور کوئی شیخ ایسا نہیں جس کی سند کو اصح الاسانید کہا گیا ہو۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایسے متفق علیہ صحیح الروایت کا بلاغ حجت اور صحیح نہ ہو۔ بلکہ خلیلی کے قول پر جس روایت کی سند نافع تک صحیح ہو جائے پھر اس کی صحت میں کوئی کلام باقی نہیں رہتا کیونکہ وہ تصریح کرتے ہیں کہ نافع کی تمام مرویات

میں کوئی خطا نہیں پہچانی گئی۔

اور شجرۃ الرضوان کے قاطع کی اسناد نافع تک بلاشبہ صحیح ہے جیسا کہ اوپر بتلایا گیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اب اس کی صحت میں کچھ بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ہم اس اشکال کا جواب بھی دینا چاہتے ہیں جو ظاہر میں بہت سخت اشکال ہے وہ یہ کہ نافع کا اثر جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قاطع شجرۃ رضوان بتلا رہا ہے صحیح بخاری کی روایت سے متعارض ہے۔ کیونکہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شجرۃ رضوان بیعت حدیبیہ کے اگلے ہی سال لوگوں کی نظروں سے مخفی اور گم ہو گیا تھا۔ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کیونکر کٹوا دیا۔ یہ اشکال کی تقریر ہے جو مضمون نگار کی بھی تقریر کا خلاصہ ہے۔

اب جواب ملاحظہ ہو۔ تعارض کے معنی یہ ہیں کہ دو مفہوم باہم ایک دوسرے کی نقیض ہوں یا ایک سے دوسرے کی نقیض لازم آتی ہو اور دونوں میں تطبیق اور جمع ممکن نہ ہو۔ اب ہم مضمون نگار سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ کو بروایت بخاری حضرت عمر کا قاطع شجرہ نہ ہونا معلوم ہوتا ہے وہ یقیناً اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بخاری کی کسی روایت میں لم یقطع عمر الشجرة البیعة وارد نہیں ہے۔ پھر کیا آپ کو ان روایات سے کوئی ایسی بات معلوم ہوتی ہے جس سے حضرت عمر کا قاطع شجرہ نہ ہونا لازم آئے۔ بظاہر مضمون نگار اس کا مدعی ہے۔ اور اس نے بخاری کی روایت سے یہ سمجھا ہے کہ شجرۃ رضوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مخفی اور گم ہو گیا تھا۔ پھر مخفی اور مفقود کا قطع کیونکر ممکن ہے۔ مگر میں اس سے پوچھتا ہوں کہ اس نے شجرہ کا مخفی اور مفقود ہونا کس روایت سے اور کس لفظ سے سمجھا ہے۔

اس کے متعلق اس نے عبد اللہ بن عمرؓ اور مسیبؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے مگر دونوں میں اس کے دعویٰ کی کچھ دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں۔ رجعنا من العامل المقبل فی اجتماع من اثنان علی الشجرة التي بايعنا تحتها الى قوله من الله اه بخاری مع فتح الباری ج ۶، ص ۸۳ ترجمہ: اگر ہم اگلے سال لوٹے تو ہم سے دو آدمی بھی اس درخت کی شناخت پر متفق نہ ہو سکے۔ جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھا۔

(یعنی اس کا یقینی طور پر معلوم نہ ہونا یا خود وہ درخت رحمت تھا۔ دونوں احتمال ہیں جیسا کہ حافظ نے بیان کیا ہے)

اس سے صراحتاً یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس درخت کے عینی طور پر مخفی یا مفقود ہو جانے کے مدعی تھے بلکہ اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کی پہچان میں اختلاف ہو گیا۔ اور ابن عمر کے ساتھی جس قدر تھے اُن میں سے دو آدمی بھی اس کی شناخت پر اتفاق نہ کر سکے۔ اس سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ فی نفسہ غیبی طور پر وہ درخت مخفی یا مفقود ہو گیا یا اٹھایا گیا تھا۔ اور سعید بن المسیب کے والد مسیبؓ کے الفاظ یہ ہیں۔

عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن ابيه قال رأيت الشجرة ثوراتها بعد فلم اعرفها قال محمود ثمرانسيتهما بعد (بخاری مع فتح الباری ج ۲، ص ۳۴۴)

ترجمہ: میں نے اس درخت کو دیکھا پھر بعد میں اس کے پاس گیا تو میں نے اس کو نہیں پہچانا اور ایک راوی کے الفاظ یہ ہیں کہ پھر بعد میں اس کو بھلا دیا گیا۔ اس سے صرف حضرت مسیب کا نہ پہچاننا اور بھول جانا ثابت ہوا۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ فی الواقع غیبی طور پر سب کی نگاہوں سے مخفی ہو گیا تھا۔ یا زمین سے اٹھایا گیا۔ یا مفقود ہو گیا تھا۔ اور طارق بن عبدالرحمن کی روایت میں حضرت مسیب کے الفاظ ہیں۔

عن سعيد بن المسيب عن ابيه انه كان في من بايع تحت الشجرة فرجعنا عليها العامل المقلب فعميت علينا اهـ. صفحہ مذکور۔ کہ انہوں نے شجرہ کے نیچے بیعت کی تھی۔ پھر اگلے سال اس کی طرف لوٹے تو وہ ہم پر مشتبہ ہو گیا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضرت مسیب نے اس کو نہ پہچانا۔ اور ان کو اشتباہ ہو گیا اور یقین کے ساتھ اس کی تعیین نہ کر سکے۔ اور لفظ رجعنا وعلينا صیغہ جمع متکلم میں دوا احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ واحد متکلم کی جگہ جمع کا صیغہ لایا گیا ہو۔ کیونکہ محاورات میں کبھی ایک آدمی بھی اپنے کو جمع کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے۔ اور یہی ظاہر ہے۔ کیونکہ اوپر قتادہ کی روایت میں ثوراتها یا ثوراتها نسیتها،

مذکور ہے۔ اس سے احتمال کی تقویت ہوتی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت مسیب کے ساتھ چند رفقاء اور بھی ہوں اور اُن کو بھی اشتباہ ہو گیا ہو۔

باقی اس پر کوئی دلیل نہیں کہ صیغہ جمع سے تمام صحابہ مراد ہیں جو اس کا دعویٰ ہزدہ اس کی دلیل بیان کرے۔ کیونکہ صیغہ جمع منکلم کا استفراق و عموم پر دلالت کرتا لغت و اصول سے ثابت نہیں۔ پھر یہ بات مقرر قابل تنبیہ ہے کہ حضرت مسیب کا مطلب یہ ہرگز نہ تھا کہ وہ درخت اصل سے غیبی طور پر اٹھالیا گیا تھا۔ یا چھپالیا تھا۔ بلکہ اُن کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ہم کو اس میں اشتباہ ہو گیا۔ چنانچہ روایت عفان میں حضرت مسیب کے الفاظ یہ ہیں: فعمی علینا مکانہما۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۳۳) کہ ہم پر اس کی جگہ مشتبہ ہو گئی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا تعین نہ کر سکتا بتلا رہے ہیں۔ طارق بن عبد الرحمن کی دوسری روایت میں اس سے زیادہ تفصیل ہے۔

قال انطلقت حاجاً فمررت بقوم يصرون قلت ما هذا المسجد قالوا هذه الشجرة حيث بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم بيعة الرضوان فاتيت سعيد بن المسيب فاخبرته فقال سعيد بن المسيب حدثني ابي انه كان يمين بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت الشجرة قال فلما خرجنا من العامل المقبل نسيتها فلم نقدر عليها فقال سعيد ان اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لم يعلموها وعلمتموها انتم فانتروا علموا.

(بخاری مع فتح الباری۔ صفحہ مذکور)

وہ فرماتے ہیں کہ میں حج کیلئے چلا تو ایک قوم پر گزر ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ مسجد کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ درخت (کی جگہ) ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی۔ تو میں سعید بن مسیب کے پاس گیا اور اُن کو اس کی خبر کی انہوں نے کہا کہ مجھ کو میرے باپ نے خبر دی ہے وہ بھی ان لوگوں میں سے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی وہ فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم سال آئندہ مکہ کی طرف نکلے تو اس درخت کو بھلا دیئے

گئے۔ اور اس کی نعین پر قادر نہ ہوئے۔ سعید نے کہا کہ حضور کے صحابہ نے تو اس درخت کو نہ پہچانا اور تم نے جان لیا پس تم اُن سے زیادہ جاننے والے ہوئے۔

اس روایت میں اول تو حضرت مسیب کے الفاظ قابل ملاحظہ ہیں کہ اس میں بھی صرف اپنا بھول جانا بیان فرماتے ہیں۔ اس کے بعد سعید بن المسیب کے الفاظ قابل غور ہیں کہ صحابہ نے تو اس درخت کو نہ جانا اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہ سے مراد صرف سعید بن المسیب ہوں یا ابن المسیب اور اُن کے چند رفقاء یا تمام صحابہ۔ تیسرے احتمال پر کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ جمع معرف بالام عموم کہلاتے ہوتی ہے اور جمع مضاف کو بھی عموم واستغراق کے لئے اصول میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ سعید بن المسیب کے قول میں عموم واستغراق حقیقی ہے یا عرفی۔ یقیناً استغراق حقیقی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ سعید بن المسیب نے تمام صحابہ کو نہیں پایا۔ وہ انہیں صحابہ کے متعلق کچھ کہہ سکتے ہیں جن سے ان کا لقاء ثابت ہے۔ اور جن سے لقاء نہیں وہ کچھ ان کے بارے میں نہیں کہہ سکتے۔ پس اصحاب محمد سے مراد اُن کے قول میں دہیے اصحاب ہو سکتے ہیں جنہوں نے اُن سے درخت کا بھول جانا بیان کیا نہ کہ سب اور یہ کوئی خدا اور رسول کی خبر نہیں جس میں استغراق حقیقی مراد لیا جائے۔ بلکہ یہ ایک تابعی کا قول ہے جو اپنے علم ہی کے موافق استغراق کر سکتے ہیں۔ پس احتمال اول و ثانی ہی ممکن ہے اور تیسرا احتمال باوجود اس کے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں خلاف دلیل بھی ہے۔ کیونکہ سعید بن المسیب کبار تابعین اور خیر القرون میں سے ہیں اُن کے زمانہ میں جو تابعین تھے بدون صحابہ سے تحقیق کہتے محض نڈال و گمان سے مقام شجرہ پر مسجد بنا دیتے یقیناً جو لوگ اس مسجد کے بانی تھے اور جو اس کو مسجد شجرہ کہتے تھے انہوں نے صحابہ سے تحقیق کر کے اس کی جگہ کو معلوم کیا ہو گا۔ پس سعید بن المسیب کے قول کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ صحابہ میں سے کسی کو بھی شجرہ یا مکان کا علم نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنے والد یا اُن کے چند رفقاء کا نہ جانا بیان فرماتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اُن کے نہ جاننے پر دوسرے صحابہ کو قیاس کرتے ہوں۔ کہ اُن کی طرح دوسروں کو بھی معلوم نہ تھا۔ پھر تابعین کو

اس کا علم کیسے ہو گیا مگر اس قیاس پر بھی یہ کلام ہو سکتا ہے کہ اُن کا سب صحابہ کو اپنے والد ماجد یا اُن کے چند رفقاء پر قیاس کرنا صحیح نہیں اُن کی عدم معرفت دوسروں کی عدم معرفت کو مستلزم نہیں خصوصاً جبکہ اس قاعدہ کو ملحوظ رکھا جائے۔ یہ اہل مدینہ مدینہ کے آثار سے زیادہ واقف تھے۔ اور اہل مکہ مکہ کے آثار سے زیادہ واقف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور مسیب اہل مدینہ تھے۔ اور حدیبیہ مکہ کے قریب تھا۔ پس اہل مدینہ کا اس کو نہ پہچاننا اور بھول جانا اس کو مستلزم نہیں کہ اہل حرم بھی اس کو بھول گئے ہوں۔ جبکہ بخاری کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ زمانہ تابعین میں اس درخت کی جگہ مسجد بن گئی تھی۔ اور لوگ وہاں نماز پڑھتے تھے۔ تو دوسرا احتمال قوی ہو جاتا ہے۔ غالباً اہل مکہ و اہل حرم کو وہ درخت اور اس کی جگہ محفوظ تھی۔ اور سعید بن مسیب کا محض اپنے والد کے نہ پہچاننے سے اُن لوگوں پر انکار کرنا درست نہ تھا۔ بالخصوص جبکہ اہل مدینہ بھی سب کے سب اس درخت کو نہ بھولے تھے۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خود بخاری میں روایت ہے کہ لو كنت ابصر اليوم لرأيت كوكبا كان الشجرة الخ۔ اگر میں اس وقت بینا ہوتا تو میں تمہیں اس درخت کی جگہ بتلا دیتا۔ اور جب اُن کو اپنی نابینائی کے وقت جو اخیر عمر میں پیدا ہو گئی تھی اس درخت کی جگہ محفوظ تھی تو یقیناً بینائی کے زمانہ میں اس درخت کو پہچانتے تھے۔ کیونکہ ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ حضرت مسیب ابن عمر کے قول سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ وہ درخت غیبی طور پر اٹھالیا گیا یا مخفی کر دیا گیا تھا۔ بلکہ اُن کے اقوال سے اُن کا بھول جانا اور جگہ کا مشتبہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ پس جو شخص اس کی جگہ کا یاد رکھنا بتلاتا ہے یقیناً وہ درخت کو بھی پہچانتا تھا۔ البتہ اگر روایت سے غیبی طور پر اس کا دنیا سے اُٹھا لیا جانا یا مخفی کر دیا جانا ثابت ہو جاتا تو پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا جگہ کو یاد رکھنا خود اس درخت کی معرفت کو مستلزم نہ ہوتا۔ مگر غیبی اخفاء یا غیبی رفع کا ثبوت کسی روایت میں نہیں۔ بلکہ صرف ایک دو صحابی اپنا نسیان یا ذہنی اشتباہ ظاہر کرتے ہیں اس سے یہ کیونکر مان لیا جائے کہ تمام صحابہ اس سے ناواقف تھے۔ اور ان کی طرح سب ہی بھول گئے تھے۔ اس تقریر سے حافظ ابن حجر کے اس قول

کی صحت واضح ہو گئی۔

لکن انکار سعید ابن المسیب علی من زعم انه اعرفها مؤثراً
 علی قول ابیہ انہم لو یعرفوہا فی العام لم یقبل لا یدل علی رفع
 معرفتہا اصلاً فقد وقع عند المصنف من حدیث جابر الذی قبل
 ہذا لو کنت ابصر الیوم لا یرینکم مکان شجرة فہذا یدل علی
 انہ کان یضبط مکانہا بعینہ واذا کان فی آخر عمر بعد الزمان
 الطویل یضبط موضعہا ففیہ دلالة علی انہ کان یعرفہا بعینہا
 لان الظاہ انہا حین مقالته تلك كانت هلكت اما بحفاف أو
 غیرہ والعلۃ ہو یعرف موضعہا بعینہ ثم وجدت عند ابن
 سعد باسناد صحیح عن نافع ان عمر بلغه الخ

حافظ ابن حجر کے اس قول پر مضمون نگار نے ایک رفیق اعتراض کیا ہے
 کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مکان الشجرہ فرمایا ہے بعین الشجرہ نہیں فرمایا۔
 دراصل درخت کی شناخت اور ہے اور جگہ کی شناخت اور پہچان اور ہے اس سے
 یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس درخت کو پہچانتے تھے الخ

مگر یہ بے سرو پا تقریر محض اس خیال کا نتیجہ ہے کہ مضمون نگار نے عبد اللہ
 بن عمرو مسیب کی روایات سے یہ مطلب نکالا ہے کہ وہ درخت غیبی طور پر زمین
 سے اٹھایا گیا۔ باتنام مخلوق کی نظروں سے غائب کر دیا گیا تھا۔ مگر یہ محض دعویٰ
 بلا دلیل اور خیالی ڈھکوسلا ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ ان حدیثات کے قول سے
 عرف ان کا بھول بانا اور جگہ کا مشنبہ ہو بانا معارض ہوتا ہے۔ نہ وہ تمام صحابہ
 کے متعلق استغراق اور عموم کے ساتھ نسب ان کے مدعی ہیں اور نہ غیبی اخفاء اور
 رفع کے قائل ہیں۔ اور جب سب کا نسیان اور غیبی اخفاء ثابت نہیں تو یقیناً کسی
 صحابی کا اس کو اس کی جگہ کو پہچاننا خود اس درخت کو پہچاننے کو بھی مستلزم ہے۔
 در سر اشکال مضمون نگار نے حافظ صاحب کے قول پر یہ کیا ہے کہ اگر
 حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کے وہ معانی ہیں جو حافظ ابن حجر نے بیان فرمائے
 کہ ان کی آخر عہد نابینائی تک وہ درخت بعینہ باقی تھا۔ یعنی شجرہ اٹھتر کے

اگ بھاگ تک جب بھی قطع و برید محال ہے ۱۶

مگر اس اعتراض کو دیکھ کر مدارس عربیہ کا ہر طالب علم مضمون نگار کے فہم پر بے ساختہ قہقہہ لگاتے گا کیونکہ حافظ نے اس کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ حضرت جابرؓ کی آخر عمر نابینائی تک وہی درخت بعینہ باقی تھا بلکہ وہ تو اس کے خلاف یہ فرماتے ہیں لا ن الظاہر انہا حین تلک کانت ہلکت۔ کہ حضرت جابرؓ کے قول سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس ارشاد کے وقت وہ درخت عداک ہرچکا تھا۔ (جیسا کہ فرمایا اگر میں بینا ہوتا تو درخت کی جگہ بنالادینا اگر اس وقت درخت موجود تھا تو یہ گمراہی کا ذکر کیوں فرماتے۔ صاف یوں ہی نہ کہتے کہ میں تم کو وہ درخت بتلا دیتا) پس اس غلط فہم پر جو مضمون نگار نے مرتب کیا ہے وہ بھی غلط در غلط ہو گیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ یہ تمام تقریر بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ جب بخاری کی روایات سے اس درخت کا عام طور پر استنباط و استنباط یا غیبی طور پر اس کا غائب کر دیا جانا ہرگز ثابت نہیں بلکہ بعض صحابہ و تابعین ہی کے زمانہ میں مسجد کا اس جگہ بننا اور تابعین کا وہاں نماز پڑھنا بخاری سے ثابت ہے تو اب ان روایات کو اثر نافع سے جس میں حضرت عمر کا اس درخت کو کٹوانا مذکور ہے کچھ بھی تعارض نہیں بلکہ اس اثر میں اور بخاری کی روایات میں تطبیق اس طرح ظاہر ہے کہ اس درخت کو بعض صحابہ بھول گئے تھے اور ان پر اس کی بگڑ مشتبہ ہو گئی تھی اور بعض جانتے اور پہچانتے تھے۔ اور جو صحابہ جانتے تھے وہ یا ان کے متبعین اس درخت کے نیچے نماز پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سن کر بخوف فتنہ اس درخت کو کٹوا دیا کہ عوام کے اعتقادات متزلزل نہ ہو جائیں بنالائے اب اس اثر میں اور بخاری کی روایات میں کیا تعارض ہے۔ پس یہ اشکال بھی ہباء منشور ہوا۔ اور نافع کا یہ اثر روایت و درایت ہر طرح بے غبار ہو گیا رضی اللہ عنہ۔

اور اگر ہم تنزل کر کے تھوڑی دیر کو یہ مان بھی لیں کہ حضرت ابن عمر و مسیب کی روایات سے عام طور پر اس درخت کا مخفی اور غائب کر دیا جاتا یا غیبی طور پر اٹھالیا جانا مفہوم ہوتا ہے۔ تب بھی اثر نافع کو ان روایات سے تعارض نہیں کیونکہ اثر نافع

کے الفاظ یہ ہیں جو خود مضمون نگار نے طبقات ابن سعد سے نقل کیے ہیں۔
 فان الناس يأتون الشجرة التي يقال لها شجرة الرضوان
 فيصلون عندها فبائع ذلك عمر بن الخطاب فاعدهم فيها وامر
 بها فقطعت.

اس میں نافع نے یہ کہاں دعویٰ کیا ہے کہ لوگ حقیقی شجرۃ الرضوان کے
 نیچے نماز پڑھنے جایا کرتے تھے بلکہ وہ تو صرف یہ فرماتے ہیں کہ ایک درخت جس کو
 شجرۃ الرضوان کہا جاتا تھا کے نیچے لوگ نماز پڑھتے تھے اس میں دُراحتما ہیں۔ ایک
 یہ کہ وہ واقعی وہی حقیقی شجرہ ہو جس کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی
 تھی یا اور کوئی درخت ہو جس کو لوگوں نے شجرۃ الرضوان سمجھ کر اس لقب سے
 مشہور کر دیا۔ پس مضمون نگار کے نزدیک اگر حقیقی شجرہ مخفی یا مفقود یا مرفوع موش
 الدنیا ہو چکا ہے، اس کو اثر نافع کو رد کرنے اور صحیح سند کو ضعیف کر کے اپنی
 لیاقت ظاہر کرنے کی ضرورت نہ تھی وہ بخاری کی روایات اور اس اثر میں بولتے
 مطابقت دے سکتا تھا کہ بعد میں لوگوں نے اپنے قیاس و ظن غالب سے کسی اور
 درخت کو شجرۃ الرضوان سمجھ کر منبر قرار دے لیا ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو کٹوا دیا۔
 اگر مضمون نگار یوں تقریر کرتا اور اثر نافع کے ماننے والوں کو ملاحظہ و جہال
 نہ بتاتا تو ہم کو اس سے الجھنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اس کو بھی اس فضول بحث میں
 پھنسنے کی نوبت نہ آتی جس میں وہ کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہذا واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد غفر اللہ عنہ

از تھانہ بھون غانقاہ امدادیہ

۵ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ

رومال کا گرہ دیکر بازوؤں پر چھوڑنا | (سوال : چند مسئلے درج ذیل ہیں
سدل میں داخل ہے۔

۱۔ اول یہ کہ کسی نے سر یا کندھوں کے دونوں جانب
رومال یا اس قسم سے کوئی اور کپڑا ایک دو گرہ دیکر یا یوں ہی گلے میں لپیٹ کر پھر کپڑے
کے دونوں گوشوں کو چھوڑ دے تو آیا یہ سدل ثوب میں داخل ہے یا نہیں ؟
۲۔ دوسرے یہ کہ من تشبہ بقوم فهو منهم کا خلاصہ مضمون بیان فرمائیے کہ مشابہت
کسے کہتے ہیں اور کسی عارض کی وجہ سے کبھی مرتفع بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

رومال وغیرہ کا اس طرح گلے میں دیکر گوشوں کو چھوڑ دینا سدل میں داخل ہے
قال فی الطحطاوی فی حاشیئہ علی مراقی الفلاح : وفي البحر عن فتح القدیر
ان السدل یصدق علی ان کون المنديل مرسلًا عن کتفیه کما یعتاده کثیر
فینبغی لمن علی عنقه متدیل ان یضعه عند الصلاة ولا فرق بین ان یکون
محموظًا عن الوقوع اولا ھ

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ رومال خواہ گرنے سے محفوظ ہو (جیسے گرہ لگی ہوئی
ہو) یا محفوظ نہ ہو بہر حال سدل میں داخل ہے۔

۱۔ تشبہ بالکفار کی چند صورتیں ہیں :

۱۔ فطری امور میں مشابہت مثلاً کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، سونا، لیٹنا، صفائی
رکھنا وغیرہ یہ مشابہت حرام نہیں۔

قال فی الدر : فان التشبيه بهم لا یکره فی کل شیء بل فی المذموم
وفیما یقصد به التشبه کما فی البحر ھ وقال الشامی تحت قوله لا یکره
فی کل شیء - فاننا ناکل ونشرب کما یفعلون ھ ج ۱ - ص ۶۵۲

۱۔ عادات میں مشابہت۔ مثلاً جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں اُسی ہیئت
سے کھانا یا لباس ان کی وضع پر پہننا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی وضع پہلے
سے ہو اور کفار نے ابھی اس کو اختیار کر لیا ہو خواہ ہمارا اتباع کرنے کے یا ویسے ہی تو
اس صورت میں یہ مشابہت اتفاقیہ ہے۔ اور اگر ہمارے وضع پہلے سے جدا ہو اور

اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں یہ ناجائز ہے۔ اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے بلکہ اس لباس و وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا مگر چونکہ تشبہ کی صورت ہے اس لئے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

قال هشام رأيت على ابي يوسف فعلى بن محفوفين بما مير فقلت ان ترى بهذا الحديد بأساً قال لا قلت فضيان وثون بن يزيد كرها ذلك لان فيه تشبهاً بالرهبان فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يلبس النعال التي لها شعر وانما من لباس الرهبان فقد اشار الى ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضتر فان الارض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها الا بهذا النوع اه قلت وفعله عليه السلام محمول على بيان الجواز اذا كان بدون القصد اه

مگر چونکہ آجکل عوام جواز کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے اس لئے اکثر احتیاط کے لئے عادات میں بھی مطلقاً تشبہ سے منع کیا جاتا ہے خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔

۳۔ ان امور میں تشبہ جو کفار کا مذہبی شعار ہے یا دینی رسم اور قومی رواج ہے جیسے زنا وغیرہ پہننا یا مجوس کی خاص ٹوپی جو ان کی مذہب کا شعار ہے اس میں تشبہ حرام بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔ عالمگیریہ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۴ جمادی الاولی

کتاب الوصیۃ

فقراء کو کھانا کھلانے کی وصیت کرنے کی ایک صورت کا حکم

السؤال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس معاملہ میں کہ اہل اسلام میں سے ایک شخص فوت ہو گیا اور وہ مرحوم قرضدار تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری وصیت پر روز اول یکصد روپیہ خرچہ اٹھا کر لوگوں کو روٹی کھلانا تاکہ مجھ کو ثواب ملے۔ اور مرحوم کی جائیداد معمولی ہے۔ آیا میت مذکور پر قرضہ اٹھا کر روز اول صدقہ کر کے عام لوگوں کو کھلانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ وصیت کر کے مر گیا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اگر سو روپیہ اس کے کل ترکہ کی تہائی میں سے نکل سکے تو ۱۰۰ روپیہ کی مقدار میں اس کے ترکہ کی کچھ چیزیں فروخت کر کے سو روپیہ سے فقراء کو کھانا کھلانا ورثہ کے ذمہ ضروری ہے۔ اگر کھانا نہ کھلاویں تو فقراء کو اتنی رقم صدقہ کر دی جاوے اور اگر ثلث ترکہ میں پورے سو روپیہ کی گنجائش نہ ہو تو جتنی گنجائش ہو اتنا ہی خرچ کر دیں اور قرض کر کے کھلانا ورثہ کے ذمہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

مقیم خانقاہ امداد تھانہ بھون

۲۲ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ

زانیہ کی امور خیر میں مشغول کرنے کی وصیت اور اس مال کا حکم

السؤال : ایک لونڈی طوائف مرتے وقت وصیت رنڈیوں کو کر گئی کہ میرے مال میں سے ایک ہزار روپیہ فی سبیل اللہ دنیا اور کچھ میرے ختم درود پر صرف کر کے بقیہ مال میرے وارثوں کو

دیدینا۔ چنانچہ بعد وفات مذکورہ کے تمام مال انجمن کے ممبروں نے اپنے قبضہ تحویل میں لے لیا ہے سب کا ارادہ یہ ہے کہ اس روپیہ سے متوفاة نے اللہ کے واسطے دینے کی وصیت کی ہے اس لیے پانی کا ایک نل قبرستان میں پہنچایا جائے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے روپیہ سے جو نل پہنچایا جاوے گا اس کا پانی جائز ہے یا ناجائز۔ صاف طور پر آیت و حدیث نبوی کا حوالہ دیکر جواب غایت فرماویں مگر عرض ہے کہ یہ عورت مذکورہ پیشہ زنا کرتی تھی اور اخیر تک زنا کرتی رہی۔ جس قدر روپیہ اس کے پاس ہے وہ زنا کی کمائی کا ہے۔ کیا ایسا روپیہ مسجد میں لگ سکتا ہے یا انجمن جو لڑکے تعلیم قرآن اور تعلیم دینیات پاتے ہیں وہ روپیہ تعلیم دینے والوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں۔ قبرستان میں نماز جنازہ اس پانی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔ بعض قبرستان میں حدود سے باہر عصر و مغرب کی نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بلیتوا توجروا۔

عاجز کریم بخش لوہار
درس رائیں بہادر ملکہ دار۔ ازکالکا

الجواب

صورت مذکورہ میں جب اہل انجمن کو معلوم تھا کہ یہ مال کسب خبیث کا ہے تو اس کا لینا ناجائز تھا۔ اور لینے کے بعد اس کو مصارفِ خیر میں لگانا بھی جائز نہیں۔ اور اگر اس پر بھی وہ اس مال سے پانی کا نل لگا دیں گے تو اس نل سے بلا واسطہ یعنی استعمال بالمس کے ساتھ وضو وغیرہ کرنا بہتر نہیں ہوگا۔ ثواب میں کمی رہے گی۔ لیکن وضو صحیح ہو جائے گا۔

لقلہ صلی اللہ علیہ وسلم مہر البغی حرام قلت ونظیرہ الخوض فی الارض المغصوبۃ یکرہ التوضی بمائتہ مع الحکم بصحة الوضوء والصلوة البتہ ایک حیلہ سے یہ کراہت وغیرہ مرتفع ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ اس متوفاة کے ورثہ کو یہ رقم خبیث واپس کر کے ان سے یہ کہا جائے کہ تم کسی ہندو سے ہمارے سامنے اتنی ہی رقم قرض لے کر ہمیں دیدو پھر تم اس کا قرضہ ادا کر دینا۔ اس صورت میں وہ

رقم حلال ہوگی۔ اس سے نل وغیرہ جو کچھ چاہیں بنا دیا جائے اور اس طرح ہندو سے قرض لی ہوئی رقم کو مسجد میں بھی لگا سکتے ہیں۔ انجن کے بچوں کو بھی دے سکتے ہیں، مدرسین کی تنخواہوں میں بھی صرف کر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ کیا گیا تو خاص کسب زنا کو کسی کام میں صرف نہیں کر سکتے کیونکہ وہ حرام ہے اور حرام مال میں تصرف بھی حرام ہے۔

فلیس سبیلہ الا ان یتصدق الورثۃ او الوصی او وکیلہم علی من لم یکن عندہ قوت یومہ وکان مضطراً الی اکلہ۔ واللہ اعلم :
اور اگر وصیت ثلث سے زائد کی ہے تو زائد میں ورثہ کی رضامندی بھی شرط ہے اور نابالغ ورثہ کی رضامندی معتبر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۳ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ

وصیت کی ایک خاص صورت | (السوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ہندو نے کچھ اپنا زیور اپنی حیات میں زید کے پاس بطور امانت رکھا اور کچھ پہنے رہی اور امانت کے وقت یہ کہہ دیا کہ میں اپنا سارا زیور جو امانت ہے اور جو میں پہن رہی ہوں خیرات کروں گی اور کچھ دنوں کے بعد ہندو کا انتقال ہو گیا اور وہ زیور جو پہن رہی تھی وہ بھی امانت زید میں آ گیا اور ہندو نے مرض الوفا سے یعنی مرنے سے ایک روز پہلے زید سے یہ کہا کہ میرا سارا زیور خیرات کر دینا لہذا صورت مذکورہ بالا میں زید کو کیا کرنا چاہیے۔ کیا وہ کل زیور خیرات کر دے یا بحیثیت وصیت ثلث خیرات کرے اور دو حصہ ورثہ کو موافق فرائض تقسیم کر دے۔

نوٹ : اس ہندو کا کچھ مہر اور آٹھواں حصہ اس کے زوج کے مال میں نکلتا ہے جس کے آجانے کے بعد یہ کل زیور ثلث مال میں آ سکتا ہے۔ تو یہ کل زیور خیرات ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اور جو ناقابل وصول ہے اس کو ورثہ دعویٰ کر کے وصول کریں۔ لیکن کچھ وارث یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے سب مال ایسا کیوں چھوڑا جاتا ہے جو ہم وصول نہ کر سکیں جو مال زید کے قبضہ میں ہے۔ اس میں سے بھی تو کچھ دینا

چاہتے۔ بیٹنوا توجروا۔

السائل :

عبدالرحیم ولد لال محمد۔ مراد آباد

۵ / محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

الجواب

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

صورتِ مذکورہ میں یہ زیور کل وصیت ہے کیونکہ میت کے کل مال میں سے ثلث کے اندر نکل سکتا ہے۔ لہٰذا اس میں وصیت کو نافذ کرنا ضروری ہے ورثہ میں سے کسی کا اس میں حق نہیں۔ بشرطیکہ یہ خوب محقق ہو کہ یہ کُل زیور ثلث میں سے نکل سکتا ہے۔

قال فی الدر : وبثلث دراهم او غنمہ او ثیابہ متفاوتة ای الدر اہم والغنم ان خرج من ثلث جمیع باقی اصناف مالہ وثلث الباقی فی الاخیرین ای الثیاب والعبید وان خرج الباقی من ثلث الكل اھ دل کلامہ علوانہ اذا اوصی بشیء وله من المال اصناف متعدّدة وخرج الموصی بہ من ثلث الكل فالوصیة جائزة . والله اعلم .

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۳ / جادی الاول ۱۳۴۲ھ

مرض الموت میں اس کہنے کا حکم کہ میرا روپیہ جو میرے پاس ہے میرے بھائی کے لڑکے کو دینا

(سؤال : زید کا کچھ روپیہ بطور امانت بکر کے پاس جمع ہے۔ زید جو بہت

بیمار ہوا تو اس نے بکر سے کہا کہ اگر میں مرجاؤں تو جو روپیہ آپ کے پاس ہے ہمارے بھائیوں کو دیدینا۔ جو کہ ملک میں ہیں یکایک اس کے ایک بھائی کا لڑکا ملک سے بتلاش روزگار یہاں پہنچ گیا عین سکران میں زید نے بکر سے یہ کہا کہ جو روپیہ ہمارا تمہارے پاس ہے ہمارے بھائی کے اس لڑکے کو دینا۔ اب وہ شخص مر گیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ میت کے دو بھائی اور ایک بہن ہے۔ اور میت کے بھائیوں نے ایک تار بھی بھیجا کہ روپیہ اور سامان کسی کو نہ دینا۔ پس آنجناب ارشاد فرماویں کہ اس روپیہ اور سامان وغیرہ

کا حقدار کون ہوگا۔ بیٹنوا تو جروا

الجواب

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

صورت مسئلہ میں اگر بحالت ہوش و حواس بیمار نے امانت کا روپیہ بھائی کے لڑکے (بھتیجے) کو دلایا ہے تو ظاہر ہے کہ بیمار کے دونوں قول وصیت کے حکم میں ہیں۔ اور وصیت میں بلا اجازت و رثاء تہائی پر زیادتی جائز نہیں۔ نیز وصیت بحق و رثاء باطل ہوتی ہے۔ پس امانت میں سے نصف رقم بھتیجے کو بحکم وصیت دینا چاہئے بشرطیکہ یہ نصف رقم میت کے کل ترکہ کی تہائی پر زائد نہ ہو اور اگر تہائی پر زائد ہوتی ہے تو اس زیادتی کی مقدار کو کم کر کے دین بقیہ ترکہ جس میں امانت کا روپیہ بھی شامل ہے میت کے دو بھائیوں اور ایک بہن میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ پانچ حصے کر کے دو، دو حصے ہر ایک بھائی کو اور ایک حصہ بہن کو دیا جائے۔

والدلیل ہذا والاجنبی و وارثہ اوقاتلہ لہ نصف الوصیۃ و بطل وصیتہ للوارث والقاتل لانہما من اهل الوصیۃ علی مامرو لذلالتصح بالاجازۃ۔ (درمختار)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب موصی نے کسی اجنبی اور وارث کے لئے وصیت کی تو نصف حق اجنبی کا حق ہوا اور وارث کے حق میں بقیہ نصف وصیت باطل قرار پاوے گی رہا یہ امر کہ بھتیجے کے حق میں پچھلا قول پہلے قول سے رجوع قرار دیا جاوے یا اس لیے قابل التفات نہیں ہے کہ رجوع کے لیے قول صریح ہونا چاہئے، محض دلالت معتبر نہیں ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اس صورت میں جب کہ کسی نے کل مال کی وصیت ایک شخص کے لیے کی ہو اور تہائی مال کی وصیت دوسرے شخص کے لیے کی ہو تو پچھلی صورت میں پہلی وصیت کے لیے رجوع قرار دی جائے حالانکہ فقہاء کرام اس کے برخلاف یہ حکم دیتے ہیں۔ فثلثہ بینہما نصفان، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عہ جب وصیت نصف میں صحیح مانی ہے تو یہ نصف رقم کل ترکہ کا سدس ہونا چاہئے کما لا یخفی ۱۲
عبد الکریم عفی عنہ

سہ و هو مصرح فی المشامی - ج ۵ - ص ۶۴۷ - عبد الکریم عفی عنہ

الکلام علی الجواب

ہمارے نزدیک متوفی کا سکرات میں یہ کہنا: ”جو ہمارا روپیہ ہے تمہارا پاس، وہ ہمارے بھائی کے اس لڑکے کو دیدینا“ بھتیجے کے لیے وصیت میں صریح نہیں ہے۔ بلکہ احتمال ہے کہ اس کو اس نیت سے دلانا چاہتا ہو کہ اس کے ذریعہ سے حقداروں کے پاس بسہولت پہنچ جائے گا۔ اور احتمال کی صورت میں وصیت کا ثبوت نہیں ہو سکتا پس اس روپیہ اور سامان کے حقدار میت کے دونوں بھائی اور بہن ہیں، بھتیجے کا اس میں کچھ حق نہیں۔

قال فی العالمگیرۃ فی ہذا المسائل انہ اذا اتی بلفظ ینبئ عن تملیک الرقبۃ یکون ہبۃ و اذا کان منبئاً عن تملیک المنفعۃ یکون عاریۃ و اذا احتمل ہذا و ذاک یتوٰی کذا فی المستصفیٰ - ۵۱ -

(ج ۵ - ص ۲۲۹)

قلت والوصیۃ اخت الہبۃ فی الالفاظ لکونھا تملیکاً بعد الموت فلا تصح ما لم تکن بلفظ صریح فیہا - واللہ اعلم -

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھاو بھون - ۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

حکم الوصیۃ بوقف حصۃ من مالہ (السؤال: کیا فرماتے ہیں علماء دین

درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ قبلہ والد صاحب حج کو تشریف لے گئے اور اشیاء ذیل احقر کے سپرد فرما گئے۔ نقد و مال تجارت - ۳۰۰۰/- مکانات سکنائی - ۲۰۰۰/- جائیداد صحرائی - ۲۰۰۰/- کل تخمیناً - ۷۰۰۰/-

ایک پاکٹ بک میں بطور وصیت فرما گئے جس کا خلاصہ یہ ہے: ایک حصہ وقف کر دیا جائے مال وغیرہ کا۔ ۱۹۱۲ء کو واپس تشریف لے آئے۔ اور جزوی طور پر دوکان پر تشریف لاتے رہے۔ کچھ دنوں بعد بیمار ہو گئے جس سے دوکان کا آنا ترک ہو گیا احقر نے اپنی مدد کے واسطے ایک دیانت دار، تجربہ کار کو دوکان میں شریک کر لیا اور منافع کے تین حصے کیے۔ ایک حصہ قبلہ والد صاحب کا، ایک احقر کا اور ایک حصہ شریک کا۔ اور قبلہ والد صاحب کو اطلاع بھی کر دی جس پر خاموشی فرمائی۔

دسمبر ۱۹۱۳ء کو قبلہ والد صاحب شب کو بحالت بیماری جو کہ مجنونانہ تھی لاپتہ ہو گئے۔ احقر ان کی اصل رقم اور منافع درج کرتا رہا۔ ۱۹۲۱ء کو ان کے منافع کی رقم سے ایک جائیداد -/۳۰۰۰ تین ہزار روپے سے کچھ زائد کی خرید لی۔ جب وہ لاپتہ ہوئے تھے ان کی عمر تخمیناً ۱۸ سالہ برس کی تھی، بعد دس برس کے علماء کرام سے دریافت کیا گیا تو فرمایا گیا کہ عمر طبعی پوری ہو چکی ہے۔ نیز تلاش بھی بہت کی گئی مگر کچھ پتہ نہ چل سکا۔ دیگر کوئی وارث بھی سوائے احقر کے نہیں چھوڑا اس پر یہ خیال ہوا کہ اب بظاہر نامید ہی ہے۔

۱۹۲۳ء کو احقر نے ملکیت اپنی تصور کی اور اس وقت موجود مالیت حسب ذیل بھی تھی :

مال و نقد -/۳۰۰۰۔ سابقہ جائیداد صحرائی -/۳۰۰۰ + جائید خرید کردہ -/۶۰۰۰ کل تخمیناً -/۱۵۰۰۰ پندرہ ہزار ہے

لہذا یہ ارادہ بھی کر لیا ہے کہ پانچ ہزار روپیہ تدریجاً خرچ کر دیتے جاویں لہذا ۱۹۲۵ء سے اس کا نفاذ جاری کر دیا گیا۔ اور اب تک اللہ واسطے تقریباً -/۱۰۰۰ ہزار کے قریب خرچ بھی ہو گئے۔ اب ۱۹۲۷ء میں ہر جائیداد کی حالت گر گئی ہے اور مالیت میں کمی بھی ہو گئی ہے۔ اس لیے اب تین امور دریافت طلب ہیں۔ براہ کرام ان کا جواب جلد مرحمت فرماویں

۱۔ یہ وصیت صحیح ہوگی یا نہیں ؟

۲۔ ایک حصہ سے احقر نے ۱/۵ حصہ مراد لیا ہے آیا یہ ٹھیک ہے یا نہیں ؟

۳۔ اگر یہ وصیت صحیح ہے تو کس رقم کو اصل مالیت لگایا جاوے، سابقہ یا درمیانی یا موجودہ۔

السائل :

احقر نبال الدین غفرلہ مراد آبادی

چمک بازار ۲۵ شوال ۱۳۲۵ھ

الجواب

قال في الدر عن واقعات المفتين معزياً للقنية انه انما يحكم بموته بقضاء لانه امر محتمل فالم ينضم اليه القضاء لا يكون حجة اه
قال الشامي قوله بقضاء هو واحد قولين - قال القهستاني وفي القاء من قوله فتعد عرسه دلالة على انه يحكم بموته بمجرد القضاء المدة فلا يتوقف على قضاء القاضي كما قال شرف الائمة وقال نجم الائمة القاضي عبد الرحيم نص على انه يتوقف عليه كما في المنية اه وقال شرف الائمة موافق للمتون سائحاني قلت لكن المتبادر من العبارة ان المنصوص عليه في المذهب الثاني اه (ج ٣ - ص ٥١٢ - كتاب المفقود)

وفي البدائع من باب الوصايا وسواء كان الموصى به معلوماً او مجهولاً فالوصية جائزة لان هذه جهالة تمكن انزال التهامن جهة الموصى مادام حياً ومن جهة ورثته بعد موته فاستبغت جهالة المقر به في حال الاقرار وانها لا تمنع صحة الاقرار كذا جهالة الموصى له تمنع صحة الوصية ايضاً وعلى هذا مسائل منها ما اذا اوصى الرجل يجرأ من ماله او بنصيب من ماله فان بئس في حياته شيئاً والا اعطاه الورثة ما شاء وابعده موته لان هذا الالفاظ تحتمل القليل والكثير فيصح البيان فيه مادام حياً ومن ورثته اذا مات لانهم قائمون مقامه ولو اوصى له بسهم من ماله فله مثل اخس الانصاء ويزاد على الفريضة ما لم يزد على السدس عند ابي حنيفة رحمه الله وعندهما ما لم يزد على الثلث فعلى رواية الاصل يجوز النقصان عن السدس عنده وعلى رواية الجامع الصغير لا يجوز وبيانه اذا مات الموصى وترك زوجة وابناً فلموصى له على رواية الاصل اخس سهام الورثة وهو الثمن ويزاد على ثمانية اسهم سهم آخر فيصير تسعة فيعطى تسع المال وعلى رواية الجامع الصغير يعطى السدس لانه اخس سهام الورثة - الى ان قال وجه قولهما ان السهام اسم لنصيب مطلق ليس له حد مقدر بل يقع على القليل والكثير كاسم الجز الا انه يسمى سهماً لا بعد القسمة فيقدر

بواحد من انصبا الورثة والاقل متیقن به فيقدر به - الا اذا كان
يزيد على الثلث فيزاد الى الثلث (لا الى ان يزيد منه) لان الوصية
لا جواز لها باكثر من الثلث من غير اجازة الورثة .

ووجه قول ابی حنیفۃ ماروی عن ابن مسعود انه سئل عن رجل
اوصی بسهم من ماله فقال له السدس - وروی عن ایاس بن ابن معاویۃ
انه قال السهام فی کلام العرب السدس اه (ج ۳ - ص ۳۵۶)

قلت ولفظ المحصة في لسان الهند كلفظ الطائفة - والجزء
والبعض والشقص في العربية وليس مثل السهم كما لا يخفى -

حاصل یہ ہوا ۱۔ صورت مسئلہ میں بعد موت اقران کے بدون قضاء قاضی
کے ورثہ کا مال مفقود پر قبضہ مالکانہ کر لینا جائز ہے علی قول شرف الائمة - واختراہ
فی حق الاموال تیسیرا - واما فی حق الزوجة فنختار قول نجم الائمة احتیاطاً
فی باب الفروج .

۲۔ اور ایک حصہ کی وصیت شرعاً صحیح ہوگی اور وارث کو اختیار ہے کہ جتنا چاہے
اور جس مال میں سے چاہے جو نسا حصہ چاہے وقف کر دے - اور سائل نے جو ایک
حصہ سے ایک ثلث مراد لے کر وقف ثلث کا ارادہ کیا ہے اس میں غایت احتیاط ہے -
واللہ اعلم

تنبیہ : نقد روپیہ صدقہ کرنے سے وصیت ادا نہ ہوگی بلکہ وقف کرنے سے وصیت
ادا ہوگی - اور وقف کا محل اعیان ہیں دراہم و نقود نہیں ، فقط -

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۴ شوال ۱۳۴۵ھ

وصیت کے متعلق چند سوالات | السؤال : مرحومہ نے مرتے وقت وصیت کی
پر مشتمل ایک استفتاء کہ میرا مکان نصف ، نصف میری دونوں بیٹیوں کو
دیا جائے اور زیور کے متعلق یہ وصیت کی کہ ۳ حصہ خیرات کیا جائے باقی ۳
حصہ نصف دونوں بیٹیوں کو دیا جائے

الجواب

لرطکیوں کے بارے میں وصیت باطل ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور خیرات کی وصیت درست ہے۔ اگر مرحومہ کی مملوک زیورہ وغیرہ میں سے اس کا ذاتی قرضہ ادا کر کے زیورہ کے تو اس بقیہ میں سے ۳/۴ حصہ خیرات کرنا ضروری ہے۔ باقی ۱/۴ سب وارثوں کا حق ہے۔ سوال ۱۷: مکان اور زیورہ کی حقیقت یہ ہے کہ شوہر مرحومہ نے دو مکان اپنی کمائی سے خریدے مگر بیع نامہ بجائے اپنے نام کے اپنی زوجہ مرحومہ کے نام کر دیا۔ بعد ان مکانات کو مسمار کر اگر ان کے ملبہ سے اور نیز اپنی کمائی ہوتی زیر کثیر سے ایک بڑا مکان تعمیر کر دیا۔ مرحومہ نے اپنا مہر معاف کر دیا تھا۔ مرحومہ کے پاس کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا نہ اس کو کوئی ترکہ اپنے باپ یا کسی اور رشتہ دار سے پہنچا تھا۔ وقتاً فوقتاً حسب خواہش مرحومہ شوہر مرحومہ نے زیورہ بنوایا جو مرحومہ کے پاس رہتا تھا۔ اور مرحومہ اس کو پہنا کرتی تھیں لیکن اس زیورہ کی زکوٰۃ ہمیشہ شوہر مرحومہ نے اپنی کمائی کے پیسے سے سالانہ خود حساب کر کے ادا کی ہے کوئی گفت گو مرحومہ اور اس کے شوہر کے درمیان اس زیورہ کے متعلق ایسی نہیں آئی کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ اس زیورہ کے خورد برد کرنے کا یا علیحدہ کرنے کا کوئی حق مرحومہ کو حاصل تھا۔

الجواب

فقط بیع نامہ کسی کے نام لکھوانے سے اس کی ملک ثابت نہیں ہوتی بلکہ جس کے نام سے زبانی بیع ہوئی ہو اسی کی ملک ہے۔ البتہ اس کے سوا اور کسی طرح ہبہ وغیرہ سے مع اس کے شرائط کے اگر ملک کر دیا ہو تو دوسری بات ہے۔ اور اگر زیورہ وغیرہ میں عشر کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر آپ کے یہاں عام دستور ہے کہ فقط پہننے کے لیے دیا کرتے ہیں تب تو مرحومہ کی ملک نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ دستور ہے کہ عورت کو مالک بنا دیتے ہیں تو وہ زیورہ اور کپڑے وغیرہ ملک مرحومہ کے ہو گئے۔ اور نیز جو اثاثہ بیت اولہ زیورہ وغیرہ مرحومہ کے والدین نے اس کو دیا ہے وہ اس کی ملک ہے۔

عہ اگر یہ معافی مرض الموت میں ہوئی ہو تو معتبر نہیں۔ مہر کی رقم مرحومہ کے ترکہ میں داخل کی جائے۔

منہ

سوال ۳: اب سوال یہ ہے کہ متذکرہ بالا حالات میں مرحومہ کو مکان اور زیور پر ایسی ملکیت شرعاً حاصل تھی یا نہیں کہ مرحومہ اُن کے متعلق مذکورہ بالا وصیت باختیار خود بلا مشورہ یا رضامندی اپنے شوہر کر سکتی تھی

الجواب

اپنی ملک میں خیرات کی وصیت صحیح ہے، دختروں کے متعلق کسی حالت میں صحیح نہیں جیسا کہ جواب نمبر ۲ میں تفصیل گزر چکی۔ واللہ اعلم۔
سوال ۴: اگر یہ وصیت کر سکتی تھی تو کہاں تک شرعاً اس کا شوہر اس وصیت پر عمل کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اور در صورت عمل نہ کرنے کے وہ کس گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اور قیامت میں اس سے کیا مواخذہ ہوگا۔ وصیت کے وقت شوہر مرحومہ کا موجود تھا۔ اس نے وصیت کو سنا مگر کوئی اعتراض نہیں کیا اور خاموش رہا۔

الجواب

جس صورت میں موافق نمبر ۳ وصیت صحیح ہو گئی ہے اس میں اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ پورا نہ کیا جاوے تو سخت گناہ ہے اور اس مال کا رکھنا حرام ہے اور جس وصیت کا اس کو حق نہ تھا یعنی دختران کے بارے میں۔ اس میں آپ کی خاموشی سے وہ وصیت لازم نہیں۔ البتہ اگر انتقال کے بعد آپ نے کہہ دیا ہو کہ ہم کو وصیت منظور ہے تو اس کی مملوک چیز میں وہ وصیت پورا کرنا آپ کے ذمہ اپنے حصہ کے مطابق واجب ہوگی۔ باقی ورثہ نواب احمد وغیرہ کا حصہ برقرار رہے گا۔ آپ کی منظوری سے اس میں تغیر نہ ہوگا یعنی اس کی مملوک زیور وغیرہ موافق نمبر ۲ میں سے اس کا ذاتی قرضہ ادا کر کے اور قرضہ کے بعد جو باقی رہے اس میں سے ۳/۱ خیرات کرے۔ باقی میں سے آپ کو ۴/۱ جو میراث میں سے پہنچتا ہے وہ ان دونوں لڑکیوں کو دیدیا جائے۔ اور ۲۸/۸۳ ہر دختر کو میراث میں سے جو ملے گا وہ اس سے الگ ہے اور جو چیزیں تفصیل نمبر ۳ مرحومہ کی ملک ہی نہ تھیں بلکہ آپ کی ملک تھیں ان کی بابت جبکہ وصیت کرنے کے وقت آپ کے سکوت سے اُس وصیت کا نفاذ ضروری نہ ہوا تھا۔ اسی طرح اگر بعد انتقال مرحومہ منظوری ظاہر کر دی ہو تب بھی ان

اشیاء کی بابت اس وصیت کا پورا کرنا ضروری نہیں ہوا۔
ہاں اگر اس وصیت کے مطابق کوئی چیز دختران کو دیدی ہو تو اب اس کا واپس
لے لینا جائز نہیں ہے۔

فی الدر (الا ان بتحیز و وثقہ بعد موتہ) ولا تقتبر اجازتھم حال حیۃ
اصلاً بل بعد وفاتہ اھ (ج ۵ - ص ۶۳۹)

وفیہ ایضاً: (ج ۵ - ص ۶۶۵) (وبالف عین) ای معینۃ بان کانت
ودیعة عند الموصی (من مال آخر فاجاز رب المال الوصیۃ بعد موت الموصی و
دفعہ) الیہ (صح و لہ المنع بعد الاجازۃ) لان اجازتہ تبیع فلہ ان یمتنع
من التسليم و اما بعد الدفع فلا رجوع لہ - شح تکملہ (بخلاف ما اذا اوصی
بالزیادۃ علی الثلث او لقاتلہ او لوارثہ فاجازتھا الورثۃ) حیث لا یكون لھم
المنع بعد الاجازۃ بل تجبروا علی التسليم الخ

کتبہ عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۴ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ

(السؤال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع
مستین مسئلہ ذیل کے متعلق از روئے شرع شریف

فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کے متعلق
ایک وصیت اور اس کا حکم

کے۔ ۱: زند حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر مرض اسہال میں چار ماہ کے قریب مبتلا
رہ کر دنیا فانی سے کوچ کر گیا مگر دوران مرض میں انتقال ہونے کے قریب تک اس کے
ہوش و حواس نہایت درست رہے۔ چنانچہ انتقال کے قریب اپنے والد بزرگوار سے
اپنے قصور معاف کر اگر انہیں راضی کیا اور کاغذ قلم و دوات منگو کر اپنی مخفی نقدی وغیرہ
مفصل لکھوا دی اور اپنی عمر بھر کی فائتہ نمازوں کے فدیہ کے ادا کرنے کی وصیت
کی کہ بارہ سالہ نابالغی کے منہا کر کے فلاں سال سے فلاں سال تک کی فائتہ نمازوں کو
حساب کر کے ادا کر دینا اور دوران مرض میں بھی کئی بار اس کی ادائیگی کی نسبت تاکید کی تھی
اس پر زید مرحوم کے والد نے آخری وصیت نزع کے قریب یہ بھی کہا کہ پچیس سال ہوتے ہیں
اور پچیس سال کی نمازوں کے فدیہ کے غلہ کی قیمت اس وقت کے نرخ سے تخمینہً ۱۲ ۱/۲ ہزار

روپے ہوتے ہیں۔ اس پر زید نے جواب دیا کہ کچھ پرواہ نہیں کہ میری نقد متروکہ میں سے کل نمازوں کا ادا کر دینا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد زید کا انتقال ہو گیا۔ زید مذکور نے باپ، زوجہ ایک دختر، ایک پسر ۱۳ سال سے مفقود الخیر وارث چھوڑے ہیں ان میں سے تین موجودہ وارث زید کی نماز ہائے فائتہ کی فدیہ دینے پر بخوشی خاطر راضی ہیں۔ لیکن قبل ادائیگی چند سوال شرعی علماء دین سے دریافت طلب ہیں۔

ع۱: زید کے عمر نابالغی کے بارہ سال منہا ہوں گے یا ۱۶، ۱۷، ۱۸ حسب فقہ و قانون بلوغ۔

ع۲: زید کی وصیت کے موافق اس کے ترکہ نقد میں سے کل نمازوں کا فدیہ ادا کیا جاوے گا یا کچھ کم۔

ع۳: غلہ کا نرخ نمازوں کے فوت ہونے کے زمانہ کا لگایا جاوے یا اس زمانہ ادائیگی کے وقت کا

ع۴: اس فدیہ کے مصارف کیا ہوں گے بٹینوا تو جروا۔

نیاز مند: کمترین محمد یسین خان
از اسلام نگر ڈاکخانہ رامپور سہارن پور
۳ اکتوبر ۱۹۲۶ء

الجواب

حامداً ومصلیاً۔

صورت مسئلہ میں پورے پچیس سالوں کی نمازوں کا فدیہ دیا جاوے۔ اور جب ثلث ترکہ سے وصیت پوری ہو سکے تو ورثاء کی رضامندی شرط نہیں اور اگر وصیت میں حساب غلط ہو جائے یعنی کوئی شخص اپنے ذمہ زائد نمازیں سمجھ کر وصیت کر دے باوجود کہ اس کے ذمہ اتنی نمازیں نہ ہوں تب بھی تمام وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اور صورت مسئلہ میں تو حساب کی غلطی بھی ثابت نہیں ہوتی کیونکہ بارہ سال کی عمر میں بالغ ہونا ممکن ہے۔ پس جب میت نے اس عمر سے اپنا بلوغ ظاہر کیا (کیونکہ نابالغی کے بارہ سال منہا کرنے کا یہی مطلب ہے کہ میں بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو گیا تھا اس کے خلاف کوئی وجہ نہیں) تو اس کی تکذیب کیسے کر سکتے ہیں۔ نیز صحت وصیت کے واسطے

وجوب ضروری نہیں۔ اگر ان نمازوں کے فدیہ کی وصیت کر دے جو واجب نہیں تب بھی وصیت صحیح ہے۔ اور مصارف فدیہ کے وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔

قال فی الدر: وفی اوصیت له بجمع ما فی هذا الکیس وهو الف فاذا فیہ الفان ودنانیر وجواهر فکله له ان خرج من الثلث مجتبی۔ انتہی
قال الشامی: وكذا اوصیت بثلث مالی وهو الف فله الثلث بالغاً ما بلغ لان قوله وهو الف غیر محتاج الیه والواجبۃ وكذا اذا اوصیت بنصیبی من هذه الدار وهو الثلث فاذا النصیبۃ النصف فهو له او بجمع ما فی هذا الدار وهو كرم طعام فاذا فیہ اكثر وعلمه فی المحيط بانه اضاف الایجاب التملیک الى الثلث مطلقاً والی جمیع ما فی الکیس فصحت الاضافة الا انه غلط فی الحساب فلا یقدح فی الایجاب اه ج ۵ - ص ۶۵۲

وفی البحر ج ۲ - ص ۲۸۵ وقیدنا بكونهما ادراكاً عدةً من ایام احراد
لوماتا قبله لا یجب علیهما الا یصاء لما قدمناه ولكن لو اوصیاً به صحت وصیتهما لانها لا تتوقف علی الوجوب۔ کذا فی البدائع۔ وقال الشامی تحت قوله (مصرف الزکوٰۃ) وهو مصرف ایضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما فی القهستانی ج ۲ - ص ۹۳

کتبہ عبد الکریم عفی عنہ

۳۰ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

باقی رہا یہ سوال کہ اگر فدیہ میں گندم وغیرہ نہ دیا جائے بلکہ نقد وغیرہ دیا جاوے تو کس وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جاویگا۔ انتقال موصی کے وقت جو نرخ تھا اس سے حساب لگایا جاوے یا فدیہ ادا کرنے کے وقت جو نرخ ہو اس سے حساب لگایا جاوے۔ اس میں دو قول ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ وقت وجوب کی قیمت معتبر ہوگی۔ اس لیے ان کے نزدیک انتقال موصی کے وقت کی قیمت معتبر ہوگی۔ لہٰذا نہ وقت وجوب الفدیہ۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وقت ادا کی۔

قال فی الغنیۃ فی باب فدیۃ الجنایات بالصدقة: وتعتبر قیمۃ وقت الوجوب وقال وقت الاداء۔ کذا قالوا فی نزاکات و فطرۃ فینبغی ان یکون

ہنا الخ (ص ۱۴۱)

وفی الثامیۃ تحت قوله فدی عنه ولیہ كالفطرة قدرًا ای التشبیہ
بالفطرة من حیث القدر اذ لا یشرط التملیک هنا بل تكفی الاباحة وكذا
هی مثل الفطرة من حیث الجذس وجواز اداء القیمة - قال القہستانی: واطلاق
كلامہ یدل علی انه لو دفع المفقیر جملة جاز ولم یشرط العدد ولا المتدار
لكن لو دفع الیہ اقل من نصف صاع لم یعتد بہ وبہ یفتی ھ ۱۸۹ ج ۲
اور ان دونوں میں سے کسی کے قول کو کسی پر صراحتہ ترجیح نہیں دی گئی البتہ اشارۃً
کلام شامی سے قول صاحبین کو ترجیح معلوم ہوتی ہے پس ان دونوں صورتوں میں سے
جس صورت کو چاہے اختیار کیا جاوے۔ اور نمازیں فوت ہونے کے وقت کی قیمت کا
لگانا کسی بھی قول نہیں۔

رہا یہ کہ وقت ادا کس وقت کو شمار کیا جاوے گا۔ یا اس وقت کو جب کہ مسکین
کے ہاتھ میں رقم پہنچ جائے یا اس وقت کو جس میں وصی اپنے قبضے سے فدیہ کی رقم نکال کر
کسی ایسے شخص کے حوالہ کر دے جو محل اقامت مسکین کا منتظم اور نگران ہو۔ تو ظاہر یہ
ہے کہ وقت ادا اول ہی ہے یعنی جب کہ مسکین کے ہاتھ میں رقم پہنچے نہ کہ ثانی۔ پس
لازم قیمت دینے میں اس وقت کی رعایت ہے جس میں مسکین کے ہاتھ میں رقم پہنچے۔

قال فی الدر: ولا یخرج عن العہدة بال عزل بل بالاداء للفقراء ھ
قال الشامی: فلو ضاعت لا تسقط عنه الزکوة بخلاف ما اذا ضاعت فی
ید الساعی لان یدہ کید الفقراء - بحر عن المحیط ھ ج ۲- ص ۱۸
قلت: ولیس مہتمم للمدرسة كالساعی لان الاصل بطلان الوكالة عن
المجہولین الا فی الولاية العامة والامامہ ولایة عامة والساعی نائب عن
فید الساعی کید الامام وهو وکیل عن الفقراء بولاية العامة ولاکذلك
ہنا فافترقا۔

ولو کان وکیلًا عن الفقراء المعلومین یشرط ان لا یكون ما بیده
زائدًا علی قدر النصاب ای لا یكون ما یبلغ کل واحد عن الفقراء زائدًا

عنه لكون يده كيد الفقير فان زاد لا يجوز لاحد دفع الزكاة ونحوها الى
هذا الوكيل بعد صرح به في الشامية ج ۲ - ص ۱۷ والله اعلم.
ظفر احمد عنا الله عنه

از خانقاه امداديه تھانہ بھون

یوم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ

دارث کے متعلق وصیت اور اس سے | السؤال ۷: مجھ مسماءہ اللہ دی کے
متعلق امانت کا ایک ضمنی سوال | خاوند کی حقیقی پھوپھی مسماءہ عصمت نے بندی

کو اپنی حیات میں وصیت کی کہ میرا زلیخا، برتن اور کپڑے جب میرا لڑکا امیر محمد بالغ
ہو جاوے گا، کو دیدینا۔ اور میری لڑکی مسماءہ سیدی کو نتھ، بلاق، بالے وغیرہ کو فلاں
فلاں چیزیں دیدینا مگر بحکم خدائے بزرگ کے بندی بیوہ ہو گئی۔ بندی نے عصمت کی لڑکی
سے کہا کہ فلاں فلاں چیزیں تیری والدہ نے بندی کے سپرد کی تھیں کہ میرے لڑکے امیر محمد
کو بوقت بلوغ دیدینا اور اب تیری والدہ بھی مسماءہ عصمت انتقال کر گئی ہے اور بندی
بیوہ ہو گئی۔ جس کی وجہ سے اب میرا ارادہ یہاں قیام کا نہیں۔ اور نہ کوئی سامان لیجا سکتی
ہوں جو جو تیری والدہ نے تیرے دینے کو کہا تھا وہ تو اپنے کام میں لا اور باقی اپنے
بھائی کو سن تمیز کے وقت دیدینا۔ مگر امیر محمد کے حصہ کی اشیاء بہن نے قبول نہ
کیں اور کہا کہ تو ہی دیدینا بعد مسماءہ عصمت کے انتقال کے دس سال بعد بندی
بحالت بیوگی اپنے میکہ چلی آئی۔ اس وقت اس لڑکے کی عمر یعنی امیر محمد کی تقریباً
۱۸ سال کی تھی۔ بندی کو اس کے بلوغ کا علم اس وقت نہ تھا اور وصیت بھی یہی تھی
کہ جب میکہ لڑکے کا بیاہ ہو جائے اور زوجہ گھر پر رہنے لگے تو اس وقت دیدینا۔ میرے
میکہ آنے کے دو سال بعد میری نند مسماءہ عصمت کی حقیقی بھتیجی میرے میکہ میں میرے
ملنے کو خود آئی تو بندی نے کنبی اس کو دیکر وہ تمام چیزیں بتلا کر کہہ دیا کہ امیر محمد کو دیدینا۔
مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے کپڑے برتن خود رکھ کر اور لڑکے امیر محمد کو نامعلوم کس قدر اشیاء
ملیں، تمام ملیں یا کم۔ دریافت کرنے سے تو میری نند یہ کہتی ہے کہ میں نے کچھ نہیں لیا تو
ایسی حالت میں بندی گناہ گار ہے یا مال وصیت کے بوجھ اور امانت کے ذمہ سے
بری ہو گئی، بندی کو بہت فکر ہے۔

علا عورتوں کو اوپر سے یا نیچے کی جانب سے سرگوند وانا جائز ہے یا نہیں بعض کہتی ہیں صرف چوٹی بنوالے ویسے ہی کھلے بالوں کی مینڈھیاں بنوا کر سر نہ گندھواتے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

علا اول تو یہ وصیت باطل ہے، جو کچھ مرحومہ نے کہا اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ بلکہ سب مال کُل ورثاء میں مشترک رہے گا۔ وہ آپس میں باقاعدہ خود تقسیم کرنے کے مختار ہیں اس لیے دونوں بہن بھائی کو مسئلہ کی اطلاع کر دو۔ دوسرے جس طریقہ سے تم نے امانت پہنچائی ہے اسی طریقہ سے تم بری نہیں ہوئیں بلکہ لازم ہے کہ اپنی نند اور عصمت کے لڑکے سے خوب تحقیق کرو۔ اگر پہنچانا ثابت ہو جائے تو خیر ورنہ اپنی نند سے وصول کر کے دلوانا تمہارے ذمہ ہے اگر وہ نہ دے تو تمہارے ذمہ تاوان ادا کرنا لازم ہے۔ یا عصمت کے کل ورثاء سے معاف کروالو۔

فی العالمگیریہ : ولو قال رددتما بید اجنبی وصل الیک وانکر ذلک صاحب المال فهو ضامن الا ان یقر بہ رب الودیعة او یقیم المودع بیئنة علی ذلک - کذا فی المحيط - واللہ اعلم - ج ۵ - ص ۲۱۶
علا خواہ صرف چوٹی بناویں یا مینڈھیاں ہی دونوں جائز ہیں۔ البتہ کفار اور فساق کی مشابہت نہ ہو۔

کتب الاحقر عبد الکریم عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

وصیت للوارث والا جنبی کی ایک صورت | السؤال : ایک شخص نے اپنی زوجہ کے واسطے نصف متروکہ اور ایک اجنبی کے واسطے نصف متروکہ کی وصیت کی۔ زوجہ کے علاوہ دیگر وارث بھی موجود ہیں۔ وہ اس وصیت کو جائز نہیں رکھتے۔ ایسی صورت میں وصیت ثلث میں نافذ ہوگی اور اجنبی کو ثلث سالم ملے گا یا چھٹا حصہ ملے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اجنبی کو سدس ملے گا۔ اور عالمگیریہ کے اس جزئیہ سے استدلال کرتے ہیں:

اذا اوصی لاجنبی ووارثه کان للاجنبی نصف الوصیة الخ مولوی محمد فاروق

شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ بہاولپور

الجواب

قال فی البدائع ج ۴ - ص ۳۳۲ ولو اوصی بالثلث لرجلین ومات الموصی فرداً احدهما وقيل الآخر كان للآخر حصته من الوصية لانه اصناف الثلث اليهما وقد صحت الاضافة فانصرف الى كل واحد منهما نصف الثلث فاذا رد احدهما الوصية ارتد في نصفه وبقي النصف الآخر لصاحبه الذي قبل - كمن اقر بألف لرجلین فرداً احدهما اقراره ارتد في نصيبه خاصة وكان للآخر نصف الاقرار كذا ههنا بخلاف ما اذا اوصى بالثلث لهذا والثلث لهذا فرداً احدهما وقيل الآخر ان كل الثلث للذي قبل الا انه اذا قبل صاحبه يقسم الثلث لضرورة المزاومة اذ ليس احدهما اولى من الآخر فاذا اراد احدهما زالت المزاومة فكان جميع الثلث له .

ع ۱ قلت : ولا يخفى ان رد الشارع الوصية لاحدهما كره الموصي له الوصية بل فوقه يدل على ذلك ان صاحب البدائع ذكر بعد ذلك مسألة الوصية لبعض ورثته ولاجنبي ثم مثله بمسألة الرداء ج ۴ ص ۳۳۱ ع ۲ ثبت بقول البدائع ان المزاومة انما تكون اذا كان اوصى بالثلث لاثنتين واما اذا اوصى بالثلث لواحد وبالثلث لآخر ثم تقع المزاومة الا اذا استحقا جميعاً وهو ظاهر .

ع ۳ وكذلك اذا اوصى بالنصف لواحد وبالنصف لآخر كما لا يخفى - فمافی العالم كيرية اذا اوصى لاجنبي ووارثه كان للاجنبي نصف الوصية الا فحول على ما اذا اوصى لهما بالثلث لثبوت المزاومة في الثلث فافهم .

پس صورتِ مسئلہ میں زوجہ کے لیے وصیت باطل ہے اور اجنبی کے لیے ثلث میں نافذ ہے اور ورثاء جائز رکھیں تو زائد میں بھی صحیح ہے بشرطیکہ سب بالغ ہوں۔ اور اگر کوئی نابالغ ہو تو اس کی اجازت معتبر نہیں صرف بالغین کے حصے میں ہی اجازت صحیح ہوگی۔ - هذا والله اعلم وعلمه احکم .

کتاب الفرائض

اپنی بیٹی کو میراث سے عاق کر دینے کا حکم | السؤال :- علیم الدین حسین کا ایک لڑکا دو لڑکیاں ہیں اُس نے ایک لڑکی کو بوجہ اس کی بے عنوانی و بداخلاقی کے نائرش ہو کر عاق کر دیا ہے جسے عرصہ دراز گزرا اور بارہا وصیت کی کہ اس کا حق نامبرہ نے اس کی لڑکی کو دیا ہے جس کی شادی کی اپنے پاس رکھا اب نامبرہ مر گیا ہے تو ایسی صورت میں عاق شدہ لڑکی مستحق پانیوالی شرعی کے برابر ہے یا بموجب وصیت عملدرآمد کے عاق شدہ لڑکی کی حصہ پاویگی۔

الجواب

صورت مسئلہ میں میراث لڑکی ہی کو ملے گی۔ لڑکی کی لڑکی کو کچھ نہ ملے گا۔ نہ راثۃ نہ وصیۃ کیونکہ وارث تو وہ ہے ہی نہیں۔ اور وصیت مذکورہ بھی باطل ہے۔

فی العالمگیریۃ: فان اوصی له بنصب ابنه او ابنته وله ابن او بنت فانه لا تصح الوصیۃ ولو اوصی بنصب ابنه او ابنته وليس له ابن او بنت فانه تجوز الوصیۃ ولو اوصی بمثل نصب ابنه او ابنته وله ابن او بنت تجوز لان مثل الشی غیره لا عینہ الخ۔ (ج ۷، ص ۷۰) واللہ اعلم۔

ظفر احمد
۹ صفر ۱۳۴۰ھ

نافرمان اولاد کو عاق کرنے کا حکم | السؤال :- عمرزید کا بیٹا ہے اور زید ضرور تمند ہے کہ عمر و اس کے خورد و پوش کی خبر لے مگر عمر بوجہ اپنی زوجہ کے اغوار کے زید کی خبر نہیں لیتا بلکہ شرارت سے پیش آتا ہے۔ اور زوجہ سے زید کو ب بھی کرا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ زید اگر میرے مکان پر آیا تو اس کے گھٹنوں سے

پیر کاٹ لوں گا اور جو کچھ اس نے اس کے باپ زید پر اور اس کی بہن پر صرف کیا ہے بذریعہ اپنی زوجہ کے قرضہ بتلا کر طلب کرتا ہے۔ زید مجبور ہے۔ اور اگر زید کہتا ہے کہ میں تجھ کو ایسے وجوہات سے عاق کر دوں گا تو کہتا ہے کہ میں نے علماء سے دریافت کر لیا ہے عاق کر دینے سے میرا کوئی نقصان دینی نہیں ہے تو ایسا باپ اگر بیٹے کو عاق کر دے تو حسب مضمون حدیث شریف گناہ گار تو نہیں۔ یعنی مستحق دوزخ کا تو نہیں بنا بلا حساب جنت میں داخل ہوگا۔

الجواب

جو لڑکا اپنے باپ سے اس طرح پیش آتا ہو وہ عاق ہو گیا باپ کے عاق کرنے کی ضرورت نہیں مگر شریعت میں عاق لڑکے کو میراث سے محروم نہیں ہوتی بلکہ جہنم کا سخت عذاب ہوتا ہے اگر باپ ایسے بیٹے کو میراث سے محروم کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی حیات میں زمین، جائیداد دوسرے ورثاء کے نام کر دے اور ان کو قبضہ بھی دلا دے۔ اور کچھ اپنے گذر کے واسطے رکھ کر اس کو وقف کر دے اور تاجیات اس کی آمدنی اپنے صرف میں لانے کی شرط کر دے واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۴ ربیع الثانی

مسئلہ میراث کی دو صورتیں | السؤال: مسئلہ ذیل کے متعلق ارشاد شرعی فرمادیں۔ زید، عمر، بکر تینوں ایک شخص کے بیٹے ہیں۔ عمر اور بکر سگے یعنی حقیقی بھائی ہیں۔ یعنی ان کی والدہ ایک ہے۔ زید جو ان سے عمر میں بڑا ہے سو تیرا بھائی یعنی اس کی والدہ جدا ہے۔ عمر منجھلا بھائی (درمیانی عمر کا) اس وقت فوت ہو گیا ہے۔ زید عمر بکر کی جائیداد جدی زمین و کوٹھ اس وقت مشترک ہے اور مشترک بحصہ برابر درج کا غذات ہے البتہ حاصل زمین کو بحصہ برابر تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ خرچ کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ عمر کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کس طرح تقسیم ہوگی۔ زید کو اس سے کس قدر حصہ ملے گا اور بکر کو کس قدر ملے گا عمر کے ورثاء زید اور بکر ہی ہیں اور والد یا والدہ وغیرہ کوئی نہیں البتہ

اس کے ماموں اور نانا ہیں۔

السوال ۷: مسماۃ صاحب نور لا ولد مرگئی ہے اس کے ورثہ یہ ہیں۔ جمال خان
اس کا خاوند۔ عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ اس کے بھائی۔ آزاد مسماۃ صاحب نور کا
سوتیللا بیٹا ہے۔ اور کوئی وارث زندہ نہیں ہے۔ مسماۃ صاحب نور کی وصیت
کی نسبت یہ ہے کہ اس نے کہا تھا کہ میرے مبلغ یک صد روپیہ مہر والے سے فقہ
اس کے خاوند کو دیا جائے اور باقی پچاس روپیہ مہر والا اور باقی نقد روپیہ
قریباً مائتہ ایک سو بیس اور زیور مالیت ستھ روپیہ اور کپڑے وغیرہ مسماۃ
مذکورہ کے پیچھے تجہیز و تکفین و خیرات مابعد موت کیجاوے۔ اب اس وقت یعنی
مسماۃ صاحب نور کے مرنے کے بعد اس کا خاوند تین ماہ زندہ رہ کر فوت ہو گیا ہے
مگر اس کا بیٹا آزاد جو مسماۃ متوفیہ کے شکم سے نہیں ہے وہ زندہ ہے۔ اب سوال
شرعی یہ ہے کہ مسماۃ مذکورہ کی جائیداد کس طرح تقسیم کی جاوے کس کس وارث کو
کس قدر حصہ یا روپیہ پہنچے گا تاکہ اس کے مطابق عمل درآمد ہو۔ بینوا توجروا
غلام بچی سیکندڑ ماسٹر
بفہ ضلع ہزارہ صوبہ سرحد

الجواب

۱: صورت مسئلہ میں عمر متوفی کا وارث شرعی اس کا حقیقی بھائی بکر ہے
علاقائی بھائی یعنی زید وارث نہیں ہے اسی طرح ماموں اور نانا بھی محروم الارث
ہیں پس عمر کی تمام جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ بکر کو ملے گی واللہ اعلم

مسئلہ
بھائی حقیقی۔ بھائی علاقائی۔ ماموں۔ نانا
بکر۔ زید۔ م۔ م۔ م

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

۲: مسماۃ صاحب نور نے اپنے شوہر کے واسطے جو وصیت کی ہے وہ صحیح
نہیں ہے۔ کیونکہ وارث کیلئے وصیت باطل ہے اور خیرات کی وصیت مسماۃ کے

ترکہ میں سے تجہیز و تکفین کے بعد جو مال بچے اس کی ایک تہائی میں جاری کی جائے
اس کے بعد جو مال باقی بچے جس میں مسماۃ کا مہر بھی داخل ہے اس کے چھ سہام
کر کے تین سہام یعنی نصف خاوند کا ہے اور باقی نصف میں سے ایک ایک
سہام اس کے علاقائی بھائی کی اولاد کو ملے گا۔ اور سوتیلے بیٹا محروم ہے۔ اور جمال
خان کا حصہ اس کے شرعی واراثوں کو دیا جاوے جس کا استفتاء علیحدہ کرنا
چاہیئے۔ واللہ اعلم

مسئلہ

مسماۃ نذر

شوہر	ابن الاخ لاب	ابن الاخ لاب	ابن الاخ لاب	متبنی
جمال خان	عیسیٰ	موسیٰ	یحییٰ	آزاد
۱	۱	۱	۱	۱
۳				

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۸ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ

ایک عورت مرگئی اس نے شوہر، ایک لڑکی، والدہ، والد اور ایک ہمشیرہ چھوڑی بعد میں شوہر کا بھی انتقال ہو گیا۔ کا حکم؟
السوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ بندی کا انتقال ہو گیا اس نے ایک شوہر اور ایک لڑکی عنایت فاطمہ اور والدہ اور والد اور ایک ہمشیرہ چھوڑی بعد اس کے شوہر کا بھی انتقال ہو گیا اس نے ایک لڑکی عنایت فاطمہ مذکورہ اور ایک بھائی اور ایک چچا چھوڑا اب موافق شرع شریف مسماۃ بندی مرحومہ کی ملک کس طرح منقسم ہونی چاہیئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بعد تقدیم ماحقہ ان یقدم علی تقسیم التركة کصرف
التجهیز والتکفین واداء الدین عن المیت ان کان علیہ وانفاذ
الوصیة من الثلث ان کان اوصی بشئ۔
مسماۃ بندی کے تمام ترکہ کو چھ سہام پر منقسم کر کے ۱۵ سہام مسماۃ

عنایت فاطمہ کو اور چار چار سہام بندی کے باپ، ماں کو، تین سہام شوہر مسماۃ
بندی کے بھائی کو دینے جائیں گے۔ اگر مسماۃ بندی نے اپنے شوہر کو مہر معافی نہ کیا
ہو یا مرض الموت میں معافی کیا ہو بہر صورت وہ مہر بھی ترکہ میں شمار ہوگا۔ ہاں
اگر صحت میں معافی کر دیا ہو تو شمار نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

مسماۃ بندی				
زوج	بنت	ام	اب	اخت
۳	عنایت فاطمہ	$\frac{۲}{۴}$	$\frac{۲}{۴}$	۲
۲				
۱۲				
بنت	عنایت فاطمہ	اخ	عم	
۱		$\frac{۱}{۳}$	$\frac{۱}{۳}$	

احمدہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

یکم جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ

مناسخہ کی ایک صورت اور زوجہ اگر مرض وفات میں مہر معافی کرے تو اسکا حکم
السوال: یہاں بابت ایک متروکہ کے نزاع ہے اس کا مناسخہ کرنا ہے
جس کی صورت ذیل میں درج ہے گو مناسخہ کیا گیا ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی تصحیح
وغیرہ میں غلطی ہو آپ اس کو ملاحظہ فرما کر اور اس کی صحت فرما کر حضرت مولانا
مولوی حافظ قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب قبلہ دام فیوضہم سے بھی تصحیح فرما کر
جس قدر جلد ممکن ہو سکے واپس فرمائیں۔ واپسی کا پتہ حسب ذیل ہے

السائل

مولوی سید احمد صابو کیل بھوکرون ضلع اورنگ آباد
دکن

۵۳۷۲۰
۱۳۲۳۰
۶۷۲
۲۲

محمد حنیف مرحوم

ابن بدیع الدین - ابن کریم الدین - بنت نعت بی - بنت رحمت بی - بنت کمال الفساد بیگم

$\frac{۱}{۶}$
۹۶

۱

$\frac{۱}{۶}$
۹۶
۱۹۲۰

$\frac{۲}{۱۲}$
۱۹۲
۳۸۴۰

$\frac{۲}{۱۲}$
۱۲

زاهد بیگم
 زوج شریف الدین
 ابن محمد ندیم اللہ
 ۱۱۹۹
 ۳۹۹

الاحمید	۵۳۷۰	لغریاء
کریم الدین — ۲۱۲۸۰		فرید بیگم — ۱۵۹۶
فصیح الدین — ۲۶۶۰		بسم اللہ بیگم — ۱۵۹۶
رحیم الدین — ۷۵۶۰		حمید النساء بیگم — ۲۲۳۰
جمال الدین — ۶۷۱۰		محمد ندیم اللہ — ۱۱۹۷
شرف الدین — ۵۷۱۹		اکرام الدین — ۳۱۹۲
یہ مناسخہ صحیح ہے اور سہام صحیح ہیں		
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ -		
۱۵ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ		
اس کے بعد اس قدر اور عرض کر دینے کی ضرورت ہے کہ اصل نزاع حمید النساء بیگم		
زوجہ بدیع الدین مرحوم اور دیگر ورثہ میں ہے اور بمقابلہ دیگر ورثہ حمید النساء بیگم کا حصہ معلوم		
کرنا ہے جو اس صورت مسئلہ میں اُن کو مل سکتا ہے۔		
دوسرے یہ امر کہ یہاں ریاست حیدر آباد میں بعض الناس کو منصب ملتا ہے جو عطیہ		
شاہی کہلاتا ہے اور اس میں یہاں کے قانون کے لحاظ سے تو ریث نافذ نہیں ہوتی، بدیع الدین		
مرحوم بھی صاحب منصب تھے تو آیا شرعاً ان کے حصے منصب میں تو ریث ہوگی یا نہیں اور زوجہ		
بھی مستحق ہے یا نہ؟		
تیسرے ہر کے متعلق یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ اگر زوجہ اپنی مرض الموت میں جب کہ		
وہ شدید بیمار ہو ایسی حالت میں اگر مہر معاف کرے تو وہ معاف ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اور اگر اس طرح		
زوجہ مہر معاف کر دے تو پھر اس کے ورثہ اس مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور اگر زوجہ		
کی زندگی میں زوج مر جائے اور زوجہ یہاں کے رواج کے مطابق جبکہ زوج کا جنازہ تیار		
ہو جائے۔ تو مہر معاف ہو جائے گا یا نہیں۔		
چوتھے :- اس صورت مسئلہ میں مسماۃ حمید النساء بیگم اپنے شوہر بدیع الدین مرحوم		
کے ورثہ سے مہر کی اس طریق پر طالب ہے کہ کل متروکہ محمد حنیف مرحوم سے اولاد نہ ہو کر دیا		
جائے۔ اس کے بعد تعین سہام یا تقسیم متروکہ ہو۔ کیا یہ مطالبہ شرعاً صحیح ہے یا بعد تعین سہام وہ صرف		
اپنے شوہر کے سہام اور متروکہ سے مہر کی طالب ہو سکتی ہے۔		

پانچویں: میت ثالث (بدیع الدین مرحوم) یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ مرحوم بدیع الدین کی دو زوجہ ہیں ایک بشارت بیگم اور دوسری حمیدہ النساء بیگم۔ بشارت بیگم بھیات زوجہ ہی فوت ہو گئیں اور حمیدہ النساء بقید حیات اب تک زندہ ہیں۔ بشارت بیگم زوجہ اولیٰ تھیں ان کے در ثار میں دو بھائی ایک بہن ایک بیٹی اور باپ ہے۔ بشارت بیگم کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی و والد کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب دونوں بھائی، اور بیٹی کا نواسہ طالب ہیں کہ بشارت بیگم کا مہر جو بذمہ بدیع الدین مرحوم واجب الادار ہے وہ دلایا جائے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا دونوں بیویوں کے مہر میں تقدم و تاخر کا لحاظ ہوگا یا دونوں دین مہر کیساں واجب الادار ہوں گے۔

یہ امر بھی تصفیہ طلب ہے کہ پہلی بی بی بشارت بیگم کا مہر زیادہ ہے اور بعد کی دوسری بیوی حمیدہ النساء بیگم کا مہر کم ہے ایسی حالت میں متروکہ بدیع الدین سے بلحاظ مناسبت تعداد مہر ادا ہوگی یا مساوی۔

حبیب احمد طالب علم جامع العلوم

(اجوبۃ الاسئلة)

۱: اگر بدیع الدین مرحوم کا ترکہ وہی ہے جو ان کو محمد حنیف مرحوم نے ترکہ میں پہونچا تو حمیدہ النساء کو بحیثیت میراث کے ۲۲۴۰ سہام منجملہ ۵۳۷۰ سہام کے ملیں گے اور اگر بدیع الدین مرحوم کا ترکہ پدری ترکہ کے علاوہ اور بھی ہے تو اس کا بھی آٹھواں حصہ مسماۃ موصوفہ کو میراث میں ملے گا۔ اور دین مہر کا حکم آگے آدے گا۔

۲: اگر منصب صاحب منصب کی ملک کہ دیا جاتا ہے در اں حالیکہ وہ ملکیت کے قابل بھی ہے مثلاً منصب میں بطور جاگیر کے زمین ملے تو اس میں توریث کا نفاذ ہوگا۔ اور اگر وہ صاحب منصب کی ملک نہیں کیا جاتا یا وہ ملکیت کے قابل ہی نہیں مثلاً ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا گیا ان دونوں صورتوں میں بعد موت کے منصب میں توریث کا نفاذ نہ ہوگا۔ ریاست کو حق ہے کہ اس کے در ثار جس کو چاہے عطا کر دے۔

۳: اگر زوجہ مرض الموت میں جس میں زندگی سے مایوس ہو جائے مہر معاف کر دے تو مہر بالکل معاف نہ ہوگا اس میں زوجہ کے تمام دار ثوں کو سہام میراث کے موافق حصہ ملے گا جن میں شوہر بھی ایک وارث ہے اور اگر زوج پہلے مر جائے اور زوجہ جنازہ تیار ہونے کے وقت

مہر معاف کر دے تو مہر معاف ہو گیا اب اس کو شرعاً مہر لینے کا حق نہیں۔

۱۴: حمید النساء کا محمد حنیف کے ترکہ میں یہ مطالبہ کرنا درست نہیں اولاً محمد حنیف کے تمام ورثہ کا حصہ نکال کر حسب قدر بدیع الدین مرحوم کا حصہ اس میں ہے اس میں دین مہر حمید النساء بیگم اور بشارت بیگم کو مقدم کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا قرض ہو اس کو بھی تقسیم ترکہ سے مقدم کیا جائے گا۔ علیٰ ہذا تجہیز و تکفین بھی تقسیم ترکہ سے مقدم ہوگی اس کے بعد جو بچے اس میں تواریث نافذ ہوگی البتہ اگر بدیع الدین مرحوم کے ترکہ میں محمد حنیف کے ترکہ سے علاوہ بھی کچھ سامان وغیرہ ہو تو اس میں حمید النساء کا یہ مطالبہ درست ہے۔

۱۵: دونوں بیویوں کے مہر لزوم میں مساوی ہیں۔ کسی کو مقدم و مؤخر نہ کیا جاوے گا اگر دونوں کے مہر کم و بیش ہیں تو باہم ان کی نسبت معلوم کر کے ترکہ کو اس نسبت پر تقسیم کیا جاوے گا جبکہ مجموعہ ترکہ ہر دو مہر سے زیادہ نہ ہو اور اگر زیادہ ہو تو دونوں مہر دینے کے بعد جو بچے کا وہ ورثہ پر تقسیم ہوگا۔ واللہ اعلم

التخريج والاجوبة صحيح
ترجمہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

اشرف علی - ۱۶ ذیقعد ۱۳۴۰ھ
۱۵ ذی قعدہ ۱۳۴۰ھ

ایک میت کے ورثہ میں صرف | سوال: ایک میت کے ورثہ میں صرف ایک لڑکی اور ایک لڑکی اور ایک عینی خالہ ہے ایک عینی خالہ ہے اور اعزہ دور کے رشتہ کے ہیں اور وہ بھی نانہالی رشتہ دار ہیں داد ہالی رشتہ کا کوئی بھی نہیں ہے اس صورت مذکورہ میں اس کا متروکہ سامان کیونکر تقسیم ہوگا۔

الجواب

کل ترکہ لڑکی کو ملے گا۔

۱۹ رمضان ۱۳۴۰ھ

دین مہر ترکہ میں داخل ہے اور | سوال: ایک شخص مستثنیٰ زید نے اپنی دختر کا نکاح مثلاً اس کے تقسیم کی ایک صورت بعوض پانچ سو روپیہ مہر کے کر دیا اتفاقاً دختر بقضائے الہی فوت ہو گئی، باپ اور شوہر موجود ہیں اور ایک لڑکا بھی ہے، ہر دو صورتوں میں مہر میں سے علیحدہ علیحدہ شرعاً کیا حق ہے۔

الجواب:۔ حامداً ومصلياً: دین مہر مثل دیگر اموال متروکہ ترکہ میں داخل ہے

پس کل ترکہ در صورت باپ و شوہر و لڑکا و رشتہ ہونے کے بارہ سہام پر منقسم ہو کہ تین سہام شوہر کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گے اور دو سہام باپ کو ملیں گے۔ باقی سات سہام متوفیہ کے لڑکے کو اور اگر اولاد نہیں ہے تو کل ترکہ دو سہام ہو کہ نصفی یعنی ایک سہام شوہر کا اور بقیہ ایک سہام باپ کا ہے۔
واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
غایت اللہ عنی عنہ
مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
احقر عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
الجواب صحیح
احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۸ شوال ۱۴۱۰ھ

اس عورت کے ترکہ کا حکم جس کا شوہر مجنون پہلے ڈوب کر مر گیا اور پھر یہ خود گم ہو گئی! سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو جنون ہو گیا اور جنون ہی کی حالت میں کہیں چلا گیا بعد جستجو زید کی نقش چار روز کے بعد دریا سے برآمد ہوئی نقش سر ٹھکل گئی تھی۔ زید کو جب جنون ہوا تو اکثر اپنی زوجہ سے کہا کہ تا تھا کہ میں دریا میں ڈوب کر مر جاؤں گا مجھ کو تیرا خیال ہے کہ تیری کیا حالت ہوگی۔ اور میاں بیوی میں اخلاص و محبت غایت درجہ کی تھی۔ زید کی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے ہمیں یقین ہے کہ وہ گھر سے نکل کر فوراً دریا میں ڈوبا ہے کیونکہ زید کا مکان تقریباً دو سو قدم دریا کے کنارہ پر واقع ہے مرد کے چلے جانے کے بعد دو گھنٹہ کے عورت بھی چلی گئی جستجو کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ زید کی عورت کو دریا کے کنارے پر چند آدمیوں نے دیکھا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تقریباً آدھ پون گھنٹہ تک عورت نے دریا کے کنارہ پر چکر لگائے مگر ڈوبتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا، مگر اندازہ لگاتے ہوئے یقین کیا جاسکتا ہے کہ عورت بھی مرد کے فراق میں ڈوب کر مری ہے اور آج ۲۴ یوم ہوئے مفقود الخبر ہے۔ اور خوبی یہ ہے کہ مرد و عورت سے پاس جو کچھ زید و زور تھا سب چھوڑ گئے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی ترکہ کا عورت مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتی ہے تو عورت کے در شمار پر تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں، اور عورت کے در شمار مہر طلب کر سکتے ہیں یا نہیں۔ جواب مع حوالہ کتب تحریر فرما کر عند اللہ مآجور ہوں و عند الناس مشکور ہوں۔

الجواب

صورتِ مسئلہ میں یہ واقع کسی حاکم مسلم کی اجلاس میں پیش کیا جائے۔ اگر وہ اپنی رائے سے یہ سمجھے کہ بظاہر عورت ہلاک ہو چکی ہے اور عورت کی موت کا حکم کر دے تو وقت حکم حاکم کے اس کو میت مان کر جتنے ورثہ عورت کے موجود ہوں اُن میں اس کا ترکہ تقسیم ہوگا اور ترکہ میں ہر بھی داخل ہے۔ اگر وصول یا معاف نہ کیا ہو۔

قال فی الدہم المختار: وعند احمد ان كان يغلب على حالة الهلاك كمن فقد بين الصفيين او في مركب قد انكسرا وخروج الحاجة قريبة فلم يرجع ولم يعلم خبره فهذا بعد اربع سنين يقسم ماله الخ

(ج ۳، ص ۵۱۰)

وفيه ايضاً: واختيار الزيلعي تفويضة للامام قال في الفتح فاي وقت راي المصلحة حكم بموته وفي الينابيع قيل نفوض الى راي القاضي ولا تقدير فيه في ظاهر الرواية وفي القنية جعل هذا رواية عن الامام اه ج ۳، ص ۵۱۱

واللہ اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ۲۴ شوال ۱۴۲۵ھ

میراث ذوی الارحام کے متعلق ایک صورت | السؤال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ اللہ دی نے انتقال کیا ایک بھائی ماموں زاد مسمیٰ شیخ محمد اور ایک بھائی خالہ زاد مسمیٰ شیخ مسیتا اور تایا زاد بہن کی دو لڑکیاں وحیدن ومجیدن اور دوسری تایا زاد بہن کے دو لڑکے حبیب احمد ومشتاق احمد اور شوہر مرحوم کا ایک بھتیجا مسمیٰ مہدی حسن وارث چھوڑا ہے ترکہ شرعاً کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجسردا۔

المتفق

نور محمد پیرا شیخ محمد قوم شیخ ساکن تھانہ بھون

الجواب

بعد تقدیم حقوق مقدمہ علی المیراث کے کل ترکہ مسماۃ اللہ دی کا تین حصوں پر تقسیم کر کے ماموں زاد بھائی شیخ محمد کو دو حصے اور خالہ زاد بھائی شیخ مسیتا کو ایک حصہ دیا جائے

باقی سب محروم ہیں۔ فقط

وفي العالم كبرية: اعلم بان الاقرب من الاولاد العمات والاخوال و
الحالات تقدم على الابعد في الاستحقاق سواء اتحدت الجهة او اختلفت
والتفاوت بالقرب بالشقاوت في البطون ممن يكون ذو بطنين اه
قال: فان استووا في القرابة فالقسمة بينهم على الابدان في قول
ابن يوسف الآخر وعلى اول من يقع الخلاف الخ (ج ۷، ص ۲۹۸، ۲۹۹) ايضاً
قال وقول محمد: اشهر الروايتين عن ابى حنيفة في جميع ذوى الارحام
وعليه الفتوى اه والله اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

مقيم خانقاہ امدادیہ مخفانہ بھون

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

نا بالغ ورثا کو دین میت سے بری الذمہ | سوال :- زید کا انتقال ہوا اس کے وارث
کرنا اور بعد میں کسی بالغ وارث کے اس حسب ذیل ہیں :-
کہنے کا حکم کہ میں نے بقصد رجوع کے ادائیگی کی تھی
کچھ جائیداد چھوڑی اور کچھ قرضہ بھی اپنے ذمہ چھوڑا۔ وارثوں نے قبل ادائے دین کے جائیداد
کو سہام شرعیہ پر تقسیم کر لیا۔ اور دین کو ورثاء بالغین نے اپنے حصہ سے ادا کیا اور میت
کے ذمہ کو دین سے بری کر دیا۔ نا بالغ کی جائیداد پر دین کا کچھ حصہ نہیں ڈالا اور ہمیں شرعاً
دقانوناً مجبور نہ تھے اگر چاہتے تو سرٹیفیکیٹ حاصل کر کے نا بالغ کے حصہ پر بھی دین ڈال سکتے تھے
مگر بایں ہمہ بالغین نے کل دین کو اپنی طرف منتقل کر کے اپنی اپنی زمین محصول کر کے ادا کر دیا
اب ورثاء بالغین میں اختلاف ہے بعض ورثاء تو یہ کہتے ہیں کہ ہم سب نے نا بالغ کو دین سے
بری الذمہ کرنے کا باہم فیصلہ کیا تھا اور اس نیت سے کل دین ادا کیا اور ایک وارث کہتا
ہے کہ مجھے یہ فیصلہ یاد نہیں۔ میں نے تو اس نیت سے نا بالغ کے حصہ دین کی ضمانت و ادائیگی تھی
کہ بعد بلوغ کے اس سے رجوع کر دوں گا، اب نا بالغ بلوغ کو پہنچ گیا ہے تو کیا اس وارث کو
جو ضمانت بقصد رجوع کا مدعی ہے نا بالغ سے بعد بلوغ کے اسی قدر دین کے مطالبہ کا
حق ہے جو اس نے نا بالغ کی طرف سے ادا کیا ہے۔ بینوا تو جسروا۔

الجواب

جب کسی میت پر دین ہو اور اس کا ترکہ قبل ادائے دین کے ورثہ میں باہم اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ایک وارث یا چند وارث کل دین کے ضامن ہو جائیں اور میت کو دین سے بری الذمہ کر کے کل دین کو اپنی ذمہ کی طرف منتقل کر کے ادا کر دیں تو اس صورت میں تقسیم ترکہ صحیح ہے اور ترکہ دین سے خالی ہو جائے گا۔ لہذا نابالغ مذکور کے حصہ پر شرعاً یہ دین باقی نہیں رہا۔ رہا یہ کہ اس کے ذمہ بھی دین باقی ہے یا نہیں، سو قاعدہ شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی بالغ دوسرے بالغ کا بھی دین بدوں اس کے امر کے ادا کر دے تو وہ تبرع ہوتا ہے۔ اور نابالغ میں تو بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔ پس ورثہ بالغین میں سے کسی کو نابالغ مذکور سے بعد بلوغ کے مطالبہ دین کا حق نہیں۔ نہ اُن کو جو برأت یتیم کے مدعی ہیں اور نہ اُن کو جو ضمانت و ادا بدون ضرورت اور بدون امر و اذن کے کی ہے جو تبرع محض ہے۔

قال في تنقيح الفتاوى الحامدية: اجاز الغريم قسمه التركة قيل قضاء الدين له (امر الغريم) نقضها وكذا اذا ضمن بعض الورثة دين الميت برضاء الغريم إلا ان يكون بشرط برأة الميت لأنها تصير حوالة فينتقل الدين عليه وتخلو التركة عنه وهي الحيلة لقسمة تركته فيما دين كما بسط في البرازية وغيرها اهـ

(ج، ۲، ص ۱۴۹)

وفيه ايضاً عن الحمادية: المتبرع لا يرجع بما تبرع به على غيره كما لو قضي دين غيره بغير امره اهـ (ج، ۱، ص ۲۸۸)

وفي الهداية: وتجوز الكفالة بامر المكفول عنه وبغير امره فان كفّل بامر رجع بما ادى عليه وان كفّل بغير امره لم يرجع بما يؤديه لانه متبرع اهـ (ج، ۳، ص ۱۰۲)

وفي العالمگیریة: واذا كان الدين على الميت واقتسموها على ان ضمن احد هم سائر الديون فان كان الضمان مشروطاً بالقسمة فقسمة فاسدة وان لم يكن الضمان مشروطاً في القسمة ضمن قبل القسمة بغير شرط الخ (ج، ۶، ص ۱۵۰)

والله اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

توریت ذوی الارحام کی ایک صورت | السؤال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سونندھے خان کا انتقال ہوا۔ اس کا ترکہ اس کے بیٹے فرض اللہ خان کو ملا، پھر فرض اللہ خان کا انتقال ہوا اس کا ترکہ اس کے فرزند مقصود علی خان و صادق علی خان کو ملا۔ مقصود علی خان نے لا ولد انتقال کیا۔ صادق علی خان نے ایک دختر چھوڑی جس کا نام رفیقہ ہے، یہ دختر نابالغ فوت ہو گئی۔ اس نے کچھ نہیں چھوڑا۔ دختر کا صرف ایک ماموں زندہ ہے جو اس کے ترکہ کا حقدار بننا چاہتا ہے اور میں ستمی عطا محمد خان اس کا پھوپھی زاد بھائی ہوں مجھے اس ترکہ میں سے کچھ حصہ پہنچتا ہے یا نہیں۔ اور کل ترکہ کا حقدار کون ہوگا۔

السائل

عطا محمد خان - ۳ صفر ۱۴۲۵ھ

الجواب

صورت مسئلہ میں اگر مسماة رفیقہ کا کوئی عصبہ قریب یا بعید زندہ نہیں اور یہ جب معلوم ہو سکتا ہے کہ مسماة رفیقہ کے باپ دادا، پردادا وغیرہ کی اولاد کو اد پر تک خوب تفتیش کر لیا جاوے تو اس وقت بھی اگر کوئی عصبہ نہ ملے اور صرف ماموں اور پھوپھی زاد بھائی ہی وارث ہوں تو کل ترکہ کا مستحق ماموں ہوگا اگر وہ ماموں حقیقی ہے۔ کیونکہ اس کی قرابت قریب ہے۔ وہ میت کی ماں کا بھائی ہے اور پھوپھی زاد بھائی باپ کی بہن کا لڑکا ہے اس کی قرابت بعید ہو گئی۔ ماموں ذوی الارحام کی قسم رابع میں نمبر اول ہے اور پھوپھی زاد بھائی نمبر دوم ہے۔ اور نمبر اول کے سامنے نمبر دوم محروم رہتے ہیں۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۵ صفر ۱۴۲۵ھ

تمتہ سوال بالا

مسماة مذکورہ کی پھوپھی اور چچی حقیقی بھی زندہ ہے اور ماموں بھی حقیقی ہے اب یہ تحریر کیجئے کہ ان دونوں میں سے کسی کو حق پہنچتا ہے یا نہیں۔ اور پھوپھی حق لینا چاہتی ہے اور چچی یہاں موجود نہیں صرف پھوپھی کے متعلق تحریر فرمادیجئے فقط

عطا محمد خان

نانوتہ ملازم پوسٹ آفس نانوتہ

الجواب

اس صورت میں مسماۃ مذکورہ کا ترکہ تین سہام میں کر کے دو سہام چھوٹی کو اور ایک حصہ ماموں کو ملے گا۔ اور چچی کو محض چچا کی بیوی ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں مل سکتا ہاں اگر اس کو مسماۃ مرحومہ کے ساتھ خود بھی کچھ قرابت ہو تو اس کو بیان کر کے سوال دوبارہ کریں۔

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ بقلم خود

از تھانہ بھون - ۹ صفر ۱۴۲۵ھ

شوہر کی ماہانہ تنخواہ اور اولیاء کے عطیات سے خریدی ہوئی زوجہ کی اشیاء کا حکم اور اس کے متعلق مزید چند سوالات کے جوابات

السوال : معروض یہ ہے کہ پہلے ایک عریضہ سے اہلیہ کے انتقال کی خبر حضرت کو کر چکا ہوں۔ انتقال اس مرحومہ کا قریب قریب اچانک ہوا۔ کل دور و زبیمار رہیں۔ مرجانے کا مجھ کو ایسا احساس نہ ہوا اگرچہ اور دیکھنے والوں کو ہو گیا تھا اس وجہ سے خانگی سامان و اثاث کے بارے میں نہ اس مرحومہ نے کچھ کہا اور نہ میں دریافت کر سکا اس مرحومہ نے اپنے کپڑوں کی تو دصیت کی کہ کچھ استثنائے سب خیرات کر دینا اور امانت کے دینے کے متعلق کہا۔ اور اپنے ذمہ بعض رشتہ داروں کا قرض بتلا دیا لیکن خانگی سامان مبہم رہ گیا اور کچھ ابہام امانت و قرض میں رہ گیا اس لئے اس کے متعلق دریافت کرنا ہے۔ اور تجہیز و تکفین اور دوا میں روپیہ صرف ہوا ہے اس میں کچھ تردد ہے ان امور کے علاوہ اور باتیں بھی قابل دریافت کرنے کے ہیں ان سب کو ذرا تفصیل سے حضرت کی خدمت میں عرض کر دوں گا۔

حضرت اس صدمہ سے قلب بید کمزور ہو گیا ہے، بلکہ طاقت جسمی پر بھی اثر ہے۔ معمولی سے معمولی شبہ اور خلجان جو ان امور میں ہو رہا ہے خود اس کو حل نہیں کر سکتا۔ جی چاہتا ہے کہ جلد سے جلد یہ باتیں صاف ہو جائیں اور ہر ایک امر کا حکم شرعی معلوم ہو جائے تاکہ قلب کو کیسوفی ہو۔ اور حکم شرعی کے مطابق آئندہ عمل کرتا رہوں وباللہ التوفیق۔

سوال ۱: خانگی سامان میں مرحومہ کا جہیز ہے اس میں تو کچھ تردد نہیں کہ ان کا مملوک ہے اور بعض کتابیں اور کچھ سامان ایسا ہے کہ رخصتی کے قریب ہی خود خریدا ہے یا مجھ کو اپنے پاس سے روپیہ دے کر منگوایا ہے۔ اس کے متعلق میرا گمان غالب یہ ہے کہ یہ ان کا

ذاتی روپیہ تھا لہذا وہ بھی اس کا مملوک ہے اور اس وقت سے لے کر اب تک ان کا مملوک سمجھتا رہا گو تصرف میں میرے بھی آثار ہا۔

۱۳: اور کچھ سامان ایسا ہے کہ میں حسب ضرورت ذاتی روپیہ سے خریدتا رہا اور وہ مرحومہ بھی میرے روپیہ سے خریدتی رہی۔ اُن کی خریداری کی دو صورتیں ہیں۔ میری موجودگی میں تو مجھ سے اجازت لیکر اور مطلع کر کے اور جب میں باہر ملازم رہا اور اُن کے خرچہ کے لئے روپیہ ماہ بہ ماہ دیتا رہا تو بے اطلاع۔ اگرچہ ضرورت کی خریداری کی مجھ سے اجازت تھی، اس دوسری صورت میں احتمال یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی روپیہ سے خریدا ہو۔ لیکن چونکہ بظاہر اُن کی آمدنی ذاتی ایسی نہیں تھی اس لئے بظن غالب میرے روپیہ سے خریدا ہے۔ کچھ سامان ایسا بھی ہے کہ بالفعل اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اور زندگی میں مجھ کو اطلاع بھی نہیں ہوئی۔ بلکہ مرنے کے بعد معلوم ہوا۔

۱۴: اور کچھ سامان ایسا ہے کہ ماقبل کی تینوں قسموں سے ایک قسم کا یقیناً معلوم نہیں ہوتا ۱۵: بعض اشیاء ایسی ہیں کہ مرحومہ نے صحت میں کہا تھا کہ میرے عشیروں نے دی ہیں مرنے کے بعد بعض واقعات سے شبہ ہوا کہ انہوں نے خریدی ہیں لیکن کسی مصلحت سے یہ کہہ دیا ہے اور خریداری ظاہر نہ کی۔ چنانچہ ایک عشیرہ سے دریافت مجھ سے کیا تو اس نے انکار کر دیا کہ مجھ سے کوئی چیز مفت نہیں لی۔ قیمت میں کچھ تخفیف کر دی ہو یا کوئی پینے کی چیز ہو تو یہ دوسری بات ہے۔

اب اگر اس بارے میں عشیرہ کا انکار معتبر ہو تو دونوں عشیروں سے تفصیلاً تحقیق کر لوں اور یہ شبہ اُن اشیاء کے متعلق ہے جو ذرا قیمتی ہیں اور جو معمولی ہیں یا خوردنی یا ایسی کہ ان کا لین دین آپس میں مروج ہے مثلاً طکیہ صابون اس کے متعلق نہیں۔ ہاں اشیاء خوردنی و طکیہ صابون اور جو شئی ایسی ہو کہ اس کا استعمال استہلاک العین کے ساتھ ہوتا ہے اور گھر میں سب استعمال کرتے ہیں کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی خواہ زوج کے خاندان سے آئی ہو یا زوجہ کے خاندان سے ایسی اشیاء جو باقی ہیں ان میں تردد ہے کہ آیا وہ سب ورثہ کا حق سمجھا جاوے گا یا نہیں۔ اور ایک نابالغ بچی گھر میں ہے ان میں سے کوئی استعمال کئے باقی ورثہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کے بعد گزارش یہ ہے کہ عموماً دستور یہ ہے اور میرا بھی یہی معمول رہا ہے کہ

عورت کو کوئی خاص شئی یا معین رقم ماہواری یا شش ماہی اس طور سے نہیں دی جاتی کہ وہ اس کی مالک سمجھی جاوے بلکہ لباس و طعام سب خاوند کا مملوک سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں جو کچھ کھایا پہنا وہ کھانا پہننا اور جو کچھ بچا سب کا مالک خاوند حتیٰ کہ رخصتی کے وقت جو کپڑے وغیرہ خاوند کی طرف سے بنائے جاتے ہیں ان کا بھی خاوند مالک سمجھا جاتا ہے پس اباحت استعمال کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

دوسرا دستور یہ ہے (اس کا مبنی اول دستور ہی سمجھ میں آتا ہے) کہ عورت کچھ پس انداز کرتی ہے اور بالا بالا لڑکے لڑکی کی شادی کے لئے سامان خریدتی رہتی ہے۔ خاوند سے اخفاء کرنے میں پوری کوشش کرتی ہے شادی یا کسی اور تقریب میں وہ سامان نکلتا ہے اور خاوند کے رو برو سرخرودنی حاصل کی جاتی ہے اور خاوند بھی شکر گزار ہوتا ہے اور اس کو سچا خیر خواہ خیال کرتا ہے۔ اور سب خاندان والے اس کی تعریف کرتے ہیں۔

سوال ۲: ان دونوں دستوروں کو پیش نظر رکھ کر ماقبل کے ۳ کے متعلق سوال یہ ہے کہ آیا اس سامان کا مالک سمجھا جاؤں گا یا نہیں اس مرحومہ نے زندگی میں معلوم نہ ہونے دیا انتقال کے بعد مجھے احساس ہوا کہ ضرور پس انداز کرتی تھیں۔ کچھ روپے زیور کی تھیلی سے برآمد ہوئے۔ اور کچھ زیور اور کچھ سامان ایک عزیزہ کا کچھ روپیہ میں رہن نکلا۔ مرنے کے قریب اس عزیزہ نے دریافت کیا کہ وہ زیور اور سامان کس کے پاس ہے تو میری والدہ صاحبہ اور اس عزیزہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنی بڑی عشرہ کے پاس بتلایا۔ بڑی ہمشیر نے انکار کر دیا۔ وہ زیور ان کی تھیلی سے برآمد ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یقیناً اس عزیزہ کو انہوں نے اپنے پاس سے روپے دیئے ہیں۔

نیز ایک رضائی تیار شدہ جدید اور ایک پلنگ کی فولڈ اور کچھ سوف نکلی۔ جو پیشتر مجھے معلوم نہیں تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے بھائی کی شادی میں کچھ نقد اور جوڑے دیئے ان وجوہات سے ظن غالب یہ ہے کہ یہ سب پس انداز ہے کیونکہ میری تنخواہ کے علاوہ ان کی آمدنی ایسی نہیں تھی یہ دوسری بات ہے کہ عید البقر میں کسی بھائی نے ۸۰۰ روپے دیدیئے یہ سب تنخواہ اس کے ہاتھ میں رہتی تھی حساب کتاب کوئی باقاعده نہ تھا۔ اس ۳ میں سامان مختلف اقسام کا ہے ایک وہ کہ جو میرے خاص استعمال کا ہے اور ایک وہ کہ مشترک الاستعمال ہے اور ایک وہ جو خاص ان مرحومہ کے استعمال کا تھا تو اگر وہ مرحومہ شرعاً اس میں مالک تصور

ہوں گی تو دونوں قسمیں اخیرین میں سے کسی ضرورت کے سامان کی۔

سوال ۷۷: ۷۷: میں اپنے ظن غالب یا کسی رشتہ دار وارث غیر وارث وغیرہ کی شہادت کا اعتبار ہوگا یا نہیں اور اگر یہ صورت نہ ہو یا شرعاً معتبر نہ ہو تو پھر شرعاً رفع اشتباہ کا سہل طریقہ کیا ہے۔

سوال ۷۸: وصیت میں تو مرحومہ نے کہا کہ علاوہ تین مخصوص دوپٹوں کے میرے سب کپڑے خیرات کر دینا۔ قیمت ان کپڑوں کی ثلث ترکہ سے بہت کم ہے تو آیا اس وصیت میں دی جائے نماز، لحاف، توشک، ہلکی رضائی، ردئی کی کمری، صدری، دستی رمال، وغیرہ داخل سمجھے جائیں گے یا صرف دوپٹے، کرتی، پاجامہ، دولائی، چادر اور برقعہ وغیرہ داخل ہیں۔

سوال ۷۹: غیر منقولات میں سے اس بچی کے ماموں کے قبضہ میں بھی ہے اور ان کا حصہ اس طرف نکلے گا آیا تبادلہ بچی کے حصہ کے ساتھ شرعاً جائز ہے اور کسی صورت سے ان سب امور کا ایک دستور العمل جامع مانع تحریر فرمایا جادے تاکہ احقر اطمینان سے آئندہ اس پر عمل کرتا رہے۔ فقط

سراج احمد از سوہارہ۔ ۲۹ محرم

الجواب

۱: سامان نمبر ۱، ۷۷ تو یقیناً ترکہ میں شمار کیا جادے اور حسب فرائض تقسیم کیا جادے اور سامان ۷۷ میں جب ظن غالب یہ ہے کہ زوج کے روپیہ سے خرید گیا ہے اور زوج نے یہ روپیہ ان کو تملیک نہ دیا تھا جیسا کہ آگے طرف ظاہر ہے تو مرحومہ اس کے خریدنے میں وکیل زوج تھیں اور یہ سامان بلک زوج ہے۔ اور سامان ۷۸ کو ترکہ میں شمار کر کے حسب فرائض تقسیم کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں ظن غالب کسی قرینہ پر مبنی نہ ہوگا۔ اور قبضہ دلیل ملک ہے اور سامان ۷۷ میں مرحومہ کے قول پر عمل کر کے اس کو بھی ترکہ میں شمار کرنا چاہیے کیونکہ مرنے کے بعد اس کے قول کی تکذیب کی کوئی صورت نہیں بینہ سے اس کے قول کی تکذیب کرنا قضاء علی المیت الغائب ہے وهو باطل۔ اور عدم بینہ کی صورت میں حلف کس سے لیا جائے۔ پس یہ سامان مملوک زوج شمار نہیں ہو سکتا۔ اور جو اشیاء استہلاک عین کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں ایسے ہی جملہ منقولات ان کا استعمال مشترکاً اس وقت جائز ہے جبکہ سب ورثاء بالغ ہوں اور سب راضی ہوں۔ اور اگر نابالغ ہے تو ہر چیز تقسیم کر کے ہر حصہ والا اپنے حصہ کو استعمال کرے۔

جواب سوال دوم

۳ کے متعلق ظن غالب کا اعتبار ہے۔ بشرطیکہ ظن غالب میں عراضِ نفس کو دخل نہ ہو محض آثار و قرائن و عرف سے ظن پیدا ہوا ہو۔ پس جو نقد روپیہ مرحومہ کے پاس سے نکلا وہ بظاہر اسی کی خاص آمدنی سے بچا ہوا نہیں ہے۔ یا گھر لیوس مان جس قدر نکلا یہ سب بظاہر زوج کی ملک ہے ترکہ میں داخل نہیں۔

جواب سوال سوم

۴ میں حکم یہ ہے کہ جو چیز کسی دلیل شرعی سے ملک غیر ثابت ہو جائے۔ مثلاً ملک زوج ہو نا معلوم ہو جاوے تو ترکہ نہ ہوگی۔ باقی سب ترکہ ہوگی۔ اور دلیل مبینہ ہونی چاہیے ایک کا قول کافی نہیں۔ کیونکہ نابالغ و یتیم کا حق فوت ہوتا ہے۔

جواب سوال چہارم

عورتوں کا عرف معلوم کیا جاوے کہ وہ وصیت میں کپڑوں سے روزانہ پہننے کے کپڑے مراد لیا کرتے ہیں یا ہر قسم کے کپڑے۔ اگر عرف سے کسی خاص قسم (نوع) کو ترجیح ہو تو وصیت کو اسی پر محمول کیا جاوے۔ اگر عرف مشتبہ ہو تو سب کپڑے مراد ہوں گے جتنے کہ ثلث میں آسکیں۔

جواب سوال ہشتم

یتیم کی جائیداد کا تبادلہ دوسری جائیداد سے اب، یا جدیداً ان کا وصی کر سکتا ہے بشرطیکہ خیر ہو۔ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔
وکل ما کتبہ اکثرہ بالقواعد العامة = حررہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۱ صفر ۱۳۴۵ھ

تقسیم ترکہ کی ایک صورت | سوال: زید کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور جائیداد ۶۰ ہزار کی ملکیت چھوڑی۔ دفن کے بعد ۹ حصوں میں تقسیم ہوئی۔ تیس ہزار قرض خواہوں کو ۱۰ ہزار والدہ کو۔ اور ۵... ۵... ہزار دو بھائیوں کو اور دو۔ دو ہزار پانچ بہنوں کو۔ اس وقت مرحوم کے ایک بھائی عمر دے ۵... ہزار نقد لے لیا۔ اور دستاویز لکھا کہ ہم نے اپنے مرحوم برادر کے حصص سے ۵... ہزار بخشی لے لیا۔ اور کورٹ میں بھی رجسٹر کیا گیا۔ بقایا والدہ اور ایک بھائی اور ۵ بہنوں نے تقسیم مال کو جدا نہیں کیا بلکہ اس نے یوں عرض کیا کہ ہمارے برادر مرحوم

کا قرض ادا ہو جائے گا اس وقت ہم لوگ لیں گے۔ بعد عرصہ نو سال کے وہی مرحوم کے برابر عمر و نے پہلے جو پانچ ہزار روپیہ لیا تھا۔ وہ برابر ہے۔ مگر زائد ملنا تھا۔ ہماری بیماری کے سبب سے لینا ہوا۔ اور ہم کو ملنا چاہیے۔

جناب مولوی صاحب برائے خدا بہت جلد حکم شریعت صادر فرمادیں۔ نوٹ: جس وقت ۵۰۰۰/ ہزار عمر و نے لیا تھا۔ اس وقت بڑے بڑے لوگوں نے تقسیم کر دی تھی۔ جب بھی عمر و نے ہر طرف سے زبردستی کر کے نوٹس وغیرہ دیا کہ مجھے پانچ ہزار ملتا تو ہے ورنہ کورٹ سے لے لیں گے۔ اب پھر زبردستی کر رہا ہے۔ اور پہلے بھی اس کی زبردستی کی بنا پر اس کو دیئے گئے۔

الجواب

۵۴
صلیہ

زید۔

والدہ - بھائی - بھائی - بہن - بہن - بہن - بہن - بہن
۱۰ ۱۰ ۵ ۵ ۵ ۵ ۵ ۵

صورت مسئلہ میں بعد اداۓ دین و تجہیز و تکفین وغیرہ کے خرچ کرنے کے چوبیس ہزار روپیہ بچتا ہے اس کو چوتن سہام پر تقسیم کر کے۔ والدہ کو ۹ سہام دیئے جائیں جس کی مقدار ۵۰۰۰/ تین پائی۔ ہوتی ہے اور ہر بھائی کو ۱۰ سہام دیئے جائیں۔ جس کی مقدار ۵۵۵۵ ہے ۸ ایک پائی۔ اور پانچ پانچ سہام ہر بہن کو دیدیئے جائیں یعنی ہر بہن کو دو ہزار سات سو ستتر روپے (۲۷۷۷ ۱۲/۲ پائی)

ہمارے حساب میں یوں ہی نکلتا ہے۔ کسی محاسب سے دوبارہ حساب درست کر دیا جائے۔ بس عمر و نے جو پانچ ہزار روپیہ جو لیا ہے وہ اس کے علاوہ شرعاً (۵۵۵۵ روپے ۸/ ایک پائی) کا مستحق ہے۔ والدہ کو جو دس ہزار روپے دیئے گئے ہیں وہ اس کے حق شرعی سے زیادہ دیئے گئے ہیں۔ اور بھائی بہنوں کو حق شرعی سے کم دیا گیا ہے۔ لہذا اب موافق تقسیم شرعی کے تیس ہزار کی رقم کو چوتن سہام پر تقسیم کر کے بانٹنا چاہیے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
مقیم خاتقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۵ شعبان ۱۴۳۳ھ

مرض الموت کی تعریف اور | السؤال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین بچ
اس کے متعلق چند سوالات | ان مسائل کے کہ زید کو بیسٹ برس کی عمر سے قرحہ مشانہ ہوا مگر

وہ اپنا کاروبار برابر انجام دیتا رہا۔ اور اس کے علاج معالجہ سے بھی غافل نہیں رہا۔ پچاس
سال کی عمر میں اس کو دنبل زیرِ خطہ پیدا ہو گیا۔ اور اس نے اس قدر ترقی کہ بالآخر دنبل
نکلنے کے دو ماہ بعد انتقال ہو گیا۔ دو ہفتہ قبل از انتقال زید نے ایک تحریر اس مضمون کی
اسٹامپ پر اپنی زوجہ کے نام لکھ دی۔ کہ تم میری قانوناً زوجہ ہو اور تمہارا ہر ایک لاکھ
اسی ہزار اشرفی دہ دینا سرخ مقرر ہوا تھا۔ اور اس کا ادا کرنا میرے اوپر ضروری ہے۔
اس لئے میں نے اپنی کل جائیداد بعوض نصف مہر کے تجھے دے دی۔ اور یہ تحریر اپنی عین
حیات بہ ثبات عقیل و نفل لکھی ہے۔ واضح ہو کہ زید انگریزی نہیں جانتا تھا۔ اور یہ تحریر
انگریزی میں اسٹامپ پر کسی دوسرے شخص سے لکھوا کر اس پر دستخط ثبت کر دیتے۔ اور
اس کا غڈ پر چھ گواہوں کے بھی دستخط ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ زید ایسی جائیداد
کا مالک ہے جو شاہان مغلیہ بعوض قضاۃ عطا فرمائی ہے۔ جب برطانیہ کا تسلط ہوا۔ تو اس
نے منجملہ اختیارات شرعی صرف اقامت جمعہ و عیدین بحال رکھے۔ اور دیگر اختیارات سماعت دیوانی
وغیرہ اپنے اختیار میں رکھے اور اُس نے اپنے انتظام کی وجہ سے ہم کی جمع معالی بھی لے لے اور بقیہ
۱۳ استمرار اس خاندان کے لئے بخدمت عہدہ قضاۃ یعنی خدمت اقامت جمعہ و عیدین مندرجہ
ذیل شرائط پر جاری رکھے۔

- ۱۔ یہ جائیداد منتقل نہیں کی جاسکتی۔
- ۲۔ جب تک خدمت کی ضرورت ہے اور بحالت وفاداری سرکارِ برطانیہ بحال رکھی جائیگی
خاندان میں یہ طریقہ اب تک جاری ہے کہ اولاد کو جائیداد علی السوہ تقسیم کی جاتی ہے،
اور اثاثہ میں نہ کبھی تقسیم ہوتی اور نہ کبھی انہوں نے مطالبہ کیا۔
- ۳۔ کیا مرض مذکور مرض الموت میں شمار ہو سکتی ہے۔
- ۴۔ کیا مذکورہ تحریر تامہ جائز ہے۔ جبکہ زید ایک دوسرے شخص کا بھی مقروض ہے۔
- ۵۔ کیا جائیداد مذکور ایسے قرض میں دین مہر میں زوجہ کو منتقل ہو سکتی ہے۔ اگر یہ جائیداد
منتقل ہو سکتی ہے تو بعد انتقال زوجہ زید اس جائیداد کے پلنے کا کون مستحق ہے۔
- ۶۔ اگر مرض الموت ہے تو زوجہ کو کتنا مہر مل سکتا ہے۔ جبکہ دوسرے در شمار موجود ہیں اگرچہ

زید لا ولد فوت ہوا۔

۵ مہر اگر حیثیت سے بہت زیادہ ہو تو کیا شرعاً جائز ہے۔ اور قابل ادائیگی ہے یا نہیں۔ اگر قابل ادائیگی ہے تو کس مقدار میں۔ اُمید ہے کہ پانچوں امور کا جواب مع نام ہر کتاب۔ بحوالہ عبارت و ترجمہ اردو مرحمت فرمادیں۔ اور عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط

مشیر الحسن مکان قاضی محب الرحمن

سب جسٹس برہان پور ضلع تھانہ

الجواب

قال في الدر وشرحه الضرر في تعريف المريض بمرض الموت ما نصه من غالبه الهلاك كمريض عجز عن اقامة مصالحة خارج البيت فمن يقضيها في خارج البيت وهويشتكى لا يكون فاراً لان الانسان قلما يخلو عنه هو الصحيح اه وفي حاشية الشرنبلالي عليه قال الزيلي وهو الصحيح اه - ويخالفه ما قال الكمال: اذا امكنه القيام بها في البيت لا في خارجه فالصحيح انه صحيح اه

هذا في حق الرجال اما في حق المرأة - فقال في النهر عن النزاهة فان تعجز عن المصالح الداخلة اه (ج ۱، ص ۳۸۰)

پس اس صورت مذکور میں اگر زید اس تحریر کے وقت گھر سے باہر آنے جانے اور اپنی ضرورت کے امور کو بجالانے پر قادر تھا تو وہ مریض مرض الموت نہ تھا۔ اور اگر عاجز تھا تو وہ مریض مرض الموت تھا۔

وفي الدر: تجب العشرة ان سماها او دونها ويجب الاكثر منها ان سمي الاكثر - قال الشامي: اے بالغاً ما بلغ فالتقدير بالعشرة لمنع النقصان اه - وتناكد عند وطأ وخلوة صحت من الزوج او موت احدهما اه - وفي كشف الغمة للشعراي وفي المقاصد للسخاوي: وكان عمر ابن الخطاب رضي الله عنه كثيراً ما يقول لا تغلوا صدق النساء فانها لو كانت مكرمة في الدنيا او تقوى في الآخرة كان اولاكم بها رسول الله صلى الله عليه وسلم وصعد مرة على المنبر فقال لا تزيدوا في صداق على اربع مائة درهم فاعترضته امرأة من قریش فقالت تنهى الناس عن شيء اباحه الله لهم فقال كيف فقالت اما سمعت قول الله

تبارک وتعالیٰ و انتیتم احد اهن قنطاراً فلا تأخذوا الخ - فقال اللهم عفواً کل الناس افقه من عمر قال ثم رجع فربک المنبر فقال ایها الناس انی کنت نهیت ان تزید والنساء فی صدقتهن علی اربعائة درهم فمن شاء ان یعطى من ماله ما احب قال ابو یعلیٰ واظنه قال فمن طابت نفسه فلیفعل اهـ (مقاصد ۱۵۰) قال السخاوی وسنده جید قوی اهـ و فی الدر (ج ۲، ص ۳۶۷) دین صحۃ مطلقاً و دین مرض موتہ بسبب فیہ معروف یقعد مان علی ما اقر به فیہ والکل علی الارث ولم یجز تخصیص غریم بقضاء دینہ اهـ۔

ان نصوص کے بعد جواب سوالات معروض ہے۔ جب خاندان میں اُس کی جائیداد کا ذکر پر تقسیم ہونا متعارف ہے۔ تو یہ علامت ملک مورث کی ہے۔ اثاث پر منقسم نہ ہونا۔ مانع ملکیت سے نہیں۔ کیونکہ جہالت کی وجہ سے عموماً ہندوستان میں لڑکیوں کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ لہذا یہ رواج قابل اعتبار نہیں ہے۔

۱۔ اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے ملاحظہ ہو۔

۲۔ اگر زید اس تحریر کے وقت گھر کے اندر باہر اپنے کام کر سکتا تھا تو یہ تحریر درست ہے اور دوسرے قرض خواہوں کے قرض خواہوں کے قرض ادا نہ کرنے کا گناہ زید کے ذمہ رہا مگر اسٹامپ کے حجت ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کی اس پر گواہی درج ہے وہ زبانی کہیں کہ زید نے اس کو ہمارے سامنے سن کر اقرار کیا ہے۔ یا اُس نے ہمارے سامنے اقرار کیا ہے۔ اور اقرار کے موافق ہی اسٹامپ میں لکھا گیا ہے۔ اور اگر وراثت زید اور اسٹامپ کے گواہوں میں اختلاف ہو تو یہ گواہی بدون مجلس حاکم میں پیش ہونے کے معتبر نہ ہوگی۔

وقال فی الحامدیۃ : ومنہا مجلس القضاء فلا تسمع ہی ای الدعوی

والشہادۃ الا بین یدی الحاکم اهـ (ج ۲، ص ۷۰)

اور اگر زید اس تحریر کے وقت باہر آنے جانے سے عاجز تھا تو یہ تحریر درست نہیں ہے۔ بلکہ سب قرض خواہوں کو جن میں عورت بھی داخل ہے۔ جائیداد مذکور تقسیم کر لیں۔

۳۔ جائیداد مذکور دین ہر زوجہ میں منتقل ہو سکتی ہے۔ اور اس کے مالک بعد وفات زوجہ کے وارثان زوجہ ہوں گے۔

۴۔ زوجہ اپنے پورے ہر ایک لاکھ ۵۰ ہزار روہ دینار سرخ کی مستحق ہے۔ اگر اس سے

کچھ بچے گا تو در ثار کو ملے گا۔ ورنہ نہیں۔

۵: مہر جتنا باندھ دیا جائے وہی معتبر ہے۔ چاہے حیثیت سے کتنا ہی زیادہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون

۲۹ شعبان ۱۴۲۳ھ

عصبات کی انتہاء اولادِ عم الجدی پر ہوتی ہے | سوال:۔ عصبات کی انتہاء اولادِ عم پر یا اد پر کے رشتے بھی اس میں داخل ہیں؟ ہو جاتی ہے یا اس سے اد پر کے رشتہ وار بھی

عصبہ ہوتے ہیں۔

الجواب

ذكر الطحاوی فی مشکل الآثار بسندہ عن عبد اللہ بن برید عن ابيه قال جاء الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل فقال عندي ميراث رجل من الازد ولا اجد ازديا ادفعه اليه قال تربص به حولا قال ففعل ثم اتاه فقال اذهب فادفعه الي اكبر خزاعة وذكر له طرقا عديدة ثم قال ورواه شريك وزاد فقال اطلبوا له وارثا فلم يجدوا فقال اطلبوا له ذارحم فطلبوا فلم يجدوا فقال ادفعوا ماله الي اكبر خزاعة اهـ۔

قال الطحاوی فكان ما رواه سوى شريك اولی عندنا فمارواه شريك لعدد دهم ولان ثلثة اولی بالحفظ من واحد ولا استحصاله بعض ما فی حدیث شريك مما ذكر فيه من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اطلبوا له ذارحم وهذا لا یجوز فی العرب لان العرب لا تورث بالارحام وانما تورث بالعصبات الا حیث ورث اللہ تعالیٰ ذوی الفرائض المسماة منهم لانه اذا لم توجد عصباتهم من الفخاذهم وجدت من الفخاذا التي تتلوا فخاذهم كما یعقل فی عقول جنایاتهم فخاذهم الذین یحملون اروش الجنایات فان قصر عدد دهم عن احتمال اروشهم ارد ذلك الي من یلونهم من الفخاذا وانما یكون التوارث بالارحام المخالفة لما ذكرنا فی غیر العرب من العجم الذین لا یرجعون الى شعوب ولا قبائل وانما یرجعون الى بلدان لا الى سواها قال ابو جعفر فالعرب ترجع الى الشعوب والى القبائل والى

والی الا فخاذ و بها يتوارثون والعجم لا ترجع الى ذلك وانما يجمعهم بلدانهم
لا ما سواها وكذلك كان ابو يوسف يقول في التوارث بالارحام التي ليست
عصبات انما يكون في العجم لا في العرب اهـ (من ص ۱۳۶ الى ض ۳ ج ۳-)
قلت ويلحق بالعرب شیوخ العجم الذین انسابهم محفوظة وكذلك
الا قوام التي تراعى حفظ انسابها من اهل العجم - والله تعالى اعلم - فلا يتوارث
ارحامهم مادام يوجد احد من عصباتهم من الجد الا في او الا بعد فالابعد -
ذی الحج ۴۳ھ

مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمہم اللہ اس مسئلہ
اور اس کے متعلق مزید دو سوالات کے بارے میں کہ زید ایک ہندو مشرک باپ کا بیٹا مسلمان

ہوا ہے۔ اس کا باپ ہندو ایک کثیر جائیداد کا مالک ہے۔ کیا زید اپنے باپ کے بعد اس کی جائیداد
کا وارث شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بحالیکہ زید ازروئے قانون گورنمنٹ بنارس پر جائیداد جدی
ہونے کے (یعنی زید کے دادا ہندو کی جائیداد ہونے کے باعث) وارث ہو سکتا ہے اور اگر
زید ازروئے رائج مذہب شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جس کی بنیاد اس امر پر ہے
کہ اختلافات دینین موافق ارث ہے وارث نہ ہو سکے تو بنابر مرجوح مذہب جو کہ حدیث الاسلام یعلو
ولا یعلیٰ سے بعض صحابہ مثل حضرت معاذ بن جبل و معاویہ بن ابی سفیان - محمد بن الحنفیہ، محمد بن علی
بن الحسین و مسروق رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کہتے ہیں کہ مسلم اپنے باپ کافر کا وارث ہو سکتا ہے کافر
اپنے باپ مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا اگر اپنا ورثہ لے تو کیا اس کا یہ ورثہ لینا جائز ہے یا نہ اور اس کا
یہ حاصل کردہ مال حلال ہو گا یا حرام یا مشتبہ۔

(۲) چونکہ ضلع ہذا میں بعض نو مسلموں نے اپنے ہندو باپ کی جائیداد سے ازروئے قانون
سرکاری ورثہ حاصل کر لیا۔ لہذا زید مذکور اپنے باپ ہندو (جو کہ اس وقت زندہ ہے اور اپنے
ہندو بیٹے کو اپنی جائیداد تملیک کرنا چاہتا ہے) پھر یہ دباؤ ڈال کر کہ میں آپ کی وفات کے بعد
ازروئے قانون سرکاری ضروری وارث ہو جاؤں گا۔ تو آپ مجھے پورا حصہ نہ دیں۔ ادھوا حصہ
دیں مثلاً بجائے نصف حصہ کے ثلث دیں۔ تو کیا یہ مصالحت جائز ہے اس لئے کہ اس میں ایک گونہ
دباؤ ہے اور کیا ایسا دباؤ جائز ہے چونکہ کافر کسی مسلم کو کچھ مال تملیک کر دے تو شرعاً مسلم کو اس
مال کا حاصل کرنا جائز ہے۔

لہذا صورت مذکورہ بالا میں جو کہ ایک گونہ دباؤ کی صورت ہے بطور مصالحت مال حاصل کرنا جائز ہے یا نہ یہ دوسری صورت یعنی بطور مصالحت کے زید مال حاصل کرے اسلئے اختیار کرتا ہے کہ اگر بنا بر مذہب رائج بطور ورثہ مال حاصل کرتے ہیں حلت مال میں کچھ شبہ ہو۔ تو بطور مصالحت مذکورہ مال حاصل کرے۔

(۳) عمرو ایک نو مسلم شخص از ہندو مذہب ہے اس نے ایک کثیر جائیداد جدی بموجب قانون گورنمنٹ اپنے ہندو باپ کے ورثہ سے حاصل کی ہے اب اس کی اولاد جو قبل از اسلام تھی یعنی ہندو اولاد بھی از روئے قانون سرکاری عمر کے مرنے کے بعد ضروری ہے وارث ہوگی چونکہ عمر کی ہندو اولاد آریہ ہے جو کہ سخت ترین دشمنان اسلام سے ہے۔ لہذا کیا عمرو کو اس امر کی کوشش کرنا کہ کسی طرح اس کی ہندو اولاد اس کے مرنے کے بعد وارث نہ ہو واجب نہیں ہے۔ جبکہ شرعاً کافر مسلم کا کسی صورت میں وارث نہیں ہو سکتا۔ اور اس عدم کوشش سے کیا عمرو گناہ کار نہیں ہے۔ واضح رہے کہ عمرو کی اس وقت دو مسلمان بیویاں، دو مسلم بیٹے اور دو مسلم لڑکیاں صاحب اولاد ہیں۔ عمرو کی ہندو اولاد نے عمرو کے ساتھ مقدمہ کیا۔ حتیٰ کہ نوبت چیف کورٹ تک پہنچی۔ قانوناً سرکاری یہ ہے کہ مورث کی جدی جائیداد یعنی وارث کے دادا کی جائیداد سے مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے اگرچہ مورث اپنے حین حیات میں اسے محروم کرنے کی وصیت بھی کر جائے۔ یعنی اختلاف دینین موانع ارث نہیں۔

بینوا تو جروا

غلام محمد عفی عنہ ضلع ڈیرہ غازی خان
محلہ سگران

الجواب

(۱) مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ کما هو مصرح فی کتب الفقہ والفرائض۔ اور جب بدون استحقاق کافر کے ورثہ لیا تو حلال کیسے ہوگا۔

(۲) کافر اگر اپنی خوشی سے کسی کو دیدے تو حلال ہو جاتا ہے لیکن جب اس پر دباؤ ڈالا تو رضا مندی کہاں رہی۔ پس یہ مصالحت معتبر نہیں ہے پس صورت جواز یہ ہے کہ ہندو باپ سے صاف صاف کہدے کہ گو قانوناً میں آپ کا وارث ہو سکتا ہوں مگر میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا کہ میں آپ کا وارث بنوں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ خوشی سے جو کچھ دینا چاہیں

اپنی زندگی میں دیدیں۔ اور مجھے وارث نہ بنائیں۔ بلکہ یہ کہہ دو کہ میں نے اپنے نو مسلم بیٹے کو اپنی زندگی میں حصہ دیدیا ہے۔ لہذا میرے بعد وارث نہ ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی کہے کہ یہ دنیا اپنی خوشی پر ہے۔ اگر آپ نہ دیں تو نہ میں قانونی چارہ جوئی کروں گا اور نہ ناخوش ہوں گا۔ (۳) ۱۔ سے معلوم ہوا کہ خود عمر وہی کو اس جائیداد میں سے میراث نہیں ملتی تو اس

میں وہ تصرف کیسے کرے گا۔ فقط واللہ اعلم

عبد الکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۱۶ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ

صرف عاق لکھ دینے سے وارث محروم نہیں ہوگا | سوال: علماء دین مسئلہ ذیل میں اور فاسق بیٹے کو جائیداد سے محروم کرنے کا طریقہ بموجب حکم اللہ اور اس کے رسول کے

کیا فرماتے ہیں۔ سائل اپنی جائیداد ذیل کا مالک ہے۔ دو منزلہ مکانات اور کچھ اسباب خانہ داری طرف رکھتا ہے ایک مکان خود پیدا کردہ سائل ہے۔ دوسرا مکان جدی جس میں بذریعہ وارث سائل منجملہ پانچ سهام سے دو سهام کا مالک ہوا۔ باقی ماندہ تین سهام اور حصہ داران شرعی سے بیع خرید کرے۔ اب سائل کو کچھ قرضہ بھی ادا کرنا ہے۔ اولاد موجودہ حسب ذیل ہے۔ پسر۔ ایک بیوہ دختر زوجہ اول سے۔ چار پسر منجملہ چھ پسران۔ تین پسران کی شادی ہو چکی ہے۔ تین پسران کا عقد نہیں ہوا ہے۔ ایک پسر سب سے بڑا جس کا نام ہے وہ عرصہ سے خلاف شرع کے نشہ وغیرہ کرتا ہے۔ اور میری فرمانبرداری نہیں کرتا اور ناشائستہ جو حرام شرع شریف نے کیا ہے وہ نہیں چھوڑتا ہے۔ سائل کو شرعاً اختیار ہے کہ ایسے نافرمان پسر کو جو خلاف شرع کام کرتا ہے اپنی جائیداد اور مال سے محروم کر سکتا ہے یا نہیں۔ فقط

الراحم

محمد حفیظ خلف شیخ محمد رحیم بخش کرناں

۲۵ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ

الجواب

عاق اور محروم الارث کرنے جو دستور ہے مثلاً والد کہہ دیتا ہے کہ میرے فلاں بیٹے کو میرے ترکہ میں سے کچھ حصہ نہ ملے اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں۔ اس طرح کہنے کے بعد بھی

وہ وارث ہوگا۔ اگر عاق کر دینے کی وجہ سے دوسرے ورثہ نے اس کا حصہ نہ دیا تو وہ گناہ گار ہوں گے۔ اس لئے محروم الارث کرنا بالکل فضول ہے۔

البتہ اگر اپنے نیک بخت بچوں کی زندگی میں ہبہ دیدے اور ہبہ تمام شرائط کے ساتھ پورا کر دے پھر اس فاسق کو کوئی حق نہ ہوگا۔ اور اس ہبہ میں کوئی گناہ نہیں۔ بلکہ بہتر ہے۔

فی العالمگیریۃ: (ص ۱۰۶۲، ۱۰۶۵ - ج ۳)، ولو کان ولده فاسقا واراد ان یصرف ماله الی وجوه الخیر و یجزمہ عن المیراث هذا خیر من ترکہ کذا فی الخلاصۃ (فتاویٰ امدادیۃ ص ۱۰۰ ج ۳)

وفی الدر المختار: ولو کان ولده مسیئاً دون البعض لزیادۃ اشدہ لا باس بہ ولو کان اسواء یجوز فی القضاء ولكن هو آثم (مجموعۃ الفتاویٰ مع خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۹۳ - ج ۴) - فقط

واللہ اعلم
عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح
ظفر احمد غفرلہ
۱۱ شعبان ۱۴۲۲ھ

مسئلہ میراث و حکم المیراث من القادیانی وغیرہ | السؤال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک سہمی کرم علی خان کا انتقال ہوا اور اس نے اپنی وفات پر ایک زوجہ ذی مہر مسماۃ جسیما اور ایک بھائی حقیقی سہمی فخرن علی خان کو وارث چھوڑا۔ متروکہ کرم علی خان پر جسیما بعوض اپنے دین مہر پر قابض ہو گئی۔ اور اس کے بعد مسماۃ جسیما کا انتقال ہو گیا اس نے اپنی وفات پر دو حقیقی بھائی سہمی الطاف علی خان، یوسف علی خان چھوڑے۔ اور ایک لڑکی نابالغ مسماۃ کنیزاً جو جسیما کے حقیقی بھتیجے کی لڑکی ہے چھوڑی۔ بھتیجے کا نام ابرار خان تھا۔ اور ابرار خان اور اس کے والد عبد اللہ خان حیات مسماۃ جسیما میں فوت ہو گئے۔ فخرن خان زندہ ہیں اور کل متروکہ کرم علی خان کو لینا چاہتے ہیں۔ دریافت طلب امور حسب ذیل ہیں۔

۱: آیا فخرن خان اد پر حصے میں سے جو مسماۃ جسیما کو شرعاً بعد وفات کرم علی خان پہنچا۔ کچھ بعد وفات جسیما کے بمقابلہ الطاف علی خان و یوسف خان پر پاسکتے ہیں یا نہیں؟
۲: اگر مسماۃ جسیما کل متروکہ کرم علی خان پر بعوض اپنے دین مہر کے قابض تھی، تو یوسف علی خان اور الطاف علی خان متروکہ جسیما کا بشمول اُس کے دین مہر غیر موادی

کے مالک ہیں۔ متروکہ مذکورہ بعض متروکہ کرم علی خان پر تا ادائیگی دین مہر مسماۃ جسیما قابض ہے
گی یا نہیں۔ بیٹو! تو جبروا۔

بعد کو معلوم ہوا کہ مسیحی کرم علی خان مورث اعلیٰ قادیانی تھا۔

الجواب

مسئلہ ۸	
کرم علی خان	زوجہ
۲۱	جسیما
فخرن خان	۱
۳	
۶	

مسئلہ ۹		
جسیما	بنت ابن الاخت	ابن الاخت
مورث	کنیز	الطاف علی خان
	م	۱

بصورت مذکورہ سوال بعد ادائے حقوق مقدمہ علی الارث تجہیز و تکفین و ادائیگی دین، مہر
دین مال متروکہ کے آٹھ سہام میں سے چھ سہام فخرن خان کو اور ایک ایک سہام الطاف علی
خان اور یوسف علی خان کو ملے گا۔ کنیز محروم ہے جسیما کے حصے میں سے۔ فخرن خان کچھ نہیں
پاسکتے۔ واللہ اعلم

یہ تقسیم اس صورت میں ہے کہ ادائیگی دین مہر وغیرہ کے بعد متروکہ کرم علی خان باقی
رہے۔ ورنہ دین مہر میں جسیما کل متروکہ کی مالک ہوگی۔ فخرن خان محروم ہوں گے۔ پھر جسیما کے
بعد جائیداد دو سہام پر منقسم ہو کہ ایک ایک سہام الطاف علی خان اور یوسف علی خان کو
ملے گا۔ اور وہ بجائے جسیما متروکہ پر قابض ہوں گے۔

سوال ۲: سوال دوم کا جواب صاف نہیں ہے۔ سوال پھر پڑھ لیا جائے۔ اگر مسماۃ
جسیما کل متروکہ کرم علی خان پر بعض اپنے دین مہر کے قابض تھی تو کیا یہ قبضہ بمنزلہ ملکیت ہے
جو بعد اس کے الطاف علی خان و یوسف علی خان کو مالک بنائے گا۔

یا یہ صورت ہے کہ قبضہ مذکورہ ملک نہیں بناتا اور صرف ایسے وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک دین مہر ادا نہ ہو اور بعد وفات مسماۃ جسیمّا تا ادائیگی دین مہر الطاف علی خان دیوسف علی خان صرف قابض ہی رہ سکتے ہیں۔

از علی خان صاحب محلہ علی پورہ

الجواب

مسماۃ جسیمّا اپنے دین مہر متروکہ کرم علی خان صاحب وصول کرے گی۔ اگر ترکہ دین مہر فاضل نہ پکے تو جسیمّا متروکہ کی بلا شرکت غیر مالک ہوگی۔ اور اس کا قبضہ مالکانہ سمجھا جائے گا پھر مسماۃ کی انتقال کے بعد اس کے متروکہ کے اس کے وارث مالک ہوں گے۔ اور اس پر اس کے ورثاء کا قبضہ بھی جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ جامعہ مسجد

شاہ جہاں پور

تنقیح الجواب: جب مسمیٰ کرم علی خان قادیانی تھا تو اس کا بھائی اور اس کی زوجہ متروکہ کرم علی خان میں حق میراث کے مستحق نہیں جبکہ یہ دونوں مسلمان ہیں۔ کیونکہ قادیانی فرقہ مرتد و کافر ہیں۔ اور کافر و مسلم میں توارث جاری نہیں ہو سکتا۔

قال فی السراجیۃ: فی الموانع: واختلاف الدینین اھ وقال المحشی فلا یرث الکافر من المسلم اجماعاً ولا المسلم من الکافر علی قول علی و زید وعامة الصحابة لتولہ علیہ السلام ولا یتوارث اھل ملتین شتی اھ (مک) البتہ کرم علی خان کی زوجہ جسیمّا اپنے دین مہر کی مستحق ہے۔ کیونکہ دین مہر میراث نہیں بلکہ قرض ہے اور مسلمان کا کافر اور مرتد پر دین ہو تو وہ ردت سے ساقط نہ ہوگا۔ پس اگر مسمیٰ کرم علی خان پر کسی اور کا دین نہیں تھا صرف زوجہ کا دین مہر تھا اور متروکہ دین مہر سے فاضل نہیں تھا تو مسماۃ مذکورہ اس متروکہ پر قبضہ مالکانہ کی مستحق ہے۔ اور سب متروکہ اس کی ملک ہو گیا۔

قال فی الشامیۃ: عن الطحطاوی: ان الدین تعلق بعین التركة بعد ما تعلق بذمة المیت اھ (ص ۲۶۰، ج ۵)

البتہ اگر مسمیٰ کرم علی خان قادیانی نہ ہوتا اور اس کا بھائی اس کا وارث ہوتا

تو اس صورت میں بھائی کو یہ حق ہوتا کہ مسماۃ کا دین مہر نقد کی صورت میں ادا کرتا اور جائیداد میں مہر میں نہ دیتا۔ بشرطیکہ وہ اس وقت دین مہر کی پشت ادا کرتا اور تاخیر نہ کرتا اور اگر تاخیر کے ساتھ ادا کرنا چاہتا تو اس صورت میں اس کو تقسیم جائیداد کا بدون رضائے زوجہ کے حق نہ ہوتا بلکہ عورت کو اپنا مہر جائیداد سے وصول کرنے کا حق تھا۔

قال فی الدر: ظهر الدین فی التركة المقسومة تفسخ القسمة الا اذا قضاة ای الدین او ابراء الغرماء الورثة او یبقی منها ای من التركة ما یعنی به لزوال المانع الی ان قال لتعلق الدین بالمعنی اه۔ قال الشامی: وهو مالیه التركة ولذا کان لهم ان یقضوا الغریم ویسقلوا بها کما مر الی (ص مذکور) مگر جب بوجہ ارتداد کے توارث نہیں ہے تو بھائی کا حق جائیداد میں پختہ نہیں۔ بلکہ اب قرض خواہ کا حق عین ترکہ سے متعلق ہو گیا ہے اور مسماۃ جیسا مٹرو کہ کی اپنے دین مہر کے عوض میں مالک ہو گئی اور مسماۃ جیسا کے بعد اس کے بھانجے حسب تفصیل مسئلہ ثانی فرائض کے اس مٹرو کہ پر نصفاً نصف مالک ہو گئے اب مسیحی کرم علی خان کا بھائی اس سے اس مٹرو کہ کو نہیں لے سکتا۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد غفرلہ

از تھانہ بھون۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ

ایک عورت نے مہر معاف کیا جبکہ گواہ موجود نہیں | سوال: مندرجہ مسائل میں حکم شرع شریف
تو عورت کے انتقال کے بعد بحق ذراشت عورت | علامہ دین و مفتیان عظام کیا فرماتے ہیں؟
کے ورثہ مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ | ۱: ایک عورت کا مہر بوقت نکاح پانچ

ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت مقرر ہوا تھا۔ جس میں سے اس نے اپنی خوشی اور رغبت سے بغیر کسی دباؤ کے بحالت صحت و ثبات عقل خود زبانی اپنے خاوند کو دو ہزار روپے معاف کر دیئے جس پر کوئی گواہ شاہد نہیں۔ کیونکہ سوائے خاوند اور بیوی کے کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا کیا یہ معافی از روئے شرع برقرار رہے گی یا کالعدم ہو جائے گی۔

۲: اس عورت کے خاوند سے مقررہ مہر میں سے دو ہزار کی معافی تصور کر کے بقیہ تین ہزار کی رقم اپنی بیوی کو اس طور پر پوری کر دی کہ علاوہ ان زیورات کے کہ بوقت نکاح بطور ہدیہ دیئے جاتے ہیں۔ زائد ایک ہزار روپیہ کے زیورات ایک ایک دو، دو کے بنو دیئے۔

اور دوسرا روپیہ نقد بہ ایما اپنی بیوی کے اس عورت کے بھائی کو بغرض خریداری مکان اس عورت کے لئے دیدیئے۔ بعد میں کیا عورت دعویٰ مہر کر سکتی ہے یا مہر یا اس کی کچھ جزو کی نسبت وصیت کر سکتی ہے یا نہیں؟

۳: وہ عورت اپنی نازک حالت میں قریب ۳۶ گھنٹے قبل اپنی موت کے اپنے بھائیوں کے دباؤ سے بغیر اطلاع دیئے خاوند اور خسر کے حالانکہ وہ اس وقت موجود تھے مگر اس وقت مکان سے باہر تھے۔ یہ وصیت کرتی ہے کہ اس کے مہر کا ایک ثلث بمذخیرات بعد اس کی وفات کے دلایا جاوے۔

کیا اس کی یہ وصیت جبکہ اس کا مہر پورا ہو چکا جائز ہو سکتی ہے اور کیا ایسی حالت کی وصیت جبکہ ہوش و حواس مختل ہو چکے ہیں۔ جائز ہے اور نیز کسی دباؤ سے وصیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

۱: یہ معافی عورت پر تو حجت ہے کہ اس کو ان دوسرا کا پھر لینا جائز نہیں، لیکن جب کوئی گواہ نہیں تو دوسرے ورثہ کے سامنے محض شوہر کا دعویٰ ہے جس کو وہ یہ کہہ کر رد کر سکتے ہیں کہ اس دعویٰ پر شاہد پیش کرو۔

۲: ہاں اس صورت میں اگر شوہر نے تصریح کر دی تھی کہ یہ سب زیورات اور نقد روپیہ تیرے مہر میں دیا جاتا ہے تو شوہر مہر سے بری الذمہ ہو جائے گا (بشرطیکہ زیورات میں سے کچھ زیور سونے کا بھی ہو۔ ورنہ سوال دوبارہ کیا جائے) یعنی عند اللہ باقی عورت کے ورثہ یہاں بھی اس سے شہادت کا مطالبہ کر سکتے ہیں کہ شوہر نے یہ زیور جو بعد میں بنانا بیان کیا ہے یہ وہی نہیں جو جہیز میں آیا تھا۔ اور اس نے عورت کے بھائی کو دوسرا روپیہ مکان بنانے کے لئے دیئے یا نہیں۔ اگر وہ شہادت سے ان امور کو ثابت نہ کر سکے تو ورثہ کو مہر لینے کا حق باقی ہے۔

۳: جب شوہر عند اللہ مہر ادا کر چکا ہے تو اس کے ذمہ اس وصیت کا ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

نظر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ

ابن قاتل قاتل کی موجودگی میں محروم نہیں ہوگا | سوال: فرائض میں ہے القاتل محروم عن الارث آیا ابن القاتل باوجود قاتل موجود ہونے کے محروم ہے یا نہیں۔ اسکی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا اب اس مقتول کی ایک زوجہ اور ایک ابن الاخ ہے جو قاتل کا بیٹا ہے اب یہ ابن الاخ کو وراثت ملے گی یا نہیں۔
عرض گزار

محمد عبدالمجید غفرلہ۔ دولت خان ہائی اسکول بیال

الجواب

صورت مسئلہ میں زوجہ کو ربع اور ابن الاخ کو مابقی ملے گا کیونکہ قاتل محروم عن الارث ہو کر حکم عدم ہو گیا اب اس کا بیٹا جو زوجہ قاتل کے محبوب تھا وراثت ہو جائے گا۔
قال في السراجية في باب الحجب والمحروم لا يحجب عندنا وعند ابن مسعود يحجب حجب النقصان كالكاfer والقاتل والرقیق۔ قال المحشي: والفرق بين المحروم والمحجوب ان المحروم لا يكون فيه صلاحية الارث لكنه حجب عنها بسبب الحاجب والمحروم يفرض كالميت ولا المحجوب كذلك
اھ ص ۱۔

قلت فكان ابن الاخ محجوباً بسبب الحاجب وهو ابوه فلما حرم ابوه عن الميراث لكونه وصار كالميت زال الحجب وصار ابن الاخ وارثاً۔
والله اعلم

ظفر احمد عفا الله عنه

۲۲ رجب ۱۳۴۶ھ

استفتاء متعلق فرائض و مال مفقود وغیرہ | سوال: دادا صاحب کے پاس جو جائیداد ہے اس کے متعلق بڑے دادا صاحب (دادا صاحب کے بھائی) سے دریافت کیا گیا کہ ترکہ شرعی طور پر کب سے تقسیم نہیں ہوا۔ تو فرمایا کہ ان اطراف میں تو مدت سے رواج لڑکیوں کو حصہ میراث نہ دینے کا ہے مگر مجھے اتنا معلوم ہے کہ ہمارے دادا صاحب تین بھائی تھے جن میں تو ایک صاحب گھر وغیرہ چھوڑ کر مفقود الخبر ہو گئے تھے باقی دو بھائیوں کو ہمارے پر دادا کی جائیداد میں سے ترکہ ملا اور ہمارے دادا صاحب کی کوئی بہن نہ تھی بعد دادا صاحب کے ان کی جائیداد

ہمارے والد صاحب دو بھائی تھے اُن دونوں کو ملی والد صاحب کی بھی کوئی بہن نہ تھی، بعد والد صاحب کے اُن کی جائیداد ہم دو بھائیوں کو ملی۔ اور ہماری تین بہنیں بھی تھیں جن کو حصّہ میراث نہیں دیا گیا۔ لہذا صورت مذکورہ بالا میں جو حکم شرعی ہو مطلع کیا جائے تاکہ والد صاحب کو اطلاع کر دیں۔ دادا صاحب کی تین بہنوں سے دو کا انتقال ہو چکا ہے البتہ اُن کی اولاد موجود ہے اور ایک ابھی زندہ ہے۔

سائل

احقر عبد الجلیل پسر مولوی عنایت اللہ

الجواب

اگر مفقود وقت مفقود ہونے کے کسی چیز کا مالک تھا اور اس کے فقدان کو ابھی اتنی مدت نہیں گزری جس میں اقران مر جا دیں تو مفقود کی ملکیت کو اس کے ورثہ میں تقسیم نہ کیا جاوے بلکہ محفوظ رکھا جاوے بشرطیکہ اس کے مفقود ہونے پر سب ورثہ متفق ہوں۔ کوئی مدعی موت کا نہ ہو۔ ورنہ اس دعویٰ کے ثبوت بدلیل شرعی کے بعد اس کا ترکہ حسب فرائض تقسیم ہو جائے گا۔ یہ حکم تو مفقود کی ملکیت کا ہے۔

قال فی الدر: لو مات عن بنتین وابن مفقود و للمفقود بنتان وابناء والترکة فی ید البنّین والکل مقرون بفقد الدین واختصموا للقاضی لا ینبغی له ان یحرک المال عن موضعه الی لا ینزعہ من ید البنّین اھ ص ۳۵۵۔

پس اگر پردادا کی جائیداد سے مفقود کو حصّہ مل چکا تھا مثلاً وہ پردادا کے انتقال کے بعد مفقود ہوا تب تو پردادا کی جائیداد تین سہام پر منقسم ہو کر ایک حصّہ مفقود کا محفوظ کیا جاوے اور بقیہ دو حصّے دو بھائیوں میں تقسیم کئے جائیں۔ اور اگر وہ پردادا کی حیات میں ہی مفقود ہو گیا تو اب گھر پر پردادا کی جائیداد کا یہ وارث نہیں ہے لہذا میت فی غیہ لیکن اس کا حصّہ محفوظ رکھنا پھر بھی ضروری ہے حتیٰ یتبین الامر فی الدر ایضاً۔ اس کے بعد پھر دو بھائی بہن ان کو ان کے باپ کا حصّہ مساوی دیا جائے۔ اس کے بعد سائل کے بڑے دادا صاحب کا بیان ہے کہ ہم دو بھائی تھے ہم کو والد صاحب کی زمین ملی اور ان دونوں کی تین بہنیں بھی تھیں جن کو حصّہ نہیں دیا گیا تو اب سائل کے پردادا کی زمین وغیرہ اس طرح تقسیم کیا جائے کہ:

مسئلہ

مورث زید

ابن - ابن - بنت - بنت - بنت -
 ۲ ۲ ۱ ۱ ۱

سائل کے پردادا کی ملکیت کو سات سہام پر تقسیم کیا جائے جس میں سے دو، دو سہام ہر لڑکے کو ملیں گے اور ایک، ایک سہام (حصہ) ہر لڑکی کو۔ جو بہن دادا کی موجود ہے اس کو حصہ اس کا دیا جائے اور جو مرگئی ہے اُس کا حصہ اُن کے ورثاء کو دیدیا جائے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ میت نے یہی وارث چھوڑے ہوں یعنی لڑکے اور لڑکیاں۔ اور اگر زوجہ بھی چھوڑی تھی اور ماں بھی۔ تو سوال دوبارہ کیا جائے جبکہ زوجہ اور والدہ کے ورثہ علاوہ ان لڑکے اور لڑکیوں کے اور بھی کوئی ہوں۔ ورنہ ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خاتقاہ امدادیہ
 ۸ شعبان ۱۳۶۶ھ

مسئلہ فرائض | السؤال: ایک شخص کی پہلی شادی سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر اس کی بیوی فوت ہوگئی۔ بعد میں دوسری شادی کی اس سے بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اور پھر وہ شخص مرگیا۔ اس کے بعد وہ دوسری بیوی بھی فوت ہوگئی۔ اور اس شخص کی چاروں اولاد علیحدہ علیحدہ ہیں اور شادی شدہ ہیں۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ پہلے بیوی سے جو لڑکا تھا اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور پھر ایک ہفتہ کے بعد اس کا بھی پھر پہلی بیوی کے لڑکے کا اور اس کی کوئی اولاد نہیں، لہذا اُمید ہے بملا حظہ عریضہ ہذا تحریر فرمائیے گا کہ اس آدمی کی چیزوں میں مال وغیرہ کا کون حقدار ہے آیا اس کی حقیقی بہن ہے یا سوتیلے بھائی، بہن ہیں۔ اور اگر بہن ہے تو حصہ کس کس کا ہوتا ہے۔ فقط والسلام

احقر مبارک علی
 ۱۲ اپریل ۱۹۲۸ء



الجواب

۶
مسئلہ

زید جو شخص مذکور کی پہلی بیوی کا لڑکا ہے

اخت لاب

۱

اخ لاب

۲

اخت لاب دام

۱
۳

صورت مسئلہ میں شخص مذکور کی پہلی بیوی کے لڑکے کا ترکہ چھ سہام پر تقسیم ہو کر اس کی حقیقی بہن کو نصف، پھر تین سہام دیئے جائیں۔ اور نصف باقی کو۔ علاوہ بھائی بہن پر لکڑہ مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم کیا جاوے کہ علاقائی بھائی کو دو سہام دیئے جائیں اور علاقائی بہن کو ایک سہام اور یہ تقسیم بعد ادا حقوق مقدمہ علی المیراث کے ہوگی پھر تجہیز و تکفین و ادا دیون (جس میں مہر بھی داخل ہے) اگر ادا ریا برابر نہ ہو، ہو انفاذ وصیت من الثلث کے بعد اگر وصیت کی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۴ شوال ۱۳۴۶ھ

مسئلہ فرائض | السؤال ۱: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاجی

نور محمد نے انتقال کیا اس نے اپنے در ثار میں ایک زوجہ، ایک لڑکی، ایک علاقائی بھائی (مگر علاقائی بھائی کو حاجی نور محمد نے اپنی زندگی میں دو مکان دیدیا تھا اور یہ استمرار نامہ لکھوایا تھا کہ شریعت کے مطابق میں نے تیرا حصہ تجھ کو دیدیا ہے اور اگر تو اب دوبارہ حصہ طلب کرے تو اذروئے قانون باطل ہوگا) دونوں سے بنام احمد رضا و محمد (یہ دونوں لڑکے حاجی نور محمد کی اس لڑکی سے ہیں جو ان کی حیات میں ہی انتقال کر گئی تھی) پانچ نواسے اور چار نواسیاں (یہ نواسے اور نواسیاں حاجی نور محمد صاحب کی اس بیٹی سے ہیں جو فی الحال زندہ ہے) شرعاً ان لوگوں کا کیا حصہ بنتا ہے۔

(۲) اور حاجی نور محمد کی طرف آٹھ سو روپیہ قرض بھی ہے کیا قرض ادا کرنے

کے بعد حصہ تقسیم ہو گا یا نہیں؟۔ بینوا تو جسروا۔

المستفتی

عبدالسلام محلہ اسلام پورہ شہر مالیکان

الجواب

قال في الشرح السير الكبير ان المريض متى اعطى عينا لبعض ورثته ليكون وذلك حصته من الميراث او اوصى بان يدفع ذلك اليه بحصته من الميراث ان ذلك باطل لا يجوز البته اهـ ص ۴۲ ج ۳۔

مرحوم نور محمد

مسئلہ

اخ علاق

بنت

زوجہ

۳

۴

۱

صورت مسئلہ میں حاجی نور محمد کے ترکہ میں سے اول تجہیز و تکفین کا خرچ نکالا جاوے اس کے بعد دین کو ادا کیا جائے اگر اس کے ذمہ ہو جس میں زوجہ کا دین مہر بھی داخل ہے اگر اس نے وصول یا معاف نہ کیا ہو۔ اس کے ثلثین سے وصیت کو نافذ کیا جاوے۔ اگر اس نے اللہ واسطے کچھ وصیت کی ہو۔ اس کے بعد کل ترکہ کے آٹھ ۸ حصے کر کے بیوی کو ایک حصہ، بیٹی کو چار حصے اور علاق بھائی کو تین حصے دیئے جائیں۔ اور حاجی نور محمد نے جو اپنے علاق بھائی کو اپنی زندگی میں دو مکان دیئے ہیں اور یہ اقرار نامہ لکھوایا تھا کہ شریعت کے مطابق میں نے تیرا حصہ تجھ کو دیدیا الخ۔ اس اقرار نامے کے لکھنے سے علاق بھائی کا حق میراث باطل نہیں ہوا۔ اس کا ایسا لکھوانا لغو ہے بلکہ وہ بدستور وارث شرعی ہے۔ اور وہ مکان جو نور محمد کی حیات میں اس کو مل چکے ہیں وہ بھی ترکہ میں شمار ہوں گے۔ وہ خالص علاق بھائی کا حق نہیں بلکہ سب ورثہ کا حق ہے جو موافق سہام مذکورہ کے تقسیم کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

اور نواسے اور نواسی سب محروم ہیں کیونکہ ذوالفروض و عصبات کے سامنے ذوالارحام

کو میراث نہیں مل سکتی۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون ۲۲ ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ

حکم کسب حرام برائے ورثہ | السؤال: بعد از سلام مسنون معروض یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ایک سود خور نے انتقال کیا ہے اس کے وارث بھی ہیں بعض ان میں سے بالغ ہیں اور بعض اُن میں نابالغ۔ بالغوں کو خبر ہے کہ باپ سود خور تھا اور یہ بھی واضح ہے کہ اکثر مال سود کا ہے۔ اب بعض مولوی فتویٰ دیتے ہیں کہ وارثان کے یہ مال حلال کیونکہ اولاً تبدیل ملک ہے ثانیاً خود بخود مالک ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حلال نہیں کیونکہ تبدیل ملک سے تبدیل عین جو ہوتا ہے اگر فی نفسہ حلال ہو مثلاً صدقہ اور اس میں چونکہ سود کا مال حلال نہیں لہذا یہ حلال نہیں اب جناب والا سے یہ مدعا ہے کہ جناب والا جو فرمادیں برآں خاطر جمع کر دوں۔

عبدالقادر نو اکھالی سونا پور

الجواب

جب ورثہ زید کو معلوم ہے کہ اُن کا مورث سود خور تھا اور غالب کسب سود کا ہے تو اُن کو واجب ہے کہ اس ترکہ میں سے اولاً اُن لوگوں کا روپیہ واپس کریں جن سے زید نے سود لیا ہے اگر وہ لوگ معلوم ہوں اور سود کا مال حلال سے مخلوط نہ ہو۔ اور اگر سود کا مال مخلوط ہے تو خلط استہلاک ہے اس لئے یہ سب روپیہ زید کی ملک ہو گیا ہے اور جس نے سود لیا ہے ان کا حق زید کے ذمہ رہا ورنہ اگر وہ ترکہ مخلوط بالحرام باہم تقسیم کر لینا جائز ہے لیکن بعد تقسیم کے بطور ورع کے لازم ہے کہ اگر وہ لوگ معلوم ہوں جن سے سود لیا ہے تو ورنہ بالغین اپنے اپنے حصہ میں سے ان کا روپیہ ان کو واپس کریں۔ اگر وہ لوگ معلوم نہ ہوں تو ان کی نیت سے فقرا پر اس مال کا تصدق کریں اور جو وارث خود فقیر ہو وہ اپنے نابالغ بیٹے یا بیوی پر تصدق کر کے بھی اس سے بری ہو سکتا ہے بشرطیکہ بیوی اور بیٹا فقیر ہو اور جو ورثہ نابالغ ہیں ان کے حصہ میں سے نہ اُن لوگوں کو ابھی دیا جاوے جن سے مورث نے سود لیا تھا اور نہ تصدق کیا جاوے۔ بلکہ یہ نابالغ بعد بلوغ کے خود اُن لوگوں کا روپیہ واپس کریں یا صدقہ کریں کیونکہ یہ روپیہ اور صدقہ تورع ہے فتویٰ سے لازم نہیں۔

قال في الهندية: وان كان كسبه من حيث لا يحل وابنه يعلم ذلك ومات الاب ولا يعلم الدين ذلك بعينه فهو حلال له في الشرع والورع ان يتصدق به بنه الخصماء كذا في الينابيع اهـ۔

وفيه ايضاً: قبله واذا مات الرجل وكسبه خبيث فالاولى لورثته ان يرد

والمال الى اربابها فان لم يوفوا اربابها تصدقوا بها اهـ۔ قلت وهذا كله اذا كان كسبه الحرام مخلوطا بالحلال حيث لا يعرف الحرام بعينه ولذا قال فالاولى الخ وان كان معلوما بعينه فالرد واجب كما لا يخفى ودليله قوله ولا يعلم الا بن ذلك لعينه اهـ والله اعلم۔

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

از حقانہ بھون ۲۸ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں | سوال ۱: : زید ایک ہندو خاندان سے مسلمان ہوا ہے۔ چونکہ زید اپنے ہندو باپ کی میراث سے شرعاً وارث نہیں ہو سکتا لیکن قانوناً بنا بر جائیداد جدی ہونے کے وارث ہو سکتا ہے۔ تو وہ اپنے باپ کی جائیداد سے قانوناً اپنا حصہ لیکر کسی مدرسہ اسلامی یا کسی اور اسلامی کام میں تصدق کر دے یا رفاہ عام کے کاموں مثلاً ضرورت کے مقاموں پر کنواں نکلوا دے تو کیا وہ مشاب ہوگا۔ جبکہ اس کے باقی شرکاء یعنی جائیداد سے حصہ لینے والے آریہ جو کہ سخت ترین اعداء دین ہیں۔

الجواب

زید کو اپنے باپ کی جائیداد سے حصہ میراث لینا جائز نہیں بلکہ اس جائیداد کو مورث کے کافر ورثہ پر رد کرنا لازم ہے اور بدون اس کے زید بھی اس میں تصرف کرنے سے گنہگار ہے۔ اور جو مدرسہ و مسجد والے اس واقعہ کو جانتے ہوئے اس جائیداد کی رقم لیں، وہ بھی گناہ گار ہیں۔

السوال ۲: : عمر و اپنے ہندو باپ کے حین حیات میں مسلمان ہوا۔ اس کے ہندو باپ نے اس اپنے بیٹے عمر و کی شادی مسلمانوں میں اپنے خرچ سے کرائی۔ عمر و حج کو تیار ہوا تو اس کو زاد راہ دیا۔ علاقہ کے ایک مسلمان رئیس کے کہنے پر اپنی جائیداد کا چوتھا حصہ (کیونکہ اس ہندو باپ کے چار بیٹے تھے) اپنے بیٹے عمر و کو ایک دستاویز لکھ کر دیا کہ میرے بعد ۱/۴ حصہ کا یہ وارث ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد عمر و کا دوسرا بھائی بکر بھی بمعہ ایک بیوی و بال بچوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اُسے بھی نان نفقہ اس کا اور اس کے اہل و عیال کا خرچ دیتا رہا بلکہ سواری کے لئے گھوڑے اور دودھ کے لئے گائے بکری بمعہ گھاس چارہ کے دیتا رہا لیکن اپنے پاس بیٹے بکر کو جائیداد وغیرہ سے ۱/۴ حصہ نہ لکھ کر دیا۔ کیونکہ کسی مسلمان رئیس نے

اس کے لئے اُسے نہ کہا۔ ہندو باپ کے مرنے کے بعد عمرو، بکر کے دو ہندو بھائیوں نے اور بکر کے دو ہندو بیٹوں نے (کیونکہ بکر کی دو ہندو بیویاں تھیں اور دونوں صاحب اولاد تھیں جن میں سے ایک تو بمعہ بال بچوں کے بکر کے ساتھ مسلمان ہو گئی اور دوسری بال بچوں سمیت بدستور ہندو ہے) مقدمہ دائر کیا کہ عمرو و بکر کو جائیداد نہ ملنی چاہیے۔ کیونکہ انہوں نے مذہب تبدیل کیا ہے۔ لیکن ہندوؤں کا دعویٰ خارج ہوا۔ اور جائیداد نو مسلموں کو مل گئی۔ ہندو بھائیوں نے اور بیٹوں نے چیف کورٹ میں اپیل دائر کی۔ تو پھر بھی خارج ہوئے۔ اب وہ دونوں نو مسلم عمرو و بکر اپنی جائیداد پر قابض ہیں لہذا اب سوال یہ ہے کہ :

۱۔ ان دونوں نو مسلموں کا اس طرح سے حاصل کردہ مال مشتبہ تو نہیں ہے؟ جبکہ وہ شرعاً اپنے ہندو باپ کی وفات کے بعد وارث نہیں ہو سکتے تھے اس بنا پر کہ اختلاف دین مانع ارث ہے۔

۲۔ بکر کی اس وقت میں تین بیویاں ہیں۔ دو مسلمان بیویاں اور ایک ہندو بیوی۔ تینوں صاحب اولاد ہیں۔ چونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا لہذا کیا بکر پر یہ امر واجب نہیں کہ وہ اپنے ہندو ورثہ آریہ کو جو کہ قانوناً وارث ہو سکتے ہیں بنا کر جائیداد جدی کے کس طرح محروم کرے۔

الجواب

۱۔ مشتبہ کا معنی یہ مال حرام ہے لکن نہ مقصوباً۔

۲۔ جب یہ جائیداد وہی ہے جو بکر نے اپنے ہندو باپ کے ترکہ سے حاصل کی ہے تو اس کا ہندو ورثہ پر واپس کرنا بکر کے ذمہ لازم ہے اور اس جائیداد سے وہ ہندو ورثہ کو محروم نہیں کر سکتا۔ ہاں جو جائیداد بکر کی خود حاصل کردہ ہے اس سے ہندو ورثہ کا حق قانونی منقطع کر دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

تتمہ

یہ فتویٰ احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ نے اول لکھا پھر حضرت حکیم الامت کو دیکھایا، تو حضرت نے فرمایا کہ ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمان کو کافر کی میراث لینا جائز ہے لہذا میں اپنے فتویٰ سابقہ سے رجوع کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ صورت مسئلہ میں زید کو اپنے ہندو باپ کی جائیداد سے حصہ میراث لینا جائز ہے۔ اور اس میں کچھ شبہ بھی نہیں جس کی وجہ سے

زید کے ذمہ رزیا تصدق واجب ہو بلکہ وہ اس حصہ میراث کو اپنے تصرف میں بلا تکلف لا سکتا ہے اسی طرح عمرو و بکر کو اپنے ہند و باپ کی جائیداد سے حصہ لینا جائز ہے اور وہ اس میں بلا تکلف تصرف مالکانہ کر سکتے ہیں اور ان کا اس طرح کا حاصل کردہ مال مشتبہ نہیں۔

والدلیل ما فی الشریفۃ: والثالث اختلاف الدینین فلا یرث الکافر من مسلم اجماعاً ولا المسلم من الکافر علی قول علی وزید وعامة الصحابة والیہ ذهب علماءنا والشافعی لقوله صلی اللہ علیہ وسلم لا یتوارث اهل ملتین شتی (اخرجه الدارمی وابوداؤد والشافعی وسندہ صحیح) والقیاس ان یرث لقوله علیہ السلام یعلو ولا یعلی والیہ ذهب معاذ بن جبل ومعاویہ بن ابی سفیان والحسن ومحمد بن الحنفیہ ومحمد بن علی بن الحسین وسروق رحمہم اللہ اھ۔ ص ۱۴۔

قلت روى الشافعی ذلك عن أكثر هؤلاء المذكورین فی الامر تعلیقاً و نقله حجة فان قيل هؤلاء كلهم مقدمون علی الأئمة الأربعة المقتدى باقوالهم والأربعة كلهم متفقون علی عدم ارث المسلم من الکافر ولم نعلم احداً خالفهم من معاصريهم ومن بعدهم والاجماع اللاحق یرفع الخلاف السابق قلنا كلام الامام الشافعی فی الامام مشعر بخلاف بعض اهل عصره فی المسئلة واخذة بقول معاویة وعلی ومعاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وان سلمنا عدم الخلاف فیما بعدهم فنقول لیس مدار الافتاء علی ذالك بل يجوز للمسلم ان یرث من الکافر بسبب استيلاء الحكومة الکافرة علی مال الکافر ولا ثم دفعها إلی المسلم بقانونها واستيلاء الکافر سبب للملك عندنا واللہ اعلم۔ او يقال استولى المسلم علی مال الکافرة بقوة سلطان اهل الحرب وصار تملکاً له بالاستيلاء ودلیل التملک بقوة سلطان اهل الحرب ما ذکر فی شرح السیر اھ۔

واللہ اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنه

۱۸ صفر ۱۳۳۷ھ

مورث کے انتقال کے وقت کسی وارث کے | سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس
زندہ ہونے میں شک ہو تو وراثت کی تقسیم مسئلہ میں کہ مسماۃ امیرن کے صرف ایک شوہر اور
کس طور پر کی جاوے گی۔ دو بھائی تھے شوہر اور ایک بھائی کا وقت وفات

زندہ ہونا متحقق ہے۔ دوسرے بھائی کے زندہ ہونے میں شک ہے تقسیم ترکہ کس طور پر ہوگی۔

الجواب

صورتِ مسئلہ میں مسماۃ امیرن کا ترکہ دو سہام پر تقسیم ہوگا۔ ایک سہم یعنی نصف شوہر کو دیا جائے اور دوسرا سہم اس کے بھائی کو دیا جائے جس کا زندہ ہونا بوقت وفات امیرن کے متحقق ہے اور جس بھائی کے زندہ ہونے میں اس وقت شک ہے اس کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔ اور نہ امیرن کو اس کے ترکہ سے دیا جائے۔ اور یہ جواب اس وقت ہے جب کہ اس کے زندہ ہونے میں شک ہی ہو۔ جیسا کہ سوال میں ہے۔ اور اگر غالب گمان زندہ ہونے کا ہو مرنے میں شک ہو تو سوال دوبارہ کیا جاوے۔

قال في السراجية: اذا ماتت جماعة ولا ادرى ايهم مات اولاجعلوا
كانهم ماتوا معاً فمال كل واحد منهم لورثته الاحياء ولا يرث بعضهم من
بعض هذا هو المختار وقال علي وابن مسعود يرث بعضهم من بعض الا فيما
ورث كل واحد منهما من صاحبه اهـ۔

قال المحشي: والوجه في ذلك اي في قول ابن مسعود وعلي ان شرط
استحقاق كل واحد منهما ميراث صاحبه هو حيوته بعد موت صاحبه وقد
عرف حيوته يقيناً فيجب التملك به وسبب الحرمان موته قبله او معه وذلك
مشكوك فيه ولا يثبت الحرمان بالشك وهذا الذي ذكر من ان اليقين
لا يزول بالشك اصل كبير في الفقه ونحن نقول ان الشرط المذكور غير
معلوم يقيناً ومالم يتيقن به لا يثبت الاستحقاق اذ لا تورث بالشك، وتفصيله
ان الشرط ههنا بقاء حياة بعد موت مورثه وانما علم ذلك بطريق الظاهر و
استصحاب الحال دون اليقين فان الظاهر بقاء ما كان على ما كان عليه
وهذا البقاء لا لغد ام الدليل المزيل لا لوجود الدليل المبقى فيعتبر به في
ابقاء ما كان لا في اثبات مالم يكن كحيوة المفقود تجعل ثابتة في نفى التورث

عنه لافي استحقاق الميراث من مورثه - والله اعلم -

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

۱۷ ربيع الاول ۱۳۳۷ھ

تحقیق مسئلہ عصبیات | السؤال :- امداد الفتاویٰ ج ۳، ص ۱۱۸، اور ص ۱۱۹ میں

ایک معترض کا اعتراض لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی میت کے عصبہ نہ ہوں تب اس کے ذوالارحام ترکہ پاسکتے ہیں حالانکہ دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہوگا کہ اس کے کسی رجبہ کے کسی جد اعلیٰ کی کوئی اولاد موجود نہ ہو جسے باصطلاح شرع عصبہ کہا جاوے۔ تو لازم آیا کہ ذوی الارحام کا حصہ کسی وقت بھی مقصود نہیں اس کے جواب میں جو کچھ ارشاد ہوا اس کے حاصل اور جواب کا اصل مدار اس پر ہے کہ حسب تصریح علماء معلوم ہوا کہ عصبیات کی تعمیم اتنی نہیں ہے جتنا کہ معترض نے سمجھا ہے بلکہ سلسلہ اعمام، عم الجد تک چل کر ختم ہو جاتا ہے اور عم الجد کے اولاد ذکر تو عصبیات بن سکتے نہیں اس کے اوپر کسی عم یا اس کی اولاد ذکر کا مرتبہ عصبہ ہونے کا نہیں ہے۔ مثلاً عم اب الجد و ابنہ وان سفل کو عصبہ نہیں کہیں گے۔ یہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ امداد الفتاویٰ میں یہ مسئلہ دیکھ کر شامی و عالمگیری، مبسوط امام مہرخی، مجمع الانھر وغیرہ دیکھ کر تو واقعی عم الجد کے اور سلسلہ اعمام کو کوئی نہیں بڑھاتا مگر فتاویٰ بزازیہ میں مصرح لکھا ہے کہ سلسلہ اعمام عم الجد کے اوپر بھی مٹھا اکن جا سکتا ہے۔

جب بزازیہ میں یہ تصریح ملی تو پھر تردد بڑھا کہ آخر معترض کے اعتراض مذکور کا جواب بھی کچھ ہونا چاہیے۔ کتب مذکور میں جہاں تک دیکھا جواب کا کوئی سامان نہ ملا مگر بزازیہ ہی میں موانع ارث کے تحت میں ملا کہ جہالت وارث مانع ارث ہے اور جہالت کی چند صورتیں لکھی ہیں۔ اب اعتراض کا جواب یوں سمجھ میں آتا ہے کہ بے شک دنیا میں ہر میت کے حصہ کا موجود ہونا تو ممکن ہے مگر وہ مجہول ہے یعنی وہ سلسلہ نسب کو ثابت نہیں کر سکتا ہے۔ ہاں اگر سلسلہ نسب کو ثابت کر دے کہ وہ میت سے فلاں پشت میں ملتا ہے تو پھر وہ

عہ فتاویٰ بزازیہ کی اسی عبارت کو دیکھ کر امداد الفتاویٰ کے جواب سابق سے رجوع کر لیا گیا تھا جو ترجمہ الراجح میں شائع ہو چکا ہے ۱۲ منہ۔

سہ ان موانع خمسہ کو تو شامی نے بھی ذکر کیا ہے اور در مختار میں ان کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ۱۲ ظفر۔

بلا تکلف وارث ہے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو محض اس لئے کہ وہ شیخ ہے یا سید ہے یا صدیقی ہے یا عثمانی ہے مسحق ارث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسے تو سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ جب تک کہ ترتیب وار سلسلہ نسب معلوم نہ ہو تو کوئی حاجب اور کوئی محبوب معلوم نہ ہو سکے گا اور اس سبب سے اقرب اور احق عصبات مجہول رہے گا پس مسحق ارث نہ ہو سکے گا۔ جب وہ وارث نہ ہو سکا تو اب ذوی الارحام وارث بنیں گے۔ خدام بارگاہ عالی کو تکلیف دیتا ہوں کہ ارشاد ہو کہ اعمام کی تعیم مصرح مان لینے کی تقدیر پر اعتراض کا جواب یہ درست ہوا کہ نہیں بزازیہ کی عبارت ہوتے ہوئے اعمام کی تعیم نہ ماننے کی کوئی وجہ ہو تو وہ بھی ارشاد ہو۔ بزازیہ کی عبارت تعیم اعمام کی نسبت اور جہالت وارث کے مانع ارث ہونے کی نسبت علی الترتیب درج ہے:-

(الثانی فی عصبات المحضة) اقربہم الابن ثم ابن الابن وان
سفل ثم الاب ثم الجد وان علا علی اختلاف قدمی ثم الاخ لاب و
ام ثم الاخ لاب ثم ابن الاخ لاب وام ثم ابن الاخ لاب وكذا بنوہما
وان سفلا ثم عم الاب لاب وام ثم عم الاب لاب ثم ابن عم الاب
لاب وام ثم ابن عم الاب لاب وكذا بنوہما وان سفلا و هكذا عمومة
الجد وان علوا و اولادہم الذکران وان سفلا فتاویٰ بنزازیہ ج ۳ بر حاشیہ
عالمگیری مصری ج ۶، ص ۴۰۶۔

وفی الفصل الخامس فی موانع الارث من الفتاویٰ البنزازیة المطبوعة
المصری ج ۳۔ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ ج ۶، ص ۴۰۴۔

ومنها جملة الوارث وذلك فی خمس مسائل او اكثر احدها رجل
وضع ولده فی فناء المسجد لئلا تخدمه صبا حاشم رجع ليرفعه ما ذافيه ولدان
ولا يعرف ولده من غيره ومات قبل الظهور لا يرث واحد منهما ويوضع ماله
فی بیت المال ونفقتہما علی بیت المال ولا يرث احدهما من صاحبه و
ثانیهما ارضعت صبیا مع ولدها وماتت ولا يعلم ولدها من غيره لا يرثها
واحد منهما ولا من صاحبه۔

وثالثها حرة وامه ولدت كل واحد ولدا فی بیت مظلوم ولا يعرف
ولد الحرة من ولد الامه لا يرث واحد منهما ليعی كل واحد منهما فی نصف قیمته

المولى الأمانة -

ورابعها: استاجر نصراني ومسلم ظئرا واحدا لولديهما فكبر ولا يعرف ولد النصراني من ولد المسلم فالولدان مسلمان لا يرثان من ابويهما ولا كل من صاحبه -

وخامسها: رجل له ابن من حرة وابن من أمة لأنسان ارضعتهم ظئرا حتى كبر ولا يعرف ولد الحرة من ولد الأمة فهما حران ويسعى كل واحد منهما في نصف قيمته لمولى الأمة ولا يرثان زيادة حد ادب -

بندۀ نیازمند

نذیرالدین غفرله

١٢/١٠/٢٨ هـ

الجواب

قلت اخرج الطحاوى في مشكله حدثنا فهد بن سليمان حدثنا ابو عنان مالك بن اسمعيل النقدي قال حدثنا موسى بن محمد الانصاري قال انا جبرائيل بن احمد عن عبد الله بن بريدة عن ابيه قال جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم رجل فقال عندي ميراث رجل من الازد ولا اجد ازديا ادفعه اليه قال تربص به حولا قال ففعل ثم اتاه فقال اذهب فادفعه الى اكبر خزاعة قال الطحاوى ومعنى اكبر خزاعة عندنا والله اعلم اكبرها في النسب منه قالوا للولاء للكبير قال ابو جعفر فتاملنا هذا الحديث فوجدنا ما امر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه من ابتغاء ازدي حولا قد امر في ذلك كمثله ما امر به في اللقطة في ابتغاء صاحبها حولا ثم تصرف فيما يجب صرفها فيه بعد الحول ومن رد ذلك الميراث ان لم يجد حولا حتى يمضي الحول الى اكبر من خزاعة لانهم الازد قال ومعنى قول السائل لم اجد ازديا اي ازديا مسلما وكان ذلك قبل اسلام قبائل الازد والنبي صلى الله عليه وسلم بمكة وكان اسلام خزاعة والنبي صلى الله عليه وسلم بها وفي ذلك ما قد دل ان ذلك المتوفى كان ممن قد اسلم فرد رسول الله صلى الله عليه وسلم ميراثه الى الاقرب من مسلمي خزاعة قال الطحاوى ومرواه شريك عن جبرائيل بن احمد بلفظ الى النبي

صلی اللہ علیہ وسلم بمیراث رجل من خزاعة فقال اطلبوا له وارثا فلم يجدوا فقال اطلبوا له ذارحم فطلبوا فلم يجدوا فقال ادفعوه الى اكبر خزاعة فقال ومارواه سوى شريك اولی عندنا موارواه شريك لعددهم ولان ثلثة اولی بالحفظ من واحد ولاستحالة بعض ما فی حدیث شريك مما ذكر فيه من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اطلبوا له ذارحم وهذا لا يجوز فی العرب لان العرب لا تورث بالارحام وانما تورث بالعصبات الا حيث ورث اللہ تعالیٰ ذوی الفرائض المسماة منهم لانه اذ لم توجد عصباتهم من افخاذهم وجدت من الافخاذ التي تتلوا فخذهم كما یعقل فی عقول جنایاتهم افخاذهم الذین یحملون اروش الجنایات فان قصر عددهم عن احتمال اروشها او ذلك الى من یلونهم من الافخاذ وانما یكون التوارث بالارحام المخالفة لما ذكرنا فی غیر العرب من العجم الذین لا یرجعون الى شعوب وقبائل وانما یرجعون الى بلدان لا الى ما سواها كما روى عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما قد حمله من رواه من اصحابه من ذلك ثم سرد الآثار فی تفسیر قول اللہ عز وجل وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا ثم قال فالعرب ترجع الى شعوب والى القبائل والى الافخاذ وبها يتوارثون والعجم لا ترجع الى ذلك وانما یجمعهم بلدانهم لا ما سواها وكذلك كان ابو یوسف یقول فی التوارث بالارحام التي ليست عصبات انما یكون فی العجم لا فی العرب فاستحال بذلك ما فی حدیث شريك مما اضافہ الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم من طلب ذی الرحم لیدفع الیه میراث الاسلامی الذی نسبہ شريك الى خزاعة واللہ سیحانه وتعالیٰ اعلم اه ج ۳ ص ۱۴۶ تا ۱۵۰۔ اس کلام سے چند امور مستفاد ہوئے۔

- ① توارث بالارحام غالباً عرب میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میں قبائل و شعوب و افخاذ عادتاً موجود ہوتے ہیں پس اہل عرب میں عصبات مفقود نہیں ہو سکتے الا نادراً۔
- ② جس شخص کا عصبہ اس کے خاندان قریب میں موجود نہ ہو اس کے عصبہ کی تلاش سال بھر تک کرنی چاہیے تقسیم ترکہ میں عجلت نہ کی جاوے۔
- ③ اگر سال بھر تلاش و انتظار کے بعد بھی خاندان قریب میں کوئی عصبہ نہ

ملے تو اس کے خاندان کی دوسری شاخ میں جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہوگا اس کو اور اسکے شقیق کو اس کا ترکہ دیا جائے کیونکہ جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہوگا وہ ظاہراً ان چھوٹوں کی نسبت سے اقرب الی المیت ہوگا۔ والاصغرون ابناء الاعمام والا کبر بمنزلة العم مثلاً الا ان یتثبت خلافہ۔

④ عجم میں جو قبائل عرب موجود ہیں ان میں جن کا سید اور صدیقی و فارقی و عثمانی و علوی وغیرہ سے ہونا متواتر ہے اُن کا بھی وہی حکم ہے جو اہل عرب کا ہے۔ لا اشتراک العلة وہی رجوعہم الی قبائل و شعوب و افخاذ۔

⑤ پس ان خاندانوں میں اگر کسی کا عصبہ قریب موجود نہ ہو تو اس صورت کو جہالت وارث میں داخل کر کے ذوی الارحام کو وارث نہیں کر سکتے کیونکہ جب عصبیات کا وجود متیقن ہے اور ترجیح کی صورت بھی حدیث سے معلوم ہے تو پھر جہالت کہاں رہی۔ فقہاء نے جو صورتیں جہالت وارث کی بیان کی ہیں اُن سب کا مرجع اس طرف ہے کہ ترجیح کی کوئی صورت موجود نہ ہو اور صورت مسئلہ میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ مثلاً ایک شخص فاروقی ہے اور اس کا عصبہ موجود نہیں مگر یہ معلوم ہے کہ اس شہر میں خاندان فاروقی کے بہت آدمی ہیں پس اول تو تجارت سے (اور یہ درجہ تائید میں ہیں) اور لوگوں کی روایات سے (اور یہ درجہ دلیل میں ہوں گے جب روادہ روایت میں تواتر ہو یا عدالت وعدد و مشاہدہ مند اس صفت کی ہو) تحقیق کرنا لازم ہے کہ میت سے سا تھ زیادہ قرب کس کو ہے اور مدت معلومہ تک اس کی تحقیق کرنی چاہیے اگر کوئی اقرب معلوم ہو جائے فبہا ورنہ اس شخص کے شہر میں جتنے فاروقی ہیں ان میں جو عمر میں سب سے بڑا ہو اس کو اور جو اس کا شقیق ہو گو عمر میں کم ہو اس کو ترکہ دے دیا جائے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس شہر کے فاروقی دوسرے شہروں کے فاروقیوں سے اقرب الی المیت ہے۔ اور جو ان میں سب سے بڑا ہے وہ چھوٹوں کے لئے حاجب ہے۔ کما قال الطحاوی وهو مذکور فی الحدیث۔ ایضاً واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۲۳ جمادی الاول ۱۴۱۸ھ

مورث کے انتقال کے بعد اگر کوئی وارث مرتد ہو جائے	السوال: کیا فرماتے ہیں علماء
تو اس کو ترکہ مورث سے حصہ — ملے گا یا نہیں؟	دین و مفتیان شرع متین سائل

ذیل میں کہ ایک مسلمان بھائی گزر گیا۔ اور اس مرحوم کے تین لڑکے لڑکیاں نابالغ موجود ہیں اور عورت بھی مسلمان تھی اور زندہ ہے۔ مگر اب وہ عورت برہما مشترک قوم میں چلی گئی ہے اور اب وہ عورت شوہر کے حصہ ترکہ کی خواستگار ہے حصہ ملنا چاہئے یا نہیں۔ عورت مذکور کو لوگ آمادہ کرتے ہیں کہ عدالت میں عورت دعویٰ کرے کہ اُسے حصہ شوہر سے ملے۔ تو کیا اُسے ترکہ ملے گا۔ اور شرعی حکم اس بارے میں کیا ہے؟

مستفتی

بندہ جمال الدین

الجواب

قال في الدر: ويبطل منه اتفاقا ما يعتمد الملة وهي خمس النكاح و الذبح والصيد والشهادة والأرث اه

قال الشافعي: فلا يرث احداً ولا يرثه احد مما اكتسبه في ردة بخلاف كسب اسلامه فانه يرثه ورثته (اي لان ارتداد المسلم كموته فكأنه مات المورث المسلم فيرثه وأرثه المسلم في كسب اسلامه)۔ (ج ۳، ص ۴۶۶)

وفي البدائع: واما المرتدة فلا يرث ملكها عن امور لها بلا خلاف فيجوز تصرفاتها في مالها بالاجماع لانها لا تقتل فلم تكن ردتها سبباً لزال ملكها عن امور لها بلا خلاف اه ج ۴، ص ۱۳۷۔

واما حكم الميراث فنقول لا خلاف بين اصحابنا رضي الله عنهم في المال الذي اكتسبه في حالة الاسلام يكون ميراثاً لورثته المسلمين اذ مات او قتل اولحق وقضى باللاحاق وقال الشافعي وهو فني الى ان قال وعلى هذا الاختلاف المرتدة اذا لحقت بدار الحرب لان المعنى لا يوجب الفصل اه

(ج ۳، ص ۱۳۹)

قلت واما ما قاله الفقهاء ان المرتدة لا يرث احداً فمعناه اذا كان مرتد او قتل موت مورثه واما اذا كان مسلماً وقت موته فيرثه وان ارتد بعد موته لان المانع لم يوجد وقت الارث۔

صورت مسئلہ میں یہ عورت اپنے شوہر سے میراث کا حق پانے کے مستحق ہے کیونکہ

اس کی موت کے وقت یہ مسلمان تھی اور عورت کی ملک ارتداد سے زائل نہیں ہوتی۔ لہذا اس کا حق میراث اس کی ملک میں باقی ہے اسی طرح اگر اس نے دین مہر وصول و معاف نہیں کیا تو وہ دین مہر کی بھی مستحق ہے۔

قلت واما علة اللحاق فلم توجد لانها ما انتقلت من دار الاسلام الى دار الحرب بل هي مسلمة في دار الحرب قد ارتدت فيها والله اعلم۔

حرره الاحقر

ظفر احمد عفا الله عنه ان تھانہ بھون

۲، جادی الثانی ۱۳۴۷ھ

امانت کی رقم سب ورثاء میں حسب سہام تقسیم کرنا
ضروری ہے یا کسی ایک وارث کو دینا بھی درست ہے
اور اسکے متعلق مزید چند سوالات کے جوابات

السوال: ① زید نے وفات پائی
اس کا روپیہ بکرے کے پاس امانت تھا۔
اور زید نے ایک بیوی۔ ایک نابالغ لڑکا

ایک نابالغ لڑکی۔ اور باپ کو وارث چھوڑا ہے۔ اب زید کا باپ چاہتا ہے کہ بکرے کے پاس جو روپیہ امانت ہے ہم کو ملے اور زید کی بیوی چاہتی ہے کہ ہم کو ملے اس صورت میں مطابق حصہ شرعی فرائض ہر ایک کو دیدیا جائے یا کیا حکم ہے؟

② ہر تقدیر تقسیم مطابق حصہ شرعی زید کے نابالغ لڑکے اور لڑکی کا حصہ ماں کو دیا جاوے یا باپ کو۔

③ زید مرحوم کا باپ کہتا ہے کہ کل روپیہ ہم کو ملے اور اس کے عوض میں ہم کچھ زمین پوتے کے نام لکھ دیتے ہیں۔ جائز ہے یا نہیں؟

④ زید کی بیوی کی مملوک چیزوں میں سے کچھ اپنے میکے لے گئی ہے اس کے عوض میں زید کا باپ جتنا اس کا اس چیز میں سے حصہ ہوگا اس روپیہ میں سے لے سکتا ہے یا نہیں۔ اور بکرے جو کہ امانت دار ہے دے یا نہیں؟

الجواب

① بکرے پر لازم ہے کہ امانت کو زید کے سب ورثاء پر حسب سہام شرعی تقسیم کر دے کل رقم کسی کو نہ دے۔

② چونکہ حق خضانت و پردریش ماں کو حاصل ہے اس لئے نابالغ بچوں کا روپیہ

ماں ہی کو دیا جائے۔ اور اگر اس پر اطمینان نہ ہو تو داد کو دیا جاوے۔ اور جس کو بھی دیا جائے اس سے باقاعدہ تحریر مع گواہوں کے لے لی جاوے۔ جو اپنے پاس بھی رکھی جاوے تاکہ بالغ ہونے کے بعد اُن بچوں کے حوالہ کر دی جائے کہ اگر ولی نے ان کو روپیہ نہ دیا ہو تو وہ وصول کر سکیں۔

③ سب روپیہ دینا تو اس طرح جائز نہیں کیونکہ اس میں زید کی بیوی اور لڑکی کا بھی حق ہے اور پوتے کے نام زمین کرنے سے ان کا حق ادا نہ ہو گا ہاں پوتے کی رقم زید کے باپ کو اس طرح دی جاسکتی ہے کہ وہ اول اس کے نام زمین لکھدے اور رجسٹری کے وقت روپیہ لے لے۔

④ بکر کو جائز نہیں کہ زید کی بیوی کا حصہ امانت کی رقم میں سے کم کرے بلکہ اسکو پورا حق دیدے۔ اس کے بعد زید کا باپ اپنا حق خود اس سے وصول کرے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

از تھانہ بھون۔ ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

مسئلہ فرائض | السؤال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر لا ولد فوت ہو گیا ہے اور اس نے اپنے تین سوتیلے بھائی جن کا باپ ایک ہے، اور دو زوجہ دارشان چھوڑے ہیں۔ متوفی مذکور کے ذمہ قرضہ متفرقات اور ہر دو زوجہ کا دین مہر باقی ہے۔ ترکہ کے تقسیم کی شرعاً کیا صورت ہوگی اور کس کس قدر حصہ ہر ایک وارث کو شرعاً ملے گا۔ دین مہر و قرضہ کی ادائیگی کی کیا سبیل ہوگی۔ جواب جلد مرحمت فرمائیں۔

الجواب

مسئلہ ۸

مورث بکر

زوجہ	-	زوجہ	-	اخ علاتی	-	اخ علاتی	-	اخ علاتی
۱		۱		۲		۲		۲

اول بکر کا سب قرضہ ادا کیا جاوے۔ مہر بھی دونوں بیویوں کا اور متفرق قرض بھی اور سب قرض ادا کرنے کے بعد جو ترکہ باقی رہے اس کو اس طرح تقسیم کیا جائے

کہ ۸، سہام کر کے ایک ایک سہام پر دو دو زوجہ کو اور دو دو سہام پر سہ سہائیوں کو دیا جاوے
اور اگر ترکہ نقد نہیں ہے اور ورثہ یہ چاہتے ہیں کہ جائیداد ہم رکھیں اور قرضہ اپنے پاس سے پھر
ادا کر دیں گے۔ تب بھی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ قرضخواہ اس پر راضی ہوں۔ اور اگر قرضخواہ
تاخیر پر راضی نہ ہوں تو ان کا قرضہ ابھی ادا کر دیا جاوے۔ خواہ جائیداد فروخت کر کے یا
اور کہیں سے انتظام کر کے۔ غرض یہ کہ بدون رضامندی قرضخواہ کے ترکہ ورثہ میں تقسیم
نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر ورثہ قرضہ ادا کرنے پر اس وقت تیار ہوں تو قرضخواہوں کو جائیداد
لینے یا فروخت کرنے کا حق نہیں کیونکہ ان کا حق عین ترکہ سے متعلق نہیں ہے بلکہ مالیت
سے متعلق ہے۔

قال في الدر المختار: (ظهر دين في التركة المقسومة تفسخ) القسمة
(إلا إذا قضوه) أي الدين أو أبراً الغرماء (الورثة أو يبقى منها) أي من
التركة (ما يعني به) لزوال المانع -

وفي الشامية : و(قوله ذمه الورثة) كذا في الدر قال ط فيه أن الدين تعلق بعين التركة بعد تعلقه بذمة الميت اه تتمه اجاز الغريم قسمة الورثة قبل قضاء الدين له الخ - ج ٥، ص ٢٦٠ -

وفيه أيضاً بقليل (قوله تعلق الدين بالمعنى) وهو مالية الشركة ولذا كان لهما ان يقضوا الغريم ويستقلوا لها كما مر اهـ -

قلت ولعل المراد مما رُقِلَ قول الدر المذکور، أنفا تفسخ القسمة إلا أن
قضية - والله أعلم -

کتابہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون۔ خانقاہ امدادیہ
۲۸ جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۸، ۲ ج ۲۵ھ

الأفحام في بعض أحكام ذوى الأرحام | السؤال :-

مسئلة علاج ۳۲

زوجہ - بنت - اخت شقیقہ - وابن - وابن - وابن - اخت شقیقہ - بنت - بنت و بنت للمخ الشقیق

$\frac{1}{8}$ ۳ ۳ ۳ ۳ ۶ ۶

در صورت مسطورہ بعض چنیں تخریج میکشد و بعضے برخلاف - فریق اول این چنیں -

مسئله ۴۱ ج ۳۲ ح ۲۲۴

زوجہ - بنت اخت شقیقہ - ابن وابن وابن لاخت شقیقہ اخی - بنت و بنت الاخ شقیق

$\frac{1}{142}$

$\frac{1}{142}$

$\frac{1}{142}$ $\frac{1}{142}$ $\frac{1}{142}$

۱۲

$\frac{1}{856}$

سوال آن ست که ازین ہر دو فریق قول کدام صحیح ست -

اقول وباللہ التوفیق - در صورت مذکورہ تخریج اول صحیح ست آنچه فخرج
ثانی در اولاد اخوات للذکر مثل حظ الانثیین کردہ وجہ ندارد چرکہ این تقسیم
با اولاد و کس فقط - واللہ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۲ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ

الجواب صحیح

مسعود احمد دارالعلوم دیوبند

۲۲ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ

الجواب الملقب بالافحام فی بعض حکام ذوی الارحام

ہمارے نزدیک تخریج ثانی صحیح ہے کیونکہ اختین کو ایک طائفہ بنایا جاوے گا -
اور پھر ان کے کل سہام کو ان کی اولاد میں للذکر مثل حظ الانثیین کے موافق تقسیم
کیا جاوے گا - سراجی میں ہے -

وعند محمد رحمہ اللہ یقسم المال علی الاخوة والاخوات مع اعتبار
عدد الفروع والجهات فی الاصول فما اصاب کل فریق یقسم بین فروعہم
کما فی الصنف الاول - اور صنف اول میں جو صورت چھ بطون کی فرض کی ہے اس سے
پیشتر لکھا ہے -

وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ: المال بین الاصول اعنی فی البطن الثانی
اثلاثا ثلثاہ لبنت ابن البنت نصیب ابیہا وثلثاہ لابن بنت البنت نصیب
امہ وکذلک عند محمد رحمہ اللہ اذا کان فی اولاد البنات بطون مختلفہ

يقسم المال على اول بطن اختلف في الاصول ثم يجعل الذكور طائفة و
الاناث طائفة بعد القسمة فما اصاب الذكور يقسم على اعلی الخلاف الذى وقع
فى اولادهم وكذلك ما اصاب الاناث وهكذا يعمل الى ان ينتهى بهذه الصورة
اس کے بعد صورت درج کی ہے جس میں ہر موقع اختلاف کو ذکر کو ایک طائفہ اور
اناث کو ایک طائفہ بنایا گیا ہے۔ اور طائفہ اناث کی اولاد میں للذکر مثل حظ الانثیین
پر عمل کیا گیا ہے۔ اور ایسا ہی طائفہ ذکور کی اولاد میں۔ حالانکہ وہ اولاد ایک شخص کی نہیں
ہے چنانچہ بطن سادس کے شروع ہی میں بنت وابن ہے اور ان کے اصول بطن خامس میں
بنت و بنت ہے۔ اور اس بطن سادس والے ابن کو دو سہام اور بنت کو ایک سہام دیا
گیا حاشیہ میں اس کی تفریح موجود ہے۔

فوجدنا باذاء البنتين فى البطن السادس ابنا و بنتا فقسما الثلاثة
(ای التی وصل الى البنتين فى الخامس) بينهما فاصاب الابن اثنان والبنت
واحد الخ۔

پس تخریج ثانی کے متعلق ”وجہ ندارد“ کہنا سمجھ میں نہیں آیا اور اسی طرح اس
دلیل میں ”چرا کہ تقسیم با اولاد یک کس الخ“ کہنا بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ واللہ اعلم
کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
۴ رجب المرجب ۱۳۲۵ھ

میں نے بھی دیکھتے ہی تخریج ثانی کو صحیح سمجھا تھا۔ اور اسی کے موافق میرا عمل تھا۔
مفتی صاحب کی تحریر سے کچھ تردد ہوا تھا جو اس توضیح سے رفع ہو گیا۔ اب بلا تردد تخریج
ثانی میرے نزدیک صحیح ہے۔

فقط نظراً احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون

۴ رجب المرجب ۱۳۲۵ھ

اعتراض بر جواب مذکور از سائل

آنکه تخریج ثانی را تصحیح می فرمایند خلاصه دلیل ایشان آنست که در مانحن
 فیه بعد تقسیم علی الاصول اخوات را طائفة واحد را باعتبار عدد فرع طائفة و دیگر اعتبار
 کرده آنچه باخوات میرسد در اولاد آن دلالت کرمثل حظ الانثیین کرده شود.
 چنانچه در سراجیه در صنف اول در صورت فرض شش بطون کرده شد. لیکن معلوم
 است که حکم و يجعل الذکور طائفة والاناث طائفة در آنان صورت است
 که در چند بطون از اصول اختلاف صفت واقع گردد. اما در مانحن فیه که در یک بطن از
 اصول اختلاف صفت واقع شده حکم و يجعل الذکور طائفة والاناث طائفة
 جاری کردن خلاف ظاهر است. بلکه در مانحن فیه معنی صورت اختلاف صنف یک بطن از
 اصول بعد تقسیم علی الاصول حکم و يجعل ما اصاب کل اصل بفرعه جاری کرده
 شود.

الحاصل آنکه فرق است در بیان آنکه یک بطن از اصول در صنف مختلف شود و در
 بیان آنان که چند بطن از اصول در صنف مختلف شود. و در بیان آنکه چند بطن از اصول
 در صنف مختلف شود که در صورت اولی حکم و يجعل ما اصاب کل اصل بفرعه
 کرده شود و در صورت ثانی بعد تقسیم علی اعلی الخلاف و يجعل الذکور طائفة
 والاناث طائفة کرده شود. تصریح این تفصیل در کتاب حاشیه در مختار معنی
 رد المحتار موجود است. چنانچه قدری از عبارت او نقل میکنم :

فان توحدت وليس فيهم ذوجهتين كينت ابن بنت بنت فابويوسف
 قسم المال على ابدان الفروع الى قوله ومحمد يقسم على اعلی بطن اختلف
 وهو البطن الثاني هنا ويجعل ما اصاب كل اصل لفرعه ان لم يقع بعده
 اختلاف كما في المثال المذكور الى قوله اما اذا وقع بعده اختلاف بالذكر
 والانوثة في بطن آخر واكثر. فان محمداً بعد ما قسم على اعلی بطن
 اختلف جعل الذکور طائفة والاناث طائفة اه

(باب توريث ذوي الارحام - رد المحتار)

قوله ويجعل ما اصاب كل اصل بفرعه ان لم يقع بعده اختلاف كما في المثال المذكور - الى قوله اما اذا وقع بعده اختلاف الى قوله جعل الذكور طائفة اه نص است درين كه اگر در يك بطن اصول اختلاف صنف واقع شود در آن صورت بعد تقسيم على الاصول جعل ما اصاب كل اصل بفرعه كرده شود - و در آنجا كه چند بطن از اصول در صنف مختلف شود در آنها بعد تقسيم على اعلی الخلاف يجعل الذكور طائفة والاناث طائفة كرده شود در ما نحن فيه چونكه يك بطن از اصول مختلف است در آن بعد تقسيم على الاصول آنچه هر يك اصول رسد بفرع او منتقل كرده شود - مثلاً بعد از اخراج فرض زوجه از تصحيح اول كه ۳۲ است سه باخت می رسد پس آن سه به بنت منتقل گردد - بر این تقدير احتیاج بر تصحيح ديگر نيست - و آنچه مخرج ثانی در اولاد اخوات للذكر مثل حظ الانثیین كرده خلاف تصریح و يجعل ما اصاب كل اصل بفرعه است - ظاهر قول سراجي كه مخرج ثانی تصحيح كندگان تخریج نقل می فرمایند مؤید تحقیق مذکور است چنانچه از شریفیه واضح می گردد - قال في السراجية : وعند محمد يكون المال بين الاصول اعني في البطن الثاني اثلاثا -

قال في الشريفة : وحينئذ يكون ثلثاه لبنت ابن البنت لان ذلك نصيب ابها قد انتقل اليه و ثلثه لابن بنت البنت فانه نصيب امه فانتقل اليه الى قوله وكذلك عند محمد رحمه الله تعالى - اي كما اعتبر عنده حال الاصول في البطن الثاني على ما عرفت كذلك يعتبر عنده حال الاصل في البطون المتعدده اذا كانت في اولاد البنات المتساوية في الدرجة بطون مختلفة وحينئذ يقسم المال الى ثم يجعل الذكور طائفة والاناث طائفة اه

پس صاحب سراجیه در صورت اولی (ولوترك بنت ابن بنت وابن بنت بنت) كه در صورت اختلاف صنف در يك بطن از اصول است بحكم يجعل ما اصاب كل اصل لفرعه اه تقسيم فرموده چنانچه از قول شریفیه لان ذلك نصيب ابها قد انتقل اليها ظاهر است و در صورت ثانیة كذلك عند محمد اذا كانت في اولاد البنات بطون مختلفة اه كه صورت اختلاف صنف در چند بطن از اصول

است بعد تقسیم علی اعلیٰ الخلاف بطریق و يجعل الذکور طائفة والاناث طائفة تقسیم فرموده و معنی و كذلك الخ حسب تصریح شریفیہ آن است کہ امام محمد چنانکہ در یک بطن از اصول صنفہ اصول را اعتبار می کند۔ همچنین در بطون مختلفہ از اصول حال اصول را اعتبار می کند پس وجہ شبہ در صورت ہمین قدر است کہ چنانچہ در صورت اولی صنفہ اصول اعتبار کرده می شود، همچنین در صورت ثانیہ و يجعل الذکور طائفة والاناث طائفة حکم دیگر است کہ علی الخصوص بہ صورت ثانیہ کہ صورت اختلاف بطون از اصول است تعلق دارد۔ و این حکم در صورت اولی جاری نیست۔ چنانچہ این امر از عبارت مذکورہ سراجیہ ظاہر است۔ پس از قولہ كذلك الخ در صورت اولی حکم و يجعل الذکور طائفة والاناث طائفة الخ جاری دانستن خلاف عقل و عرف است۔ واللہ اعلم کتبہ الفقیر عبد الخالق الکندیاری۔

جواب اعتراض مذکور

اقول وبالله التوفیق۔ شامی کی جو عبارت (یعنی و يجعل ما اصاب کل اصل لفرعہ) تخریج اول کی تصحیح کے لیے نقل کی گئی ہے وہ صورت مستولہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی کیونکہ صورت مستولہ میں فروع متوحدہ نہیں بلکہ بعض کے فروع متعدد ہیں و نیز فروع میں اختلاف ہے ذکورہ اور انوثہ کا۔ اور عبارت مندرجہ میں اس صورت کا حکم ہے جبکہ فروع متوحدہ ہوں یعنی ہر ایک اصل کی ایک ایک فرع ہو اور فرع میں ذکورہ و انوثہ کا اختلاف بھی نہ ہو چنانچہ عبارت مندرجہ سے پیشتر اس طرح ہے و ان اختلفت صنفۃ الاصول فی بطن او اکثر فاما ان تتوحد الفروع بان یکون لكل اصل فرع واحد و اما ان تتعدد و علی کل فاما ان یکون الفروع ذو جہتین اولافان توحدت الخ اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ حکم (و يجعل ما اصاب کل اصل لفرعہ) اسی صورت میں جبکہ ہر ایک اصل کی ایک ہی فرع ہو اور و يجعل ما اصاب کل اصل لفرعہ کے ساتھ ان لم یقع بعدہ اختلاف کی قید خود اشکال میں بھی نقل کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان فروع متوحدہ میں اس حکم کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مختلف فی الذکورہ والانوثہ نہ ہوں اور اس توحد فروع ہی کی مشق میں آگے چل کر علامہ شامی خود کہتے ہیں :

اما اذا وقع بعده اختلاف بالذكورة والانوثة في بطن آخر او اكثر فان محمداً بعد ما قسم على اعلی بطن اختلف جعل الذكور والاناث طائفة الی اس سے معلوم ہو گیا کہ باوجود تعدد فروع بھی فروع میں اختلاف ذکورۃ وانوثة کی وجہ سے اناث و ذکور کو الگ الگ طائفہ بنایا جاویگا۔ اور فی بطن آخر او اکثر کالفظ دلالت کرتا ہے کہ فقط دو بطون میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بھی طائفہ بنایا جاوے گا۔

مسئلہ		
مثلاً	مسئلہ	مسئلہ
بنت	بنت	بنت
ابن	بنت	بنت
بنت	ابن	بنت
۳	۲	۱

کی صورت میں بطن ثانی کی بنتیں کو طائفہ بنایا جاوے گا اور ان کے سہام ان کی اولاد میں لِلَّذِي كَرِهَ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ کے موافق تقسیم ہوں گے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بطن کا آخر مصداق کیا ہوگا۔ پس طائفہ بنانے کے واسطے اصول کے کئی بطون میں اختلاف ہونا ضروری نہیں بلکہ جب فروع مختلف فی الصنف ہوں تو اصول کے ایک بطن میں اختلاف ہونا ہی طائفہ بنانے کے واسطے کافی ہے اور یہ جعل ما اصاب کل اصل لفرع یہ بنا نہیں ہے کہ اصول کے ایک ہی بطن میں اختلاف ہے زیادہ میں نہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فروع میں اختلاف نہیں ہے جن کے واسطے طائفہ بنایا جاتا اور کچھ ثمرہ مرتب ہوتا اور ظاہرات ہے کہ باوجود توحید اور اتفاق فروع کے طائفہ بنانے میں کوئی تفاوت نہیں ہے مثلاً صورت ذیل میں بطن ثانی کی بنتیں کو طائفہ بناویں تب وہی حال ہے اور نہ بناویں تب وہی کمالاً مخفی۔

مسئلہ		
بنت	بنت	بنت
بنت	بنت	ابن
بنت	بنت	بنت
۱	۱	۲

یہ تو شامی کی عبارت کے متعلق عرض تھی جس میں ضرورت سے بھی کسی قدر زیادہ

وضاحت کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ عبارت سوال سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اور نیز اس توضیح سے شریفیہ کی عبارت مندرجہ اشکال کا محمل بھی معلوم ہو گیا اور شریفیہ یہاں موجود نہیں ورنہ ممکن ہے کہ اس کے متعلق بھی کچھ مفصل عرض کیا جاتا۔ اب شامی سے وہ عبارت نقل کرتا ہوں جو صورت مسئلہ پر منطبق ہے۔ عبارت مندرجہ اشکال کے بعد بھی جب توجہ فروع کا باعتبار شق حکم بیان کر چکے تو علامہ شامی دوسری شق یعنی تعدد فروع کی بابت تحریر فرماتے ہیں۔

وان تعددت فروع الاول المختلفین کلمہ او بعضهم وليس فیہم ذو جہتین ایضاً وذلک کا بنی بنت بنت بنت وبنی ابن بنت بنت وبنی بنت ابن بنت الی قوله ثم جعلنا الذکور طائفة والاناث طائفة الخ اور گو اس مثال میں اصول کے دو بطون میں اختلاف ہے لیکن اس پر مدار نہیں مدار تو فقط تعدد فروع مع اختلاف صفت فروع و اصول پر ہے۔ جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے۔ حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک تخریج ثانی ہی صحیح ہے۔ اور ان عبارات مذکورہ فی الاشکال سے اس میں کوئی خدشہ نہیں۔ اور آپ نے وکذلک الخ کے جو معنی بحوالہ شریفیہ لکھے ہیں وہ معنی صحیح نہیں اور واقعی اس کذلک سے وجہ شبہ حال اصول کا اعتبار کرنا ہی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی آگے نہریجعل الذکور طائفة الخ بھی موجود ہے جیسا کہ احقر نے پوری عبارت جواب اول میں نقل کی ہے۔ پس جب صنف اول کا حکم منقح ہو گیا تو صنف ثالث کا حکم بھی معلوم ہو گیا جس کی بابت اصل سوال ہے۔ کیونکہ سراجی وغیرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں صنف ثالث مثل صنف اول کے ہے، جیسا کہ سراجی کی عبارت اصل جواب میں موجود ہے اور شامی میں بھی صنف ثالث کے تحت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ قول سراجی سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صنف اول کے مثل ہے۔ لیکن علامہ شامی نے یہ لکھا ہے ولم ار من تعرض لذلك فلیراجع۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ الاحقر عبد الکرم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۱ رجب ۱۳۲۹ھ

بعد التبع والامعان فی عبارة الشامی

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۱ رجب ۱۳۲۹ھ

سوال بر جواب مذکور از سائل | مولوی صاحب موصوف برای جاری کردن حکم
و یجعل ما اصاب کل اصل لفرعه اتفاق صفة فروع شرط قرار می دهند یعنی
اگر فروع متوحدہ باشند و اتفاق در صفة فروع نباشد حکم و یجعل ما اصاب الخ
گا ہے جاری کردہ نمی شود۔ چنانچہ میفرمایند۔ اور یجعل ما اصاب کل اصل لفرعه
کے ساتھ ان لم يقع بعده اختلاف کی قید خود اشکال میں بھی نقل کی گئی ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ ان فروع متوحدہ میں اس حکم کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مختلف
فی الذکورة والا لوثیة نہ ہوں۔ قرار دادن این شرط برای اجراء حکم مذکور "یجعل
ما اصاب الخ" از قید ان لم يقع بعده اختلاف افادہ کردہ اند اما مشکل
آن است کہ علامہ شامی برای شق فان توحدت وليس فيهم ذو جهتين الخ
و یجعل ما اصاب کل اصل لفرعه (کہ ازاں مولوی صاحب موصوف استدلال
برای بودن شرط مذکور برای حکم مذکور می فرمایند) مثالی کہ بیان کردہ است در آن
خود اتفاق صفة فروع نیست بلکہ اختلاف در صفت فروع است چنانچہ تمام عبارت شامی
اینست فان توحدت وليس فيهم ذو جهتين کبنت ابن بنت وابن بنت بنت
فابو يوسف قسم المال على ابدان الفروع هنا ايضا۔ فثلثه للانثى وثلثاه
للمذكر مثل حظ الانثيين و محمد يقسم على اعلی بطن اختلف وهو البطن
الثانی هنا و یجعل ما اصاب کل اصل لفرعه ان لم يقع بعده اختلاف کافی
المثال المذكور۔ و مثال مذکور کہ علامہ شامی در حکم و یجعل ما اصاب کل
اصل لفرعه جاری فرماید کبنت ابن بنت وابن بنت بنت است در این مثال
اختلاف صفة فروع بدیہی است چنانچہ از قولہ فثلثه للانثى وثلثاه للمذكر مثل
فیک واضح است۔ پس اگر تحقیق مولوی صاحب کہ برای حکم و یجعل ما اصاب
اتفاق فروع لازم می دانند صحیح تسلیم کردہ شود۔ مثال آوردن علامہ شامی صورت
مذکورہ بنت ابن بنت وابن بنت بنت، جاری کردن بر حکم و یجعل ما اصاب الخ
صریح غلط خواهد بود۔ ازین جا واضح می گردد کہ برای حکم و یجعل ما اصاب کل اصل
لفرعه شرط اتفاق صفة فروع کہ موصوف قرار کردہ مبنی بر غفلت است از عبارت
مذکورہ و تفسیر بما لا یرضی قائلہ می ماند۔ و تنہا وحدت را مولوی صاحب موصوف

برای حکم مذکور و يجعل ما اصاب الخ شرط قرار نمی دهد پس حکم جاری نکردن و يجعل ما اصاب کل اصل لفرعه در صورت مانحن فیه هنوز جواب طلب است در حقیقت منشأ این غلط فہمی کہ مولوی موصوف را واقع شد است قولہ ان لم يقع بعدہ اختلاف است کہ موصوف از ان عدم وقوع اختلاف در صفت فروع می دانند و این صحیح نیست بلکہ مراد از قولہ ان لم يقع بعدہ اختلاف وقوع اختلاف در صفت اصول بعد از یک بطن است چنانچہ در مثال مذکور است کہ بنت ابن بنت و ابن بنت بنت است علاوہ آنکہ کلام در اختلاف صفت اصول است چنانچہ ازین پیشتر می فرمایند و ان اختلاف صفت الاصول فی بطن او اکثر فاما ان تتوحد الفروع الخ پس از عبارت مذکورہ بہ صراحت معلوم شود کہ برای حکم و يجعل ما اصاب الخ نبودن اختلاف در صفت اصول بعد از یک بطن شرط است۔ و آن شرط در مانحن فیه موجود است پس بر صورت مانحن فیه حکم و يجعل ما اصاب کل اصل لفرعه جاری لازم است در تحقیق مولوی صاحب دیگر اشکالات بخاطر خطور میکنند اما از خوف طوالت برین اکتفا می کنم اگر حضرت ایشان بہ نفس نفیس کہ غلط فہمی کہ طرفین را واقع شدہ رفع فرمایند غایت لطف و کرم

رقمہ نیازمند فقیر عبدالحق کنڈیاری
۸ شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ

مسئلہ ۳۲-۴

زوجہ - بنت الاخت - ابن الاخت - ابن الاخت - بنت الاخت - بنت الاخت

۱/۸ ۳ ۳ ۳ ۳ ۶ ۶

درخواست تحقیق از حضرت ایشان برای صورت مذکورہ است بر صورت مذکورہ وحدت فروع نبودن ذوجہتین در آنان وعدم وقوع اختلاف صفت در

عہ اس صورت میں توحد فرع کہاں ہے۔ توحد فرع کوشامی نے لکھا ہے۔ بان یکون لکل اصل فرع واحد اور صورت مسئلہ میں ایک ہمشیرہ کی تو ایک دختر ہے لیکن دوسری ہمشیرہ کے تین بیٹے ہیں۔ نیز بھائی کی دو بیٹیاں ہیں جیسا کہ بیشتر کے دونوں سوالوں میں اس کی تصریح ہے اب نہ معلوم کہ کس بناء پر یہ اختصار کیا کہ صورت اس طرح درج کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار اخوات اور دو اخوة کی اولاد ہے۔ اگر پہلا سوال یہاں نقل نہ ہوتا تو اس اصل صورت کا پتہ کیسے چلتا۔ اس میں احتیاط ضروری ہے کہ جتنی مرتبہ سوال کیا جائے سوال پورا اور مفصل نقل کیا جائے۔ فقط عبد الکرم عفی عنہ

اصول بعد از یک لطن برین همه امور منطبق است کہ علامہ شامی برای حکم و یجعل ما اصاب کل اصل لفزعہ شرائط قرار داده است۔ فقط الجواب

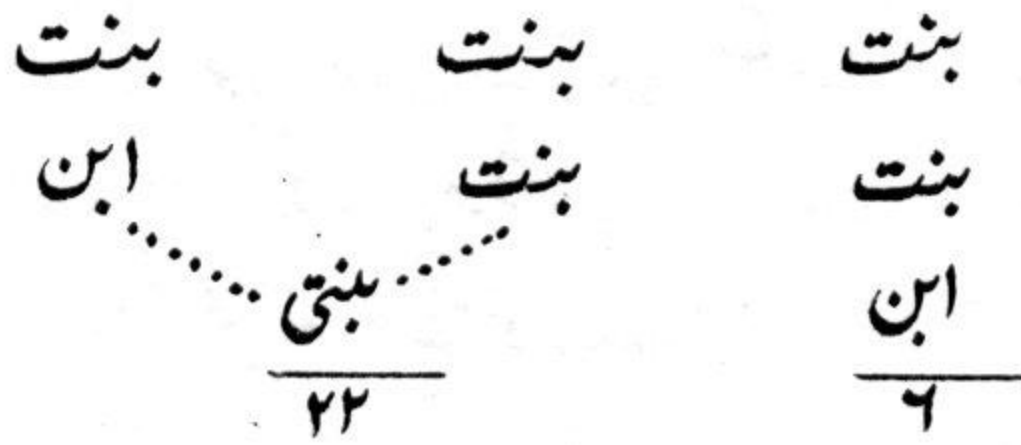
بعد حمد و صلوة کے گزارش یہ ہے کہ جو شبہ جواب پر کیا گیا ہے وہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ ان لم یقع بعدہ اختلاف، کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایک مرتبہ اختلاف کے بعد پھر آئندہ کسی لطن میں بالکل ہی اختلاف نہ ہو۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ ایک مرتبہ اختلاف کے بعد صنف واحد کی فروع میں اختلاف نہ ہو۔ اور یہ امر علامہ شامی کی ذکر کی گئی مثال میں موجود ہے کہ لطن ثانی میں اختلاف ہو کر پھر آئندہ نہ بنت کی فروع میں اختلاف ہے نہ ابن کی فروع میں۔ کیونکہ ہر دو کی فروع میں ایک ایک ہے۔ کسی صنف کی فروع متعددہ کا ہی تحقق نہیں تا اختلاف چہ رسد۔ پس ان لم یقع بعدہ اختلاف کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اختلاف صنف اصول کے بعد ہر دو اصناف کے یا صنف واحد کے فروع متعددہ تو ہوں لیکن وہ فروع مختلف فی الصفتہ نہ ہوں۔ مثلاً

بنت	بنت	بنت	بنت
ابن	ابن	ابن	ابن
بنت	بنت	بنت	بنت
ابن	ابن	ابن	ابن

کہ اس میں نہ ابناء کے فروع مختلف ہیں نہ بنات کے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہر دو اصناف کی ایک ہی فرع ہے اس وجہ سے اختلاف صفتہ کا فروع میں تحقق نہ ہو۔ جیسا کہ شامی کی مثال میں ہے۔

غرض یہ کہ علامہ شامی کی مثال میں ان لم یقع بعدہ اختلاف کی قید ملحوظ ہے۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ اگر تحقیق مولوی صاحب کے برائے حکم یجعلون ما اصاب اتفاق صفتہ فروع لازم می دانند صحیح تسلیم کردہ شود۔ مثال آوردن علامہ شامی کی صورت مذکورہ بنت ابن بنت وابن بنت بنت را وجاری کردن برو حکم یجعل ما اصاب الخ صریح غلط خواہد بود۔ اور اگر ان لم یقع بعدہ اختلاف کے وہ معنی مراد لیے جاویں جو اشکال میں ظاہر کئے گئے ہیں تو سراجا اور علامہ شامی کی مثال ذیل میں کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

یہ صورت ہی ان لم یقع بعدہ اختلاف کا مصداق ہے للقاعدة المشہورہ لا یقتضی وجود الموضوع۔



اس مثال میں اثاثہ کو الگ طائفہ بنایا گیا ہے۔ جس کی شامی اور سراجی میں تصریح موجود ہے۔ اگر یہاں بجعل ما اصاب کل اصل لفرعہ پر عمل ہوتا تو ابن بنت بنت کو ۳ سہام ملتے۔ کمالا یحتاج الى البیان۔

خلاصہ یہ کہ ان لم یقع بعدہ اختلاف کے وہ معنی قرار دینا صحیح نہیں جو اشکال میں ان لفظوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ مراد از قولہ ان لم یقع بعدہ اختلاف عدم وقوع اختلاف در صفت اصول بعد از یک بطن است۔ یہ تمام تر کی گفتگو ان لم یقع بعدہ اختلاف کے متعلق تھی جس سے معلوم ہو گیا کہ صورت مسئلہ میں یہ شرائط عدم اختلاف موجود نہیں اور اگر اس معنی کے موافق جو کہ اشکال میں بیان کیے گئے ہیں بالفرض اس شرط کا وجود بھی تسلیم کیا جاوے تو بھی صورت مسئلہ میں بجعل ما اصاب الخ جاری کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ شرط تو حد فروع کی جس کو صاحب اشکال بھی تسلیم کرتے ہیں اس جگہ موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ جواب سابق میں بھی عرض کر چکا ہوں

فقط والسلام

احقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ۔ تھانہ بھون

۱۳ شعبان ۱۳۴۵ھ

مسئلہ فرائض | سوال : اللہ دتے متوفی کے ترکہ میں شرعی شریک پانچ ہیں۔ اللہ دتے کی دو بہنیں حقیقی شریفین و سکینہ ایک بہن دوسری ماں سے اللہ دتی ہے۔ زوجہ متوفی کی شریفین چچا حقیقی سلاو مگر ترکہ نامزد صرف چار کے کر دیا گیا۔ مسماۃ اللہ دتی کو تحصیل میں مردہ نکھو ادا یا یہ فعل چچا سلاو نے کرایا تھا۔ مسماۃ شریفین زوجہ ۳۷ بیگہ ۸ بوہ

حقیقی چچا سلاو
۵۶ بیگہ ۵ بوہ

سکینہ ہمشیرہ
۲۸ بیگہ ۲ بوہ ۱۰ بوہ

شریفین ہمشیرہ
۲۸ بیگہ ۲ بوہ ۱۰ بوہ

کل میزان = ۱۴۹ بیگہ ۱۸ بوہ

چچا سلا رو نے متوفی کی دونوں بہنوں شریفین اور سکینہ کو بلا کر یہ کہا کہ مبلغ ۲۲۰۰ دو ہزار دو سو روپیہ اس ترکہ کے ذمہ قرض ہے۔ تم سب شرکار اپنے اپنے حصے کا قرض ادا کرو اور جائیداد تقسیم کر لو۔ تب بہنوں نے کہا کہ ہم نہ قرض دیں اور نہ زمین لیں ہمیں تو صرف روٹی کپڑے کی ضرورت ہے۔ شریفین بہن نے اپنے بچے کی قسم بھی کھائی تھی کہ میں کچھ نہ لوں گی۔ اور مجھے یعنی مسماہ شریفین زوجہ متوفی سے بھی قرض دینے کو کہا گیا تھا۔ بندی نے چچا سے کہا یعنی سلا رو سے کہ تم قرض ادا کرو میں اپنے حصے کی جائیداد تمہارے لڑکوں کے نام کرادوں گی۔ بندی ابھی بھی اپنے قول پر ہے جب چاہے مجھے اپنے قول پر پورا کر لو اور ان دونوں بہنوں نے دیکھا کہ قرض ادا کر دیا گیا ہے تب اپنا حصہ طلب کیا کہ ہماری زمین ہمیں واپس دیدو۔ حالانکہ سلا رو نے اپنی نجی زمین اسباب گھر کا بیج کر قرضہ ادا کیا تھا۔ قضاء الہی سے ایک بہن شریفین کا انتقال ہو گیا اور اس کے دو لڑکے ہیں زمین تو ان کے نام ہو گئی ہے، مگر کھانا بونا سلا رو کے تین لڑکے کر رہے ہیں۔ ان بچوں کو کوئی دیتا نہیں۔ اور ایک بہن پیشتر ہی اللہ دتی مردہ لکھوائی تھی، تیسری بہن مسماہ سکینہ بیوہ ہے وہ انہیں چچا سلا رو کی اولاد میں رہتی ہے۔ اور بھی ناراضگی میں کہہ دیتی ہے کہ کیوں؟ میری بھی تو زمین ہے۔ اب سلا رو کے ایک لڑکے مسمیٰ محمد تقی سے بندی کا نکاح ثانی ہوا ہے اور تمام ترکہ اللہ دتہ متوفی کا تینوں بھائی بھتیجے مساوی تقسیم کر لیتے ہیں جس میں بندی بھی کھاتی پہنتی ہے مگر بندی کے اختیار میں یہ نہیں کہ تقسیم زمین کر دے۔ دیگر شرکاء سے معافی چاہتی ہوں۔ وہ سنکر مضحکہ اڑاتے ہیں مگر اب مجھے میری جائیداد سے بھی کم آمدنی مل رہی ہے۔ میرے خاوند کی اور میری زمین مل کر تہائی سے زائد ہے مگر آمدنی تہائی کی مل رہی ہے تو کیا بندی عند اللہ گناہ گار اور حق العبد میں گرفتار ہے۔ بندی کو حق العباد کا فکر ہے۔

الجواب

زوجہ - اخذت عینیہ - اخذت عینیہ - اخذت علانیہ - عم
۳ ۴ ۴ ۱
محروم
شرعاً صحیح حساب یہ ہے

بوانسی بوہ بیگہ

زوجہ - ۱۰ - ۹ - ۳۷

ہمشیرہ - $۶\frac{۲}{۳}$ - ۱۹ - ۴۹

ہمشیرہ - $۶\frac{۲}{۳}$ - ۱۹ - ۴۹

چچا - $\frac{۲}{۳}$ - ۱۶ - ۹ - ۱۲

۱۴۹

۱۸

جس بہن کو یعنی سوتیلی بہن مسماۃ اللہ دتی کو جو مردہ لکھو ادیا ہے اس سے حصوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر اللہ دتی کو لکھواتے تب بھی وہ محروم رہتی جب تک کہ دو بہنیں موجود ہیں اور چچا عصبہ ہے تو سوتیلی بہن کو شرعاً کچھ نہیں ملتا۔ لہذا یہ جھوٹ ہے نتیجہ وہی رہا خواہ مخواہ گناہ کمایا

البتہ چار وارثوں میں جو تقسیم کی گئی وہ تقسیم بالکل غلط ہے نہ معلوم کس طرح حساب لگایا گیا ہے۔ اصل مسئلہ کی رو سے ایک تہائی (۳ سہام) ایک بہن کو ایک تہائی (۴ سہام) دوسری بہن کو اور چوتھائی (۳ سہام) بیوی کو ملنے چاہئیں۔ اور باقی $\frac{۱}{۴}$ سلا رو کو پہنچتا ہے۔ کل سہام ۱۲ ہوتے ہیں۔ شرعاً جتنا جتنا ملتا ہے وہ اوپر لکھ دیا ہے۔

اب یہ تو معلوم ہو گیا کہ اللہ دتہ کی بیوہ کو ۳۷ بیگہ ۸ بوہ جو حق ملا ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے بلکہ خود بیوہ کا $\frac{۱}{۴}$ بسوہ اور حق نکلتا ہے جو سلا رو کے پاس ہے۔ اسی طرح اللہ دتہ کی بہنوں کا حق بھی سلا رو کے پاس نکلتا ہے اور سلا رو کا حق شرعی صرف ساڑھے بارہ بیگہ کے قریب ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تم نے جو لکھا ہے کہ میری اور میرے خاوند کی زمین مل کر تہائی سے زیادہ ہے وہ غلط ہے۔ اس کے بعد جو معاملہ ہوا کہ قرض کل سلا رو نے ادا کیا اس سے بھی سلا رو دوسروں کے حصہ کا مالک نہیں ہوا۔ ہاں حصہ رسد قرض سب کے ذمہ ہے۔ ابشریفین اور سکینہ اور شریفین مرحومہ کے لڑکے مختار ہیں خواہ اپنا حصہ خود رکھیں اور حصہ رسد قرض سلا رو کو دیدیں خواہ قرض کی وجہ سے اپنا حصہ سلا رو کے ہاتھ بیچ دیں جو کچھ رکھنا ہے معاملہ صاف

کر لیں فقط وعدہ سے کچھ نہیں ہوتا۔ گول مول بات ٹھیک نہیں۔ وعدہ کی وجہ سے سلاہ و مالک نہیں بنا۔ اگر کسی کو منہ طور ہو کہ اپنا حصہ دے تو باقاعدہ بیع کرنا لازم ہے۔ خوب سمجھ لو۔ حتی الوسع بہت آسان کر کے لکھا ہے۔ وھذا کلمہ ظاہر۔

اب رہی یہ بات کہ تمہارا خاوند اور خیر تمہاری نہیں مانتے اور ناحی دوسروں کا حصہ دبا رکھا ہے اور اس کی آمدنی تمہیں بھی کھانی پڑتی ہے۔ اس کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ تم اپنی طاقت کے موافق کوشش کرتی رہو اور حتی الوسع دوسروں کے حق سے بچو باوجود اس کے مجبوراً اگر مشترک جائیداد مذکورہ کی آمدنی میں سے کچھ اپنے حصہ سے زائد تھا تمہارا خاوند تم کو کھلا دے تو اس کا گناہ اس کے ذمہ ہی رہے گا۔ تم بوجہ عذر کے بری الذمہ ہوگی۔ اور تم نے اگر کوشش میں کمی کی تو خدا علام الغیوب سے وہ دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔

فی الشامیۃ وفي الخانیۃ: امرأة زوجها فی ارض الجور اذا اكلت من طعامه ولم عینه غصباً او اشترى طعاماً او كسوة من مال اصله ليس بطیب فہی فی سعة من ذلك والاثم علی الزوج ۱ھ (ج ۵ - ص ۳۸۰)

کتبہ الاحقر عبد الکرم

از خانفتاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

(سؤال: زید نے اپنی عورت ہندہ کو بیماری میں طلاق دی اور اس بیماری میں نہیں مرا بلکہ اچھا ہو گیا اور پھر بیمار ہوا اور مر گیا اور موت کے وقت زید کی بیوی ہندہ عدت میں تھی تو وہ خاوند کے ترکہ سے حصہ پائے گی یا نہیں؟)

الجواب

اس صورت میں عورت کو میراث سے حصہ نہ ملے گا۔ کمافی الدر المختار: فلو صحّ ثم مات فی عدّتها لم ترث ۱ھ واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکرم عفی عنہ

از خانفتاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

تحقیق مرض الموت | السؤال : زید کافی عرصہ سے بیمار تھا۔ دمہ اور بھی کچھ کچھ مرض اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ وہ کبھی مرض زیادہ ہونے کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتا تھا اور کبھی مرض کم ہونے کی وجہ سے دل بہلانے کے لیے باہر نکل کر تیس چالیس قدم چل بھی لیتا اور اسی مرض میں گذر گیا۔ اب مرض الموت کب سے شمار ہوگی۔ جب سے زید دل بہلانے کے لیے مکان سے باہر نہیں نکل سکا تب سے یا جب سے کہ وہ بیمار پڑا تھا مرض کے مضمون کو مہربانی فرما کر ذرا تفصیل سے لکھا جائے۔

الجواب

امراض مذکورہ میں موت سے قبل اگر زیادتی اور تغیر ہو جائے تو اس تغیر اور زیادتی کے وقت سے مرض الموت شمار کیا جاوے گا کما قال العلامة الشامی فی رد المحتار علی الدر المختار (ج ۲ ص ۸۵۶)

قلت وحاصله انه ان صار قديماً بان تطاول سنة ولم يحصل فيه ازدياد فهو صحيح - اما لو مات حالة الازدياد الواقع قبل التطاول او بعده فهو مريض اه

پس صورت مسئلہ میں جب اس شخص کو مرض کی زیادتی کا وہ دورہ پڑا جس میں اس کا انتقال ہو گیا ہے اس وقت سے مرض الموت قرار دیا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

مسئلہ فرائض | السؤال : ایک عورت دو لڑکے، ماں باپ مردہ کا ۱۶ روپیہ قرض رہ گیا ہے۔ اور ۱۵ روپیہ خاوند پر قرض ہے۔ تقسیم ترکہ کے وقت خاوند نے کہا کہ ۱۱ روپیہ اور ۱۵ روپیہ سے ۱۶ روپیہ مجھے آتے ہیں ۱۵ روپیہ جو میرے قرض ہیں چھ ۶ روپیہ میں نے اپنا حصہ رکھ لیا ہے اور دو روپیہ لڑکوں کو دوں گا۔ اور ماں باپ دونوں نے کہا کہ ہم کو اس روپیہ میں سے چار چار روپیہ آتے ہیں ہمارے اوپر جو ۱۵ روپیہ ہیں ہم آٹھ روپیہ اپنے دو حصہ رکھ لیے ہیں اور آٹھ روپیہ

لڑکوں کو دیں گے۔ ماں، باپ اور خاوند نے روپیہ لڑکوں کو حاضری دیا نہیں اور اپنے اوپر لازم کر لیا ہے تو کیا حاضری بوقت تقسیم نہ دینے کی وجہ سے اس قسمت میں کوئی بطلان یا فساد ہے یا نہیں۔

الجواب

قال في الدرر كنھا ای القسمة هو الفعل الذي يحصل به الاقرار والتميز بين الانصباء وحكمها تعين نصيب كل من الشركاء على حدة اه (ج ۵ - ص ۲۴۷)

چونکہ واجب فی الذمہ ہوتا ہے اس کی تقسیم اس طرح بھی درست ہے کہ بر مدیون جو واجب ہے وہ متعین ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ واجب کس وارث کے حصہ میں لگایا گیا ہے۔ اور یہ بات صورت موجودہ میں پائی گئی اس لیے تقسیم دین صحیح ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۷ ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اجمالی فہرست امداد الاحکام

جلد اول تا چہارم

صفحہ	ابواب
	فہرست ابواب جلد اول
۲۳	دیباچہ طبع اول
۲۵	دیباچہ طبع دوم
۲۷	مقدمہ
۱۱۲	کتاب الایمان (فصل فی المفترقات)
۱۵۱	فصل فی الفرق الباطلہ
۱۶۸	فصل فی الفرق الاسلامیہ
۱۷۳	کتاب التقلید والا جتہاد
۱۷۸	کتاب السنۃ والبدعۃ
۲۱۳	کتاب العلم (فصل فی المفترقات)
۲۲۲	فصل فی تعظیم العلم والعلماء وآداب الفتوی
۲۲۹	فصل فی تعلیم القرآن و تلاوتہ و متعلقاتہ
۲۷۴	کتاب التفسیر
۲۸۳	کتاب ما یتعلق بالحديث و السنۃ
۲۹۹	کتاب الصوف
۳۰۶	کتاب الذکر و الدعاء و التہذبات
۳۳۷	کتاب السیر و المناقب
۳۴۳	کتاب الطہارۃ (فصل فی فرائض الوضوء)
۳۴۶	فصل فی سنن الوضوء و آدابہ مکروہاتہ
۳۴۸	فصل فی نواقض الوضوء

صفحة	ابواب
٣٥٨	فصل في موجبات الغسل وفرائضه وسننه وآدابه.....
٣٦٢	فصل في الحيض والنفاس والاستحاضة.....
٣٤١	فصل في احكام المعذور.....
٣٤٦	فصل في احكام المياه.....
٣٨٦	فصل في التيمم.....
٣٨٨	فصل في المسح على الخفين.....
٣٩٣	فصل في النجاسة واحكام التطهير.....
٤٠١	كتاب الصلوة (فصل في المواقيت).....
٤١٦	فصل في الاذان والاقامة.....
٤٣٦	فصل في احكام المسجد وآدابه.....
٤٦٣	فصل في شروط الصلوة واركائها واجباتها وسننها وآدابها.....
٤٩٤	فصل في الامامة والجماعة.....
٥٢٣	فصل في المسبوق واللاحق.....
٥٥٢	فصل في الحدث في الصلوة.....
٥٥٢	فصل فيما يفسد الصلوة وما يكره فيها.....
٥٦٦	فصل في القراءة ومسائل ذلة القارى.....
٥٩١	فصل في الوتر ودعاء القنوت.....
٦٠٣	فصل في سنن و النوافل.....
٦١٨	فصل في التراويح.....
٦٦٥	فصل في ادارك الفريضة.....
٦٦٥	فصل في قضاء الفوائت.....
٦٦٩	فصل في سجود السهو.....
٦٨٦	فصل في سجود التلاوة.....
٦٩٣	فصل في صلوة المريض والمسافر.....

صفحہ	ابواب
۷۲۴	فصل فی الجمعة والعیدین.....
۸۰۵	فصل فی صلوۃ الکسوف والاستسقاء ومتعلقاتها.....
۸۰۷	مسائل متفرقة کتاب الصلوۃ.....
۸۱۲	کتاب الجنائز (فصل فی الموتی والقبور).....
۸۲۲	فصل فی الغسل والکفن.....
۸۲۶	فصل فی الصلوۃ عل المیت.....
۸۳۷	فصل فی حمل الجنائز ودفنها.....
۸۴۰	فصل فی الشہد.....
فہرست ابواب جلد دوم	
۱	کتاب الزکوۃ.....
۲۸	باب الزکوۃ مال التجارۃ.....
۳۲	باب صدقۃ السوائم.....
۳۵	باب العشر والخراج.....
۳۹	باب صدقۃ الفطر.....
۴۵	باب المصاف.....
۹۷	کمپنی کے شیئرز کی زکوۃ.....
۹۸	کتاب الصوم.....
۱۱۰	فصل فی رؤیۃ الہلال.....
۱۲۸	فصل فیما یفسد الصوم وما یکبرہ للصائم.....
۱۳۵	فصل فی القضاء والکفارہ.....
۱۳۸	فصل فی الاعذار المبیحۃ الافطار.....
۱۴۱	فصل فی صوم النذر والقضاء.....

صفحہ	ابواب
۱۴۱	باب الاعتکاف.....
۱۵۱	کتاب الحج (فصل فیمن یفرض علیہ الحج).....
۱۶۶	فصل فی الاحرام وما ہو معذور فیہ.....
۱۸۰	فصل فی التران والتمتع.....
۱۸۲	فصل فی الوصیۃ بالحج والحج عن الغیر.....
۱۹۹	بحری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلقہ احکام.....
۲۰۱	کتاب النکاح.....
۲۴۲	فصل فی المحرمات.....
۲۵۵	فصل فی الانکحة الفاسدة.....
۲۸۵	فصل فی الاولیاء والاکفاء.....
۳۵۰	باب الوكالة بالنکاح.....
	فصل فی الجہاز والمہر.....
۳۷۷	فصل فی القسم عند تعدد الازدواج.....
۳۷۷	مسائل متفرقة متعلقہ نکاح.....
۳۸۴	کتاب الطلاق.....
۳۸۴	(باب ایقاع الطلاق).....
۴۴۳	فصل فی الطلاق الصریح.....
۴۵۳	فصل فی الطلاق بالکنایات.....
۴۸۱	فصل فی تفویض الطلاق.....
۴۹۵	فصل فی تعلیق الطلاق.....
۵۵۹	فصل فی طلاق المریض والصبی والسكران الخ.....
۵۷۰	فصل فی الطلاق الثلاث واحکامہ.....
۶۷۶	فصل فی الخلع واحکامہ والطلاق علی المال.....
۶۹۰	فصل فی فسخ النکاح عند کون الزوج مفقوداً او عینياً او متعنتاً فی النفقة او مجنوناً.....

صفحة	البواب
٨٢١	فصل في احكام الحرمة المصاهرة.....
٨١٢	فصل في ارتداد الزوجين او احدهما.....
٨١٨	فصل في الظهار والايلاء واللعان.....
٨١٩	باب العدة.....
٨٢٢	فصل في الحداد.....
٨٣٠	باب ثبوت النسب و مدة الحمل.....
٨٣٣	كتاب الرضاع.....
٨٤٦	باب الحضانة.....
	كتاب النفقات.....
٨٨٠	فصل في نفقة الزوجة وسكنائها.....
٨٨٩	فصل في نفقة الاولاد والآباء والامهات.....
٨٩٥	فصل في نفقة ذوى الارحام.....
فهرست ابواب جلد سوم	
٢٤	كتاب الأيمان والنذور.....
٢٤	كتاب الملقطة والملقيط.....
٢٩	كتاب الوقف.....
١٦٢	احكام المساجد والمدارس.....
٢٤١	احكام المقابر.....
٢٨٨	كتاب الشركة والمضاربة.....
	كتاب البيوع (المحترقات).....
٢٠٢	فصل في خيار الرؤية وخيار الشرط وخيار العيب.....
٢٠٥	فصل في البيع الفاسد والباطل.....
٢٢١	فصل في البيع الاراضى والبساتين والزروع والثمار.....

صفحه	ابواب
۴۲۴	فصل فی بیع السلم
۴۲۷	فصل فی بیع الوفاء
۴۳۵	باب الحقوق
۴۴۱	مسائل جدیدہ متعلقہ بیوع
۴۵۱	کتاب الربو القمار
۴۷۰	مسائل جدیدہ متعلقہ ربو و قمار
۴۸۲	باب القرص والدین
۴۹۲	کتاب الزهون
۵۰۴	کتاب الاجارة
۵۰۷	کتاب الودیعة والعاریة
۶۱۴	کتاب الغصب
۶۱۸	کتاب الضمان

فہرست ابواب جلد چهارم

۴۵	کتاب الهبة
۵۹	کتاب الاکراه
۶۲	کتاب الامارة والسیاسة
۶۳	کتاب الدعوی والشہادت والقضاء
۱۲۴	کتاب القصاص والدیات
۱۲۶	کتاب الحدود والتعزیرات
۱۳۷	کتاب الاقرار والصلح
۱۴۴	کتاب الوكالة والکفالة
۱۴۸	کتاب الشفعة
۱۷۱	کتاب المیزان والمسابقات
۱۹۰	کتاب الصيد، الذبائح والاضحیة والعقیقة
۲۸۷	کتاب الخطر والاباحة
۲۸۷	باب الرشوة والهدایا والضيافات
۳۰۰	باب الاکل والشراب
۳۱۶	باب التدائی
۳۲۴	کتاب اللباس والزینة
۳۶۵	باب اللعب والغناء والتصاویر
۳۸۵	معاملات المسلمین باهل الکتاب والمشرکین
۳۹۵	مسائل متفرقة
۴۶۴	کتاب المعتفرقات
۵۷۰	کتاب الوصیة
۵۸۸	کتاب الفرائض



امداد الاحکام

امداد الفتاویٰ کا شملہ جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

زیر نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

مکتبہ تہذیبیہ دارالعلوم کراچی

www.ahlehaq.org